ابراہیم اشک

تجربہ کار رُباعی گو

ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی

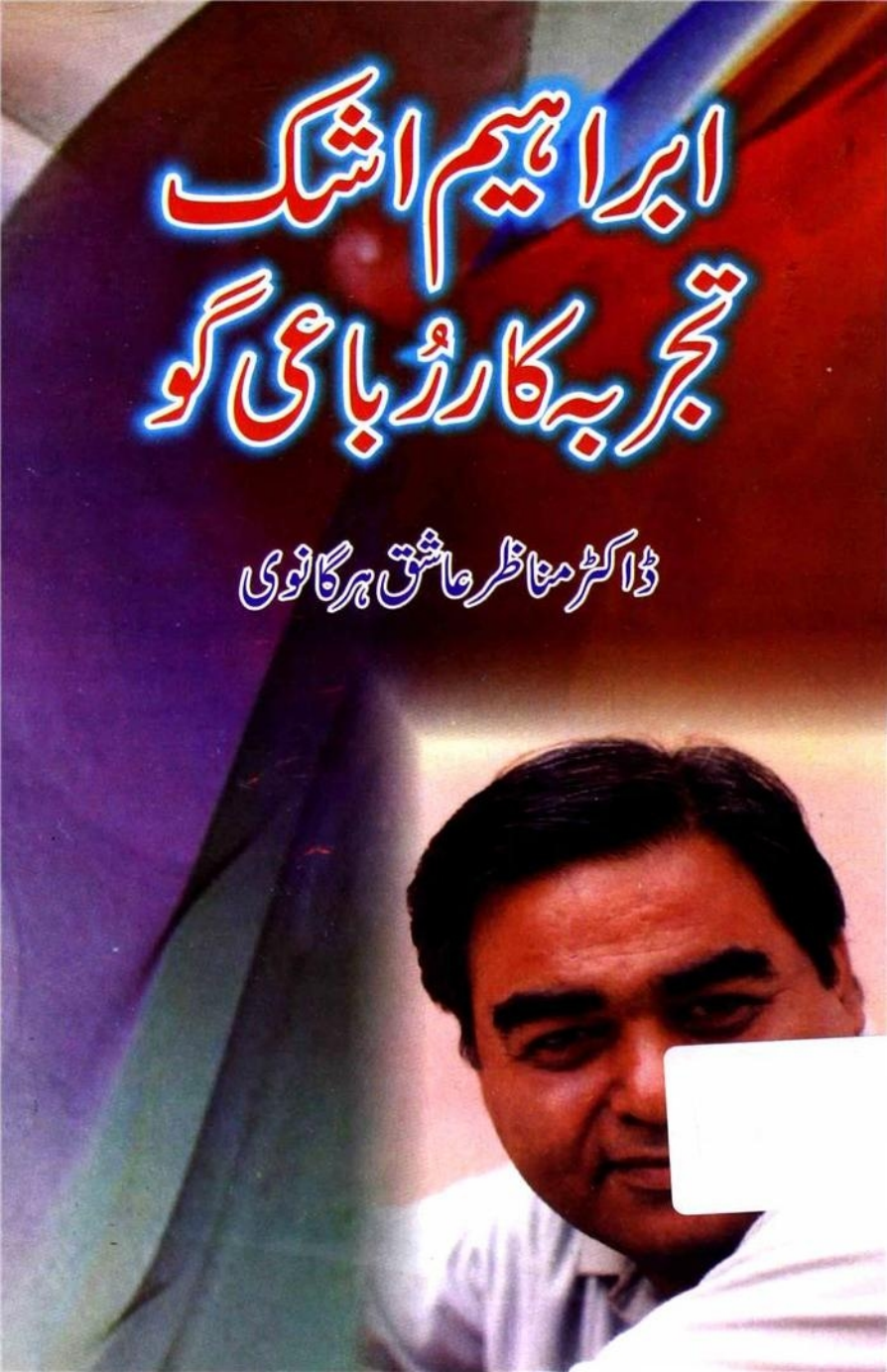

ابراہیم اشک:
تجربہ کار رُباعی گو

ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی

ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی ۶

ابراہیم اشک کی رباعیات اور عالمی موضوعات

اردو شاعری میں ایسی مثالیں بہت ملیں گی جب شاعر نے کبھی تعلّی کے بطور اور کبھی خود اعتمادی کے بھروسے پر اپنی شاعری کے حوالے سے کچھ دعوے کئے ہیں۔ ہمارے عہد کے معروف شاعر جناب ابراہیم اشک نے بھی اپنی رباعیات کی بابت یہ دعویٰ کیا ہے :

گنجینۂ معنی کا ہنر لایا ہوں ☆ افکار کا اندازِ دگر لایا ہوں
اے ظلمتِ تاریخِ ادب تیرے لئے ☆ دامن میں رباعی کی سحر لایا ہوں

شاعر کے اس دعوے پر گفتگو کرنے سے پہلے یہ ضروری ہے کہ تاریخِ ادب کے ان اوراق کا اجمالی جائزہ لیا جائے جن پر عہد بہ عہد سفر کرتے ہوئے رباعی ہم تک پہونچی ہے۔ دیکھا جائے تو غزل کی مانند رباعی بھی فارسی گو شعرا کی دین ہے۔ قدما میں رودکی، سلطان ابوالخیر ابوسعید، عمر خیام، بوعلی سینا، مولانا روم، فردوسی، جامی اور فریدالدین عطار جیسے صاحب دل اور صاحب نظر بزرگوں نے دوسری اصنافِ سخن کے ساتھ ساتھ رباعی کو بھی اپنے مقصد کے حصول کے لئے برتا۔ ان بزرگوں کا خاص مذاق تصوف تھا جس کے تحت دل اور دماغ دونوں کو رومان انگیز تسلی ہوتی ہے اور ہر حقیقت میں حسن کا جلوہ دکھائی دیتا ہے، جو آخر کار بصارت اور بصیرت کے ان جہانوں کی سیر کراتا ہے جہاں فنِ جمالیت کی تربیت ہوتی ہے اور دل کی گداختگی بھی اپنا رنگ دکھاتی ہے جو اعلیٰ شاعری کے لئے بہر حال ضروری ہے۔ شعرائے اہلِ دکن خصوصاً قلی قطب شاہ، ولی دکنی، سراج اورنگ آبادی کے وسیلے سے جب اردو شاعری کا چرچا عام ہوا تو رباعی بھی اپنے قدیم مزاق اور موضوعات کے ساتھ اردو کے لبادے میں نظر آئی۔ ان شعرا کی کچھ رباعیات نمونہ کے طور پر درج کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے :

تجھ حسن سوں تازہ ہے سدا حسن و جمال ☆ تجھ یاد کی مستی سے ہے عاشق کوں حال
تو ایک ہے تجھ سا نہیں دو جا کوئی ☆ کیوں پاوے جگت صفحے کوئی تیری مثال
(قلی قطب شاہ)

رکھ دھیان کو ہر آن تو معبود طرف ☆ رکھ سیس کو ہر حال میں مسجود طرف
معدوم کو موجود سوں کیا نسبت ہے ☆ اولیٰ ہے کہ مائل ہو توں موجود طرف
(ولی دکنی)

نسبت صوفیائے کرام اور بزرگانِ دین نے رباعی گوئی کی جانب خاصی توجہ مرکوز کر رکھی تھی۔ لہٰذا ان کی رباعیوں میں ان کے اوصافِ حمیدہ کے اثرات کا مرتب ہونا لازمی تھا۔ جہالت کے اس دور میں معاشرے کی اصلاح اور دین کی تبلیغ ان کے پیشِ نظر تھی۔ یہی سبب تھا کہ ان کی رباعیوں میں ایسے مضامین نظم ہوتے رہے جو انسان کے نفس کی کثافت کو دھو کر ان کے ذہن وقلب کو منور کر سکیں۔ نتیجتاً عام شعرا کرام بھی ان کی پیروی کرتے ہوئے اسی نوعیت کی رباعیاں خلق کرتے رہے جیسی رباعیاں صوفیائے کرام کہا کرتے تھے۔ آج کے شعرا کے ہاں بھی یہی رجحان پایا جاتا ہے۔ کم شعرا ہیں جن کے ہاں موضوعات کا تنوع سامنے آیا ہے۔ بالخصوص نئی نسل تقلید کی روش سے ہٹ کر نہ صرف رباعیاں تخلیق کر رہی ہے بلکہ اس صنف کو برتنے میں اپنے فکر وفن کا جوہر بھی دکھا رہی ہے۔

ابراہیم اشک کا شمار بھی اسی نسل سے ہے۔ موصوف گزشتہ تیس برسوں سے شاعری کی زلفیں سنوار رہے ہیں۔ وہ غزلیں بھی کہتے ہیں اور نظمیں بھی، رباعیاں بھی اور دوہے بھی، گیت اور دیگر اصناف شاعری بھی ان کی منظورِ نظر ہیں جن سے وہ یکساں طور پر اپنے عشق کا مظاہرہ کرتے رہتے ہیں۔ جواباً ان کے حرمِ خیال میں وفا پانے والی تمام اصنافِ سخن بھی ان پر اپنی بے پناہ محبتیں نچھاور کر رہی ہیں۔ اکثر اخبارات ورسائل میں ان کی رباعیاں پڑھتا رہا ہوں۔ اس وقت میرے سامنے ان کی ۱۰۵ رباعیاں موجود ہیں۔ ان رباعیوں کے مطالعے کے بعد جو مجموعی تاثر قائم ہوا ہے وہ یہ کہ ابراہیم اشک نہ صرف فکر وفن میں کمال رکھتے ہیں بلکہ زبان و بیان پر بھی انھیں ملکہ حاصل ہے۔ وہ الفاظ کے نشیب وفراز سے واقف ہیں۔ وہ اس نکتے کا بھی ادراک رکھتے ہیں کہ ادق اور غیر مانوس الفاظ رباعی کے حسن کو زائل کر دیتے ہیں۔ تراکیب بھی ایسی ہوں جن سے رباعی کی سلاست مجروح نہ ہو۔ رباعیاں تخلیق کرتے وقت یہ تمام جہتیں ان کے پیشِ نظر رہتی ہیں۔ یہ روش کم کم شعراء کے یہاں پائی جاتی ہے۔

ابراہیم اشک کی رباعیوں میں جہاں دنیاوی معاملات کا احاطہ کیا گیا ہے وہیں خدائے بزرگ و برتر کی ثنا خوانی بھی کی گئی ہے اور منکرانِ خدا کو موجوداتِ کائنات کے حوالے سے خالقِ کائنات کی موجودگی کا بھی یقین دلایا گیا ہے۔ محبوبِ خدا رسولِ کریم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی توصیف کا حق ادا کرتے ہوئے ایک رباعی میں حضورؐ کے حالات کو سرچشمۂ ایماں، کلمات کو گنجینۂ دوراں اور بیانات کو ظلمت میں چراغاں تسلیم کیا گیا ہے۔ اس نوعیت کی رباعیاں ملاحظہ ہوں :

- پتوں میں ہوا ہے تو خدا بھی ہوگا ☆ پتھر میں صدا ہے تو خدا بھی ہوگا
  جگنو میں چمک، خوشبو ہے اگر چہ گل میں ☆ ہر شئے میں ادا ہے تو خدا بھی ہوگا

- روشن مہ وخورشید ترے نور سے ہیں ☆ ذرّے بھی بصد دید ترے نور سے ہیں
  تو چاہے جسے بس اسے روشن کردے ☆ دل سب کے پُر امید ترے نور سے ہیں
- سرچشمۂ ایماں ہیں حالاتِ رسولؐ ☆ گنجینۂ دوراں ہیں کلماتِ رسولؐ
  انسان کی عظمت کو بڑھانے والے ☆ ظلمت میں چراغاں ہیں بیاناتِ رسولؐ

خالقِ دو جہاں کی مدح سرائی اور اس کے محبوب کی توصیف کے بعد شاعر نے آلِ رسول حضرت امام حسینؓ کی صفات کی بھی تعریف کا فریضہ ادا کرنا ذریعۂ نجات جانا ہے۔ اس حسینؓ نے جنھوں نے باطل کے ساتھ سمجھوتہ کرنے سے صاف انکار کردیا اور حق وصداقت کی راہ میں نہ صرف اپنے آپ کو قربان کردینا افضل سمجھا بلکہ اپنے پورے خاندان کی قربانیاں پیش فرما کر ایک ایسی تاریخ مرتب کردی جس کی ایک بھی مثال تاریخِ عالم میں نہیں ملتی :

مظلوم نہ بے کس تھے حسین ابن علیؓ ☆ بے آس نہ بے بس تھے حسین ابن علیؓ
مفہوم شہادت کا بتانے والے ☆ ہر حال میں چوکس تھے حسین ابنِ علیؓ

نواسۂ رسول حسین ابنِ علیؓ کو مظلوم، بے کس، بے آس اور بے بس سمجھنے والوں کے لئے شاعر کا پیغام ہے کہ حسینؓ میدانِ کربلا نہ تو مظلوم تھے نہ بے کس، نہ بے آس تھے نہ بے بس! ان کے ہمراہ ایمان تھا، تقویٰ تھا، جذبہ صبر واستقلال تھا، یہ وہ ہتھیار تھے جن سے حسینؓ لیس تھے۔ یزید نے میدان کربلا میں مکاریوں کے جال بچھا کر جو حالات پیدا کردیے تھے ان حالات میں اچھے اچھوں کا ایمان خطرے میں پڑ جاتا۔ لیکن امام حسینؓ نے کربلا کی تمام صعوبتیں جھیلنے کے باوجود یزید کی مکاریوں کے سامنے ایسی چوکسی برتی کہ انھوں نے نہ صرف جامِ شہادت نوش فرمایا بلکہ اپنے ایمان وشہادت کو بھی دونوں جہاں میں سرخروئی عطا کردی!

ماں دنیا کی عظیم ترین ہستی کا نام ہے۔ دنیا میں ہر رشتے کا بدل ممکن ہے لیکن ممتا کا نہیں۔ ماں سراپا محبت اور ممتا کی پیکر ہوتی ہے۔ اس کی عظمت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ اس کے قدموں تلے جنت رکھ دی گئی ہے۔ شاعر نے بھی ماں کی عظمت کے گن گاتے ہوئے ماں کو پھولوں کی ڈالی، بچوں کے چمن زار کی مالی اور رتبے میں زمانے سے نرالی ہونے کا دعویٰ کیا ہے جو بے بنیاد نہیں۔ ماں سے متعلق دو رباعیاں ملاحظہ فرمائیں :

- سوچو تو کوئی پھول کی ڈالی ماں ہے ☆ بچوں کے چمن زار کی مالی ماں ہے
  قدموں میں جو جنت کو لئے پھرتی ہے ☆ رتبے میں زمانے میں نرالی ماں ہے
- ماں جیسی محبت نہ ملے گی یارو ☆ ماں جیسی عنایت نہ ملے گی یارو
  مل جائے گی ہر چیز جہاں میں، لیکن ☆ ماں جیسی حقیقت نہ ملے گی یارو

درج بالا رباعیاں تہذیبی روایات کی پاس داری میں عقیدتاً کہی گئی ہیں۔

اب آیئے ابراہیم اشک کی اُن رباعیوں کا بھی مطالعہ کرتے چلیں جن میں ان کے فکری وفنی شعور کا بہاؤ بھی ہے، مطالعہ ومشاہدہ کا رچاؤ بھی، درد وکرب، تیز الاؤ بھی اور ماحول کو پُر لطف بنانے کی بھاؤ بھی :

- اک ابرِ گہر بن کے برس جاتے ہیں ☆ ہر دل میں دھڑک جاتے ہیں، بس جاتے ہیں
  ایسا بھی کئی بار ہوا ہے، لیکن ☆ اک سانس بھی لینے کو ترس جاتے ہیں
- ہنس دیں تو زمانے کو گلستاں کر دیں ☆ رو دیں تو گلستاں کو بیاباں کر دیں
  دنیا کو بدلنے کی ادا ہے ہم میں ☆ نظریں جو اُٹھا دیں تو چراغاں کر دیں
- اک قطرۂ دریا ہے تو دریا ہو جا ☆ اک ذرّہ صحرا ہے تو صحرا ہو جا
  اس طرح گزر اشک حدوں سے اپنی ☆ اک شخص اگر تو ہے تو دنیا ہو جا
- رشتے کئی ایسے بھی نبھائے ہم نے ☆ بے حال ہوئے، زخم بھی کھائے ہم نے
  اک بوجھ محبت اُٹھانے کے لئے ☆ سو بوجھ زمانے کے اٹھائے ہم نے
- چپ چاپ بھرے گھر میں نہ بیٹھے رہیے ☆ افسانہ ہی بچوں کو سناتے رہیے
  ہر بات پہ کڑھنے سے تو اچھا ہے یہی ☆ اک لطف کا ماحول بنائے رہیے

درج بالا رباعیوں میں انسان کی عظمت، انسانیت کی معراج اور زمانے کی رونق پر شاعر نے بھرپور روشنی ڈالی ہے۔ انسان کا ابر گہر بن کر برسنا، ہر دل میں بس کر دھڑکنا، اس کے باوجود خود ایک سانس لینے کیلئے ترستے رہنا! آج کے انسان کا مقدر بن چکا ہے، دوسروں کے لئے جیتے جیتے انسان خود جینے کو ترس جاتا ہے لیکن وہی انسان مسکرا دے تو زمانے کو گلستاں کر دے، رو پڑے تو گلستاں کو آنسوؤں میں بہا کر بیاباں کر دے، نظریں اٹھا دے تو ہر طرف چراغاں کر دے، قطرے سے دریا، ذرّے سے صحرا اور شخص سے دنیا ہو سکتا ہے بشرطیکہ وہ اپنی حدوں سے گزر جانے کا تہیّہ کر لے۔ انسانیت کی معراج اس میں بھی ہے کہ وہ ہر رشتے کو انصاف کے ساتھ نبھاتا رہے۔ رشتوں کو نبھانے میں زخم کھا کر مجروح بھی ہونا پڑتا ہے۔ محبت کا ایک بوجھ اُٹھانے کے لئے زمانے کے سینکڑوں بوجھ اُٹھانے ہوتے ہیں۔ یہی دنیا کا دستور ہے۔ گھر سے باہر تک یہی ریت دیکھنے کو ملتی ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ بھرے گھر میں منہ لٹکائے بیٹھا رہے۔ ہر بات پر کڑھنے سے تو اچھا یہی ہے کہ بچوں کو من گھڑت قصے کہانیاں سنا کر گھر میں ایک لطف کا ماحول بنائے رکھنا چاہئے :

- سامان تباہی کا لئے بیٹھے ہیں ☆ سب جنگ کا اعلان کئے بیٹھے ہیں
  ایٹم بموں کی ہوڑ لگی ہے ایسی ☆ سر موت کے جبڑے میں دیئے بیٹھے ہیں

- ہتھیار نئے ہم جو بنا کے آئے ☆ خود اپنی تباہی کو بڑھا کے آئے
  کس درجہ نئے دور میں ہم آگے بڑھے ☆ تلوار گئی بم کے دھماکے آئے
- سچ بات کوئی کہنے کو تیار نہیں ☆ اجلاس میں دنیا کی صلح کار نہیں
  ملکوں کی سیاست کا عجب ہے ناٹک ☆ کمزور کا کوئی بھی طرفدار نہیں

پہلے جنگ کے آداب ہوا کرتے تھے۔ میدان جنگ میں اسلحوں سے بس دونوں طرف کی فوجیں بالمقابل لڑا کرتی تھیں۔ اب جنگ کے نہ وہ آداب رہے نہ اسلحے، ترقی کے نام پر انسان ایٹمی دور میں داخل ہو گیا ہے۔ ترقی نے تباہی کی طرف رخ کرلیا ہے اور آج کا انسان موت کے دہانے پر کھڑا ہے۔ ایٹمی دھماکوں کے ہولناک تصور سے ہی روح کانپ اٹھتی ہے۔ پہلے دور باعیوں میں اسی پہلو کی طرف شاعر کا اشارہ ہے۔ آخری رباعی میں امن کا نعرہ لگانے والے ادارے سلامتی کونسل کے بدنما کردار پر انگشت زنی کی گئی ہے۔ اس ادارے میں بھی دکھاوے کا اجلاس ہوا کرتا ہے۔ وہاں بھی سچ کو کوئی نہیں، صلح کار بھی کوئی نہیں، کمزور کا طرف دار بھی کوئی نہیں۔ سب کے سب طاقت ور ممالک کے ہم نوا ہیں۔ انھی کا ساتھ دیا جاتا ہے۔ عراق کا انجام ہمارے سامنے ہے :

ابراہیم اشک کی رباعیوں میں جہاں جنگ، ایٹمی دھماکوں اور عالمی سیاست پر گفتگو کی گئی ہے وہیں عشق کی داستان بھی چھیڑی گئی ہے۔ عشق جو ایک آفاقی جذبے کا نام ہے۔ اس جذبے سے کم وبیش ہر انسان کا دل معمور ہوتا ہے۔ ابراہیم اشک بھی اس لطیف جذبے سے سرافراز ہیں۔ کسی کے لئے ان کا دل بھی پریشان رہتا ہے، ان کی نیند بھی اچٹ جاتی ہے پھر بھی کسی دلنواز چہرے کے تصور سے ان کی آنکھیں ہر وقت آباد رہتی ہیں۔ محبوب خوش رہے کہ ناراض، محبت کی آگ میں ان کا دل جلتا رہتا ہے، وہ بھی اس ادا کے ساتھ جس طرح آندھی میں مدھم دیا! عشقیہ رنگ سے ہم آہنگ دو رباعیاں نذرِ قارئین ہیں :

- آباد تصور سے ہیں آنکھیں ہر دم ☆ خوش ہم سے رہے یار کہ چاہے برہم
  دل ہے کہ محبت میں جلے ہے ایسے ☆ آندھی میں دیا جیسے جلے ہے مدھم
- یاد اُس کی جاتی ہے، پلٹ آتی ہے ☆ اکثر یہ ہوا نیند اُچٹ جاتی ہے
  بٹ جاتا ہے لمحوں میں مرا سارا وجود ☆ قسطوں میں مری رات بھی کٹ جاتی ہے

ہم جس سفر پر روانہ کئے گئے ہیں زندگی اس سفر کا ایک پڑاؤ ہے۔ ہم ایک نامعلوم سی منزل کی طرف محوِ سفر ہیں۔ اس سفر میں بے شمار بارِ الم ہیں جنھیں ہم اٹھانے پر مجبور ہیں۔ کچھ بار تو اٹھا چکے ہیں باقی جو بچ رہے ہیں وہ بھی اسی طور اٹھالیں گے۔ پھر ایک دن وہ مقام بھی آئے گا جب نہ کوئی بار ہوگا نہ کاندھے۔ ہم گرد

کی مانند بکھر جائیں گے۔یعنی موت ہمیں دنیا کے تمام غموں سے نجات دلا دے گی۔موت کے ہاتھوں ہر کس و ناکس کا قصہ پاک ہونا ہے۔کیوں کہ موت نے کسی کو نہیں بخشا۔انھیں بھی خاک میں ملا دیا جو آسمان کو چھونے اٹھے تھے۔ذیل کی رباعیوں میں شاعر نے اسی فلسفے کو سمجھانا چاہا ہے :

- نکلے ہیں محبت کے سفر پر یارو ☆ اک عمر ہوئی ایک نظر پر یارو
  منزل ہے کہاں کوئی نہیں جان سکا ☆ ہم تم ہیں سبھی راہ گذر پر یارو
- وہ دن بھی گئے یہ بھی گزر جائیں گے ☆ جو بوجھ ہیں کاندھوں پہ اتر جائیں گے
  اک روز وہ منزل بھی چلی آئے گی ☆ ہم گرد کی مانند بکھر جائیں گے
- چھونے کے لئے وہ جو اٹھے تھے فلاک ☆ ہوتے ہوئے دیکھا ہے انھیں ہم نے خاک
  کچھ دیر ٹھہر دیکھ نظر سے اپنی ☆ ہر ایک کا ہوتا ہے یہاں قصہ پاک

رباعی کہنا کار گہہ شیشہ گری سے کم نہیں۔رباعی کہتے ہوئے بڑے بڑوں کے پسینے چھوٹ گئے۔میں تو رباعی کہنے والوں کے جذبوں کو سلام کرتا ہوں۔میرے اس سلام کے مستحق ابراہیم اشک بھی ہیں، موصوف خود فرماتے ہیں :

تخلیقِ ادب میں نہ ملاوٹ اچھی ☆ باتوں میں نہ شاعر کی لگاوٹ اچھی
ہے کار گہہ شیشہ گری اشکؔ یہ فن ☆ فن کار کے فن میں نہ گراوٹ اچھی

67، مولانا شوکت علی اسٹریٹ، کولکاتا۔700073

Gifted From
Dr. Khursheed Alam
Khursheed_anam@yahoo.co.in

ابراہیم اشک بحیثیت رباعی نگار

اردو شاعری میں دن بدن نئی اصناف سخن کی ایجاد نے ہمارے اردو شاعروں کو اتنا سہل پسند بنا دیا ہے کہ ہماری روایتی شاعری کی وہ بہترین اصناف بھی پس پردہ چلی گئی ہیں مثلاً مرثیہ، قصیدہ، پابند نظم وغیرہ۔ انہیں اصناف میں سے اردو شاعری کی ایک مشہور صنف رباعی ہے۔ ظاہر ہے کہ رباعی کا فن کوئی آسان نہیں ہے۔ اس فن میں پہلے بھی صرف گنے چنے شاعر تھے اور آج تو جیسے اس صنف میں طبع آزمائی کرنے والے شاعر نظر ہی نہیں آتے۔ خاص طور پر نئی نسل میں تو دور دور تک پتہ نہیں ہے۔ مدھیہ پردیش میں نئی نسل کے رباعی گو میں نور محمد یاس کا نام سرفہرست ہے۔ اس طرح پورے ہندوستان میں نئی نسل کے رباعی لکھنے والوں میں ابراہیم اشک کا نام سب سے نمایاں ہے۔ جس طرح انہوں نے شاعری کی دیگر اصناف میں اپنی ایک منفرد پہچان قائم کی ہے۔ یہاں ہمیں رباعی یا دیگر اصناف کا جائزہ نہیں لینا بلکہ یہ دیکھنا ہے کہ ابراہیم اشک نے جو کچھ کہا ہے وہ کیسا کہا ہے، کیا کہا ہے وہ اپنے فن میں کہاں تک مہارت رکھتے ہیں چاہے وہ غزل ہو نظم ہو مرثیہ ہو یا رباعی ہو یا کہ شاعری کی کوئی دوسری نئی صنف ہو۔ اشک نے کس حد تک اپنے فن میں کامیابی حاصل کی ہے ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی اشک کی شاعری سے متعلق لکھتے ہیں :

''ابراہیم اشک کی تجرباتی شاعری میں دروں بینی ہے جو لاشعور سے ہم کلام ہوتی ہے۔ لیکن ان کا فن اظہار نا قابل فہم استعاروں سے عبارت نہیں ہے۔ وہ گرد و پیش کی اشیاء سے ربط پیدا کرتے ہیں مگر مختلف انداز میں۔ ان کے خیال میں یہ ربط ذہنی نظریاتی نہیں حسّی اور تجرباتی ہے۔ اپنی رباعیات میں وہ ذات و کائنات کو وحدت کے روپ میں دیکھتے ہیں اور پوری زندگی کا محاسبہ کرتے ہوئے براہ راست ہم سے ہم کلام ہوتے ہیں اور صورتِ حال کو ناگزیر سمجھ کر قبول کرتے ہیں۔ ساتھ ہی قلبی احساس اور فنی ادراک کی یاوری سے اس مقام پر نظر آتے ہیں جو انسانی عظمت کی معراج ہے۔'' مثال ملاحظہ کریں :

- ہر موڑ پر بس مائل پرواز رہے ☆ چپ رہ کے بھی ہم وقت کی آواز رہے
  ٹوٹا ہے کئی بار یہ دل بھی لیکن ☆ یہ کم تو نہیں ہے کہ جہاں ساز رہے
- ہے ہر دل مومن تو ایمان بھی رکھ ☆ ہر فکر میں اک تخت سلیمان بھی رکھ
  مذہب ہے ترا عظمت انساں کے لئے ☆ کردار میں کچھ دین کی پہچان بھی رکھ

- پیغام کی منزل سے گزر آیا ہوں ☆ ابہام کی منزل سے گزر آیا ہوں
  ہے اس نئی آہٹ کا تقاضہ کچھ اور ☆ الہام کی منزل سے گزر آیا ہوں
- انداز میں افلاک کی وسعت رکھنا ☆ احساس میں ادراک کی دولت رکھنا
  ہر کام میں تکمیل کی رکھنا قدرت ☆ ہر بات میں انسان کی عظمت رکھنا
- کچھ لوگ ستائش کے لئے جیتے ہیں ☆ کچھ لوگ نوازش کے لئے جیتے ہیں
  اے اشک ہمیں فکر حصولِ مقصد ☆ ایسے بھی ہیں خواہش کے لئے جیتے ہیں

ابراہیم اشک نے اپنی ہر رباعی میں انسانیت اور محبت کا پیغام دیا ہے۔ ان کی رباعیات دراصل ایسی صاف اور دلوں پر اثر کرنے والی ہیں کہ کیسا ہی سخت دل ہو اس کے دل میں محبت اور پیار کے جذبات بھی امنڈ آتے ہیں اور دوسروں کے دکھ درد کو پہچاننے کا احساس بھی ان میں نمایاں ہے اور اخلاق کا درس بھی۔ ورنہ آج کی شاعری میں بہت کم ایسے موضوعات پر قلم اٹھایا جاتا ہے۔ لیکن ابراہیم اشک نے اپنی شاعری سے اصلاح کا کام لے کر ایک ایسا بڑا کام کیا ہے کہ جو انہیں بہترین اچھا انسان ہونے اعلیٰ کردار ہونے اور انسانی عظمت کو بلند کرنے کا علمبردار بنانے کے لئے کافی ہے۔ خاص طور پر رباعیات میں انہوں نے اسی طرح کا پیغام دیا ہے کہ ہر مذہب انسانی عظمت کے لئے ہے۔ اسی لئے اپنے کردار میں کچھ دین کی پہچان بھی رکھ فکر میں تخت سلیمانی رکھ مومن کی شان اور ایمان کی فکر کر اور جیسا کہ ان کی پوری شاعری کا محور ہے یعنی انانیت وہ ان کی رباعیات میں بھی جا بجا دکھائی دیتی ہے۔ مثلاً ہم ہر موڑ پہ مائل پرواز رہے، چپ رہ کے ہم وقت کی آواز رہے، یہ دل کئی بار ٹوٹا ہے مگر پھر بھی ہم جہاں ساز رہے، ابراہیم اشک کی شاعری کی سب سے بڑی خوبی یہی ہے کہ اس میں اعتماد ہے اور یہی اعتماد اور خودداریِ انانیت ان کی شاعری کی نمایاں خصوصیات بن گئی ہیں۔ یہاں کچھ اور رباعیات پیش ہیں :

- ایک قطرۂ دریا ہے تو دریا ہو جا ☆ اک ذرۂ صحرا ہے تو صحرا ہو جا
  اس طرح گزر اشک حدوں سے اپنی ☆ اک شخص اگر تو ہے تو دنیا ہو جا
- ہمت نے کہا مجھ سے کہ آگے بڑھ جا ☆ محنت نے کہا مجھ سے کہ آگے بڑھ جا
  قسمت نے کبھی اشک جوا لٹی بازی ☆ جرأت نے کہا مجھ سے کہ آگے بڑھ جا
- گنجینۂ معنی کا ہنر لایا ہوں ☆ الفاظ میں اندازِ گہر لایا ہوں
  اے ظلمتِ تاریخ ادب تیرے لئے ☆ دامن میں رباعی کے سحر لایا ہوں
- تخلیق ادب میں نہ ملاوٹ اچھی ☆ باتوں میں نہ شاعر کی لگاوٹ اچھی

ہے کار گہہ شیشہ گری اشک یہ فن ☆ فن کار کے فن میں نہ گراوٹ اچھی

- اڑنا ہے تو پرواز کی حد کیا رکھنا ☆ نغمہ ہے تو آواز کی حد کیا رکھنا
  ہر لطف ہے بس حد سے گزر جانے میں ☆ فنکار کے انداز کی حد کیا رکھنا
- ہر لفظ میں معنی کو بسانا ہوگا ☆ کوزہ میں سمندر کو چھپانا ہوگا
  لاحول و لا قوۃ الا باللہ ☆ یہ بحر رباعی میں نبھانا ہوگا
- خیالوں کی براتیں لکھ رہے ہیں ☆ ادب کی کائناتیں لکھ رہے ہیں
  فرشتوں سے کہو برسائیں موتی ☆ ہم اپنے دل کی باتیں لکھ رہے ہیں

ابراہیم اشک کی ان رباعیات کو پڑھ کر اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ان کے یہاں کس قدر اعتماد ہے۔ وہ اپنے دل میں کتنے بڑے عزائم رکھتے ہیں۔ نہ صرف عزم رکھتے ہیں بلکہ اس پر عمل کر کے یہ ثابت بھی کر رہے ہیں کہ وہ کیا ہیں۔ ان کے خیالات کی بلندی اور حوصلہ دیکھئے کہ کہہ رہے ہیں قطرہ ہے تو دریا ہوں، ذرہ ہے تو صحرا ہوں، اگر ایک شخص ہے تو دنیا ہوں اور ساری حدوں کو پھلانگ دے ہمت نہ ہار آگے بڑھ، محنت کر اور آگے بڑھ۔ قسمت اگر کبھی بازی بھی الٹ دے تو جرأت سے اپنی آگے بڑھ۔ جب پرواز کرنا ہے تو حد پرواز کیا دیکھنا اس لئے کہ لطف تو بس حد سے گزر جانے میں ہے اپنے آپ کو محدود کرنے میں نہیں ہے اور پھر تخلیق کاروں سے خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ تخلیق ادب میں ملاوٹ اچھی نہیں ہوتی کار گہہ شیشہ گری ہوتا ہے۔ یہ فن بھی فنکار کے فن میں ملاوٹ نہیں اچھی، تجھے اپنے ہر لفظ میں معنی کو بسانا ہوگا، کوزہ کو سمندر میں چھپانا ہوگا، اگر رباعی میں کمال حاصل کرنا ہے تو اس کی بحر اور وزن کا بھی خیال رکھنا ہوگا تب کہیں جا کر تو اپنی رباعیات میں کمال حاصل کر سکے گا۔ اور پھر فرماتے ہیں کہ مجھے یہ کمال حاصل ہے کہ میں اپنی رباعیات میں گنجینۂ معنی کا ہنر لایا ہوں، الفاظ میں انداز گہر لایا ہوں، رباعی کے دامن کو اپنے ہنر سے اپنے خزانے سے عظمت دینے آیا ہوں۔ رباعی کے فن میں ہمارے اساتذہ نے بھی اپنی انانیت کے جوہر دکھائے ہیں اور یہ سلسلہ بہت پرانا ہے ایک زمانے میں مرزا دبیر کی ایک رباعی بے حد مشہور ہوئی ہے اور دبیر کے شاگردوں نے اسے اور بھی اٹھایا تو مرزا انیس سے کسی نے کہا کہ استاد آجکل دبیر کی یہ رباعی بہت مشہور ہوئی ہے۔ رباعی کچھ اس طرح تھی :

رحمت کا تری امیدوار آیا ہوں ☆ منہ ڈھانپے کفن میں شرمسار آیا ہوں
چلنے نہ دیا بارِ گنہ نے پیدل ☆ تابوت میں کاندھوں پہ سوار آیا ہوں

اس رباعی کو سن کر بھلا مرزا انیس کب چپ رہنے والے تھے انہوں نے فوراً ہی موضوع پر ایک بہترین

رباعی کہہ ڈالی اور پھر یہ فیصلہ کرنا مشکل ہوگیا کہ کس کی رباعی اچھی ہے۔ مرزا انیس کی رباعی ملاحظہ فرمائیں :

رحمت کا امیدوار ہوں یارب رحمت ☆ از بسکہ خطاوار ہوں یارب رحمت
رحمت کا سزاوار نہیں ہوں گر میں ☆ پھر بھی رحمت کا طلبگار ہوں یارب رحمت

ظاہر ہے کہ دونوں رباعیاں اپنے معیار کے اعتبار سے ایک دوسرے سے کم نہیں ہیں لیکن میر انیس کو فصاحت و بلاغت کا بادشاہ کہا جاتا ہے تو وہی ہوا ان کی اس رباعی میں برقرار ہیں۔ ان تمام باتوں کی روشنی میں ابراہیم اشک کی رباعیات کا جائزہ لیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ ان کے یہاں وہی تیور ہیں وہی انانیت ہے وہی خودداری ہے۔ ویسے بھی ان کا رشتہ تلمذ میر انیس سے ہی ملتا ہے تو اتنا اثر تو ہونا ہی چاہئے کہ یہ بات بھی کسی سے پوشیدہ نہیں ہے کہ اب نئی نسل کے شعراء میں ایسا کوئی رباعی گو نظر نہیں آتا جس نے رباعی کے فن میں اتنی مہارت حاصل کرلی ہو، یہاں ابراہیم اشک کی چند اور رباعیاں پیش ہیں :

- غافل ہے زباں سے اسے جاہل کہئے ☆ تہذیب کا اس شخص کو قاتل کہئے
  جس قوم میں ایسوں کی ہو بہتات ☆ اس قوم کو کس طور سے قابل کہئے
- تخلیق ادب اور سخن کی باتیں ☆ لگتی ہیں اب یہی من کی باتیں
  تکیے میں دبا رکھی ہے دنیا ہم نے ☆ ہم سے نہ کرے کوئی بھی دھن کی باتیں
- پرواز تو افلاک کی رکھنی ہوگی ☆ بات اپنی تہہ خاک کی رکھنی ہوگی
  چیخے گی کلی علم و ادب کی اس دم ☆ تصویر دل چاک کی رکھنی ہوگی
- ہم اپنی زباں اپنا ادب رکھتے ہیں ☆ اس راہ میں ندرت کی طلب رکھتے ہیں
  اردو کے لئے اشک ہے اپنی یہ حیات ☆ جینے کے لئے بس یہ سبب رکھتے ہیں
- جس قوم کا معیار نہیں ہوتا ہے ☆ اس قوم کا کردار نہیں ہوتا ہے
  جو قدر نہیں کرتا ہے فنکاروں کی ☆ اس ملک میں شاہکار نہیں ہوتا ہے
- تہذیب و تمدن کی وراثت مت چھوڑ ☆ نادان سرابوں کے پیچھے مت دوڑ
  جس روز جڑوں سے تو اکھڑ جائے گا ☆ اس روز بہت مہنگی پڑے گی یہ دوڑ
- تہذیب پہ یلغار کا مطلب کیا ہے ☆ تو اپنی جڑوں سے تو نہیں اکھڑا ہے
  سبزے کی ادا سیکھ لے جینے کے لئے ☆ آندھی کی جسے اشک نہیں پروا ہے

ان رباعیات میں ابراہیم اشک نے کیا نہیں کہا، قوم کی اصلاح کا بھی سوال اٹھایا، انسانی کردار پر بھی روشنی ڈالی ہے، تخلیقی ادب اور سخن کی بھی بات کی ہے، اپنے دل کی باتیں بھی کی ہیں فرماتے ہیں کہ جو شخص

اپنی زبان سے غافل ہے گویا وہ اپنی تہذیب سے نا آشنا ہے اس کی حیثیت ایک جاہل کی ہے۔ جس قوم میں جہالت زیادہ ہو اس قوم کو کسی بھی حالت میں قابل نہیں کہا جا سکتا ہے۔ اس قوم کا کوئی معیار نہیں ہوتا، اس قوم کا کوئی کردار نہیں ہوتا، اس لئے وہ مشورہ دیتے ہیں کہ اپنی زبان اپنی تہذیب کی وراثت کو مت چھوڑو۔ اپنی تہذیب کو چھوڑنے، اس سے غافل ہونا کیا معنی رکھتا ہے یعنی اپنی جڑوں کو کھودنا ہے۔ اور پھر فرماتے ہیں کہ آپ کو اگر تخلیقی ادب کے لئے کچھ کرنا ہے تو اپنی پرواز افلاک تک رکھنا ہوگی۔ اگر آپ اپنی پرواز بلند رکھیں گے تو علم و ادب کی شمع روشن ہوگی اور ہم یہ کر رہے ہیں۔ ہم نے اپنی وراثت کا پاس رکھا ہے اسے قائم رکھا ہے وغیرہ۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ ابراہیم اشک کی پوری تخلیقی قوتیں رباعی کے فن میں اجاگر ہوگئی ہیں۔ وہ ایک طاقتور رباعی گو کے روپ میں دکھائی دیتے ہیں۔

مدیر "انتساب" سیفی لائبریری، سرونج۔ 484224 (ایم۔ پی۔)

☆☆☆☆☆

☆☆☆

شمالی ہندوستان خصوصاً دہلی میں ریختہ کے ساتھ رباعی بھی ولی دکنی اور انکے ہم نواؤں کے طفیل اٹھارویں صدی عیسوی کے اوائل میں پہونچی اور یہاں کے شعراء کے دلوں کو جیت لیا۔ دیکھا جائے تو پوری اٹھارویں صدی عیسوی اردو شعروادب کے ارتقاء میں اہم رہی ہے۔ خان آرزو، مظہر جانِ جاناں، میر تقی میر، سودا، میر درد اور قائم وغیرہ نے جہاں اردو غزل کو بام عروج پر پہونچایا وہیں رباعی کو بھی وقار بخشا۔ میر تقی میر کہتے ہیں :

ہر لحظہ جلاتا ہے کڑھاتا ہے مجھے ☆ ہر آن ستاتا ہے کھپاتا ہے مجھے
کل میں نے کہا رنج سے حاصل میرے ☆ بولا ترا آزار خوش آتا ہے مجھے

رباعیات کا یہ سلسلہ جب انیسویں صدی میں مومنؔ، غالبؔ، ذوقؔ اور بہادر شاہ ظفر تک آتا ہے تو نہ صرف یہ کہ زبان زیادہ پختہ، زیادہ جان دار نظر آتی ہے بلکہ رباعی میں بھی طرح طرح کے موضوعات نظم کئے جانے لگتے ہیں۔ غالب کی بہت مشہور رباعی ہے :

مشکل ہے زبس کلام میرا اے دل ☆ سن سن کے اسے سخنورانِ کامل
آساں کہنے کی کرتے ہیں فرمائش ☆ گوئم مشکل وگرنہ گویم مشکل

مومن فرماتے ہیں :

عہدِ شباب زندگانی کا مزہ ☆ پیری میں کہاں وہ نوجوانی کا مزہ
اب یہ بھی کوئی دن کا فسانہ ہوگا ☆ باتوں میں جو باقی ہے جوانی کا مزہ

دہلی میں احمد شاہ ابدالی کے حملے کے بعد یہاں جو ابتری پھیلی اس سے گھبرا کے بہت سے باکمالوں نے دوسرے ادبی مرکزوں کی طرف رخ کیا۔ میر کو بھی انہیں حالات کے تحت لکھنؤ آنا پڑا۔ اس دور میں شعراء دوسری اصناف سخن کے ساتھ ساتھ رباعی پر بھی طبع آزمائی کر رہے تھے۔ انشا، جرات، مصحفی، انیس، دبیر، صفی، فانی اور یگانہ وغیرہ نے اس صنف کو بامِ عروج پر پہونچا کر اردو رباعی کو فارسی رباعیات کے برابر کھڑا کر دیا۔ ان میں انیس اور دبیر کی رباعیات نہ صرف زیادہ ہیں بلکہ زبان و بیان کے اعتبار سے بھی اعلیٰ اور شگفتہ ہیں۔ اس دور کی چند رباعیات درج ذیل ہیں :

پتلی کی طرح نظر سے مستور ہے تو ☆ آنکھیں جسے ڈھونڈتی ہیں وہ نور ہے تو
نزدیک رگِ گلو سے اس پر یہ بعد ☆ اللہ اللہ کس قدر دور ہے تو
(انیس)

رہجاتا ہوں انگشت بدنداں ہو کر ☆ حیدر کو کہا ابر خنداں ہو کر

ڈاکٹر محمد نوشاد عالم آزاد

ابراہیم اشک : مقبول رباعی گو

اگر آپ اس حقیقت کو تسلیم کر چکے ہیں کہ دنیائے شعر و سخن کے ہر عہد اور ہر زمانے میں فن رباعی گوئی پر طبع آزمائی کرنے والوں کی تعداد آٹے میں نمک کے برابر رہی ہے تو اب اس حقیقت کو بھی تسلیم کر لیجئے کہ اس قدیم حقیقت کی حیثیت افسانے کی سی ہو کر رہ گئی ہے اور اس کی جگہ جدید سچائی روز روشن کی طرح عیاں ہو چکی ہے کہ اکیسویں صدی کا موجودہ عہد فن رباعی گوئی کا نشاۃ ثانیہ ہے۔ کثرت سے شعرائے کرام کا فن رباعی گوئی کی طرف متوجہ ہونا رسائل و جرائد یہاں تک کہ ہفت روزہ و روزناموں میں رباعیوں کو زیور اشاعت سے آراستہ ہونا۔ یکے بعد دیگرے ہر اعتبار سے ایک سے بڑھ کر ایک رباعیات کے مجموعوں کا منظر عام پر آنا، رباعی گو شعراء کے فن پر تنقیدی مضامین کے مجموعوں کی مسلسل اشاعت کو اس جدید سچائی کی حمایت میں بطور سند و ثبوت و دلیل کے پیش کیا جا سکتا ہے۔ عصر حاضر کے بیشتر نقادوں اور محققین کو بھی اس کا اعتراف ہے۔ حالانکہ سچی بات تو یہ ہے کہ رباعی گوئی ہر زمانے اور ہر عہد میں مقبول عام رہی ہے اور اس کی مقبولیت کا گراف اگر کسی زمانے میں غزل یا نظم سے کم رہا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ فن رباعی نے غزل و نظم کی طرح ہر کس و ناکس کے لئے اپنا دروازہ کھلا نہ چھوڑا بلکہ ہر عہد اور ہر زمانے کے معروف و مقبول شعرائے کرام کی حاضری ہی رباعی کے حرم میں ہو سکتی ہے۔ اردو کے پہلے صاحب دیوان شاعر سلطان قلی قطب شاہ و کن کا عظیم شاعر ولی دکنی، ملا وجہی، سراج اورنگ آبادی، خواجہ میر درد، مرزا محمد رفیع سودا، میر تقی میر، میر حسن دہلوی، بہادر علی وحشت، عبدالحی تاباں، احسن اللہ بیاں، عزیز بھکاری، میر محمد سوز، خواجہ حیدر علی آتش، شیخ امام بخش ناسخ، انشاء اللہ خاں انشاء، جرأت، نظیر اکبر آبادی، شیخ محمد ابراہیم ذوق، مرزا اسد اللہ خان غالب، حکیم مومن خاں مومن، میر ببر علی انیس، مرزا سلامت علی دبیر، خواجہ الطاف حسین حالی، اکبر الہ آبادی، ڈاکٹر اقبال، اسماعیل میرٹھی، امیر مینائی، پیارے صاحب رشید، امجد حیدر آبادی، جوش ملیح آبادی، فانی بدایونی، سیماب اکبر آبادی، رگھوپتی سہائے فراق گورکھپوری، محروم، رواں، عاصی، یگانہ، وحشت کلکتوی، شاعر لکھنوی، پرویز شاہدی، ناوک حمزہ پوری، کامل آفریدی، طلحہ رضوی برق، پروفیسر وحید اشرف، ریاض اختر ادیبی، ساغر حیدری، اصغر ویلوری، ڈاکٹر محمد طاہر رزاقی، علقمہ شبلی، فراغ روہوی، فضا ابن فیضی، تسلیم نیازی، عبدالمتین جامی جیسے سینکڑوں نامی گرامی و مقبول

ومعروف شعرائے کرام اور اپنے اپنے عصر وعہد کے کہنہ مشق فنکاروں کو ہی رباعی کے زلف گیر کی اسیری حاصل ہوئی۔ اگر ہر کس وناکس کے لئے رباعی کے دروازے کھلے ہوتے تو آج شعروسخن سے دلچسپی رکھنے والا ہر شخص رباعی گو نظر آتا۔ لیکن مخصوص شعرائے کرام نے ہی فن رباعی گوئی کے زلف گرہ گیر کے اسیر ہو کر اس کے حسن کی رنگینی، رعنائی، شادابی، رنگ وروپ میں ایسا اضافہ کیا، مضامین کے تنوع، ندرت خیال، قدرت زبان وبیان کا اس قدر دلکش اظہار کیا کہ نہ صرف شعروسخن سے دلچسپی رکھنے والے بلکہ محققین وناقدین بھی فن رباعی کی معنویت، اہمیت وافادیت اور اثر آفرینی کے قائل نظر آنے لگے۔ عصر حاضر میں رباعی گو شاعروں کی ایک جھرمٹ ہے جنہوں نے معنویت، اہمیت، افادیت، موضوعات، مسائل، پختگی فکر، ندرت خیال، قدرت زبان وبیان کی ہنرمندانہ اور فنکارانہ نمائش میں علوم کے تمام شعبوں، زندگی کے تمام گوشوں، معاملات ورسائل کے باریک نکتوں کو پیش کر کے رباعی کو ایک جامع ومکمل صنف کی حیثیت عطا کردی ہے۔ فن رباعی کے سرمایہ میں گرانقدر اضافہ کرنے والے عصر جدید کے رباعی گو شعراء میں ایک ایسا رباعی گو شاعر بھی ہے جس نے غزل ونظم وگیت جیسی صنفوں پر نہ صرف مکمل گرفت بلکہ ان میدانوں میں شہرت عام اور مقبولیت ودام حاصل کرنے کے بعد فن رباعی گوئی کی طرف توجہ کی۔ اگر چہ یہ رباعی گو شاعر سینے میں جلن، سانسوں میں طوفان اور ماحول میں دھماکہ لے کر جینے والی زندگی کے شہر ممبئی سے تعلق رکھتے ہیں لیکن ان کی رباعیوں میں ایک سکون واطمینان ہے، ان کی رباعیوں کے منفرد انداز، اچھوتے لب ولہجے، انفرادی سوچ اور فکر کے نئے انداز نے عصر جدید کے تمام رباعی گو شعراء میں ممتاز مقام عطا کیا ہے۔ جی ہاں میں اردو میں رباعی کے منفرد شاعر ابراہیم اشک کی باتیں بیان کر رہا ہوں۔

ابراہیم اشک دیگر رباعی وشعراء سے الگ منفرد راہ کے مسافر اس وقت نظر آتے ہیں جب ان کی رباعیات کا مطالعہ قارئین کے ذہن ودل پر یہ نقش مرتب کرتا ہے کہ دیگر شعرائے کرام کی طرح انہوں نے رباعی کی زبان پر اپنی صلاحیتوں کو صرف نہیں کیا ہے بلکہ زبان اور موضوع دونوں کو برابر کا درجہ عطا کیا ہے جس سے اس حقیقت کا اندازہ ہوتا ہے کہ ابراہیم اشک اس ہنر سے واقف ہیں کہ شاندار الفاظ کے استعمال کی کوشش خیال کے بہاؤ میں رکاوٹ بنتی ہے جو رباعی کیلئے عیب بن جاتا ہے۔ ابراہیم اشک کی رباعیاں اس عیب سے پاک ہیں۔ ان کی رباعیات کے مطالعے سے اس حقیقت کی نشاندہی ہوتی ہے کہ ان کی رباعیاں خیال کو نہیں بلکہ خیالات ومضامین ان کے یہاں رباعیوں کے سانچے میں ڈھلتے ہیں۔

ابراہیم اشک کا کہنا ہے کہ اردو زبان وادب پر ہمیشہ غزل کی حکومت رہی ہے۔ غالب اور میر کا

مرتبہ غزل ہی کی وجہ سے ہے۔ سودا کا نام قصیدے سے ہوا اور حضرت میر انیس کا مرثیہ سے حالانکہ میر انیس نے رباعیات بھی بڑی تعداد میں کہی ہیں اور خوب سے خوب تر کہی ہیں۔ فراق کی جمالیات ''روپ'' کی رباعیات میں جتنی نکھری ہے اتنی ان کی غزلوں میں نہیں نکھر سکی۔ جوش کے جوہر بھی رباعیات میں خوب کھلے ہیں۔ امجد حیدر آبادی رباعیات ہی کی وجہ سے جانے اور مانے گئے ہیں۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ دیگر اصناف سخن ہی کی طرح رباعی بھی ایک ایسی صنف ہے جس میں اگر سنجیدگی سے کام کیا جائے تو یادگار اور شاندار بھی ہو سکتا ہے۔ عمر خیام اور سرمد کا نام دنیائے ادب میں صرف رباعی کے کمال کی وجہ سے ہے۔ شاید انہیں باتوں کو ملحوظ نظر رکھ کر ابراہیم اشک نے رباعیات کی تخلیق کے وقت انتہائی سنجیدگی و متانت سے کام لیا ہے تبھی تو ان کی رباعیاں یادگار اور شاندار نظر آرہی ہیں۔ یقین و اعتماد، سنجیدگی و متانت نے ابراہیم اشک کے اس نظریہ کو کتنی مضبوطی، کس قدر استحکام عطا کیا ہے ملاحظہ فرمائیے :

پتوں میں ہوا ہے تو خدا بھی ہوگا ☆ پتھر میں صدا ہے تو خدا بھی ہوگا
جگنو میں چمک خوشبو ہے اگر چہ گل میں ☆ ہر شئے میں ادا ہے تو خدا بھی ہوگا

پتوں کی ہوا سے، پتھروں کی صدا سے، جگنو کی چمک سے، گل کی خوشبو سے، ہر شئے کی ادا سے خدا کے وجود کو ثابت کرنے کا نکتہ کوئی نیا نہیں ہے، لیکن ابراہیم اشک کے پروقار لہجے نے، خوبصورت انداز نے اس رباعی میں دلوں میں نقش ہونے کی کیفیت عطا کر دی ہے۔ یہ خیال عام ہے کہ کائنات کے ذرے ذرے میں خدا کی ذات پوشیدہ اور نہاں ہے لیکن اس عام خیال کو ابراہیم اشک کے انفرادی انداز نے اس حسن کارانہ طریقہ سے رباعی کے سانچے میں ڈھالا ہے کہ خدا کے وجود کا اقرار ثابت کرنے کی ضمن میں یہ رباعی ایک نمونہ بن گئی ہے۔

کہا جاتا ہے کہ اگر دنیا کے تمام درختوں کے قلم بنا دیئے جائیں اور دریاؤں کو روشنائی تو بھی خدا کی تعریف کا مکمل محاسبہ نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن اس ایک رباعی کا گہرائی سے مطالعہ کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ بہت سارے درختوں اور دریاؤں کا کام ابراہیم اشک نے چند شاخوں اور قطروں سے انجام دینے کا کارنامہ انجام دیا ہے۔ پتوں کی ہوا میں خدا کا جلوہ، پتھر کی صدا میں خدا کا جلوہ، جگنو کی چمک اور گل کی خوشبو میں خدا کا جلوہ گویا ہر شئے میں خدا کا جلوہ نہ صرف کائنات کی ہر شئے پر اس کی قدرت کا اعلان کرتا ہے بلکہ ان سب کی زندگی ان سب کی خوبصورتی اور دلکشی پر خداوند قدوس قادر ہے اس کی نشاندہی بھی کرتا ہے۔ ابراہیم اشک کے ذہن و دل میں دین و اسلام، اللہ اور رسولؐ، آل رسول و صحابہ کرام، قرآن و سنت و مسلمان کے لئے کتنی اہمیت و عظمت

ہے اس کا اندازہ ان کی مندرجہ ذیل رباعیوں سے لگایا جاسکتا ہے :

- سرچشمۂ ایمان ہیں حالات رسول ☆ گنجینۂ دوراں ہیں کلمات رسول
  انسان کی عظمت کو بڑھانے والے ☆ ظلمت میں چراغاں ہیں بیانات رسول
- سیرت پہ محمدؐ کی جو قربان ہوئے ☆ اخلاص و محبت سے انسان ہوئے
  وہ لوگ مثالی ہیں زمانے کے لئے ☆ آداب وفا سے جو مسلمان ہوئے
- روشن ہے زمانے میں کرادحسین ☆ ہے سچا مسلمان طرفدار حسین
  اے اشک سنور جائے مقدر اس کا ☆ ہو جائے جسے خواب میں دیدار حسین

رواں دواں سیل الفاظ کے استعمال کے ذریعہ ابراہیم اشک نے مذکورہ رباعیوں کے افق کو روشن تر مقدس اور پاکیزہ بنا دیا ہے اور صرف دین و اسلام و مذہب ہی کی بابت نہیں انہوں نے انسانی رشتوں کے تقدس اور عظمت و بزرگی کا بھی بھرپور اعتراف کیا ہے۔ انسانی رشتوں میں قابل تعظیم و تکریم ماں کی عظمت، ماں کی بزرگی، ماں کا وقار، ماں کی ممتا کا اعتراف غزلوں، نظموں اور دیگر اصناف سخن میں ایک عرصہ سے کیا جاتا رہا ہے لیکن تمام رشتوں میں مقدس ماں کے تقدس کی وضاحت ابراہیم اشک نے جس فنکاری و صناعی اور ہنر مندی سے اپنی رباعیوں میں پیش کیا ہے، اس کی مثال کم ملتی ہے۔ ملاحظہ فرمائیں اس ضمن میں ابراہیم اشک کی دو رباعیاں اور محسوس کرنے کی کوشش کیجئے کہ ماں کی تعظیم و تکریم میں کیا اس سے بہتر بھی کچھ کہا جاسکتا ہے۔

- سوچو تو کوئی پھول کی ڈالی ماں ہے ☆ بچوں کے چمن کی مالی ماں ہے
  قدموں میں جو جنت کو لئے پھرتی ہے ☆ رتبوں میں زمانے سے نرالی ماں ہے
- ماں جیسی محبت نہ ملے گی یارو ☆ ماں جیسی عنایت نہ ملے گی یارو
  مل جائے گی ہر چیز جہاں میں لیکن ☆ ماں جیسی حقیقت نہ ملے گی یارو

ابراہیم اشک کی رباعیوں کا مطالعہ قارئین پر یہ واضح کرتا ہے کہ انہوں نے اپنی رباعیوں کو پند و نصائح، اخلاق، مذہب، معاشرت، قناعت، صبر، توکل، بے ثباتی عالم، فنا، بقا، عصری مسائل، تجربات و مشاہدات کو اس خوبصورتی اور شگفتگی، عقیدت و خلوص اور سنجیدگی و متانت سے برتا ہے کہ ان کی رباعیاں سرمایہ رباعی کا قیمتی سرمایہ بن گئی ہیں۔ ان کی رباعیوں میں ایک تازگی ہے، ایک کشش ہے، ایک رنگینی ہے، ایک رعنائی ہے، ایک نغمگی ہے، اثر و تاثیر کی ایک کیفیت ہے جو دلوں کے تاروں کو چھوتی ہے۔ چاہے معاملہ کسی کے حسن کا ہو یا اس کی اداؤں کا، چاہے باتیں عاشق کے ارادوں کی ہوں یا عشق میں شہنشاہ کے تاج محل

بنوانے کا، یا پھر معشوقہ کی پازیب کی چھم چھم سے تنہائیوں کے خاتمے کا۔ چند نمونے ملاحظہ فرمائیں :

- سو رنگ دکھاتی ہے تری ایک ادا☆ اس ایک ادا پر ہیں کئی لوگ فدا
  دنیا سے جدا ہوتی ہے فطرت جن کی☆ وہ صورتیں کم کم ہی بناتا ہے خدا
- شاعر کے خیالوں میں نئی کوئی غزل☆ عاشق کے ارادوں میں تراعشق اٹل
  لٹ جائیں شہنشاہ جو تری یادوں میں☆ بنوائے محبت کے لئے تاج محل
- اک نغمۂ دلدار بھی سن لیتا ہوں☆ باتوں کی وہ تکرار بھی سن لیتا ہوں
  تنہائی میں آتا ہے کوئی جب چھم سے☆ پازیب کی جھنکار بھی سن لیتا ہوں
- وہ روپ کا مدہوش مچلتا ساگر☆ سوندھی سی مہک جسم چھلکتا گاگر
  جی چاہتا ہے ادھروں پہ ادھر رکھ کے کبھی☆ پی جاؤں سراپا میں اسے لہرا کر
- آنکھوں میں بسی رہتی ہے کوئی تصویر☆ پاؤں میں پڑی رہتی ہے کوئی زنجیر
  آباد ہی رہتے ہیں محبت والے☆ ارمانوں کی ہوتی ہے دلوں میں جاگیر
- وہ صبح ہوئی بھور کا تارا ٹوٹا☆ ہاتھوں سے مرے ماں کا دامن چھوٹا
  مرجھائی ہوئی سیج پہ ڈالی جو نظر☆ انگ اس کا کھلا جیسے کہ بوٹا بوٹا

بات صرف یہیں ختم نہیں ہوتی۔ ابراہیم اشک نے حسن کے انداز اور عشق کے تیور کو ہی ایک منفرد لہجے میں پیش کر کے فن رباعی گوئی کے سرمایہ میں موثر معنی خیز رباعیوں کا اضافہ ہی نہیں کیا بلکہ ابراہیم اشک کی رباعیوں کے مطالعے سے یہ حقیقت بھی روز روشن کی طرح عیاں ہوتی ہے کہ رباعیوں سے انہوں نے وہی کام لیا ہے جو کام ڈپٹی نذیر احمد نے ناول نگاری سے لیا۔ ابراہیم اشک نے رباعی گوئی سے وہی کام لیا جو کام اکبر الہٰ آبادی نے اپنی ظریفانہ شاعری سے لیا۔ ابراہیم اشک نے اپنی رباعیوں سے وہی کارنامہ انجام دیا جو کارنامہ علامہ اقبال نے نظم نگاری کے ذریعہ انجام دیا۔ ان سبھوں نے اپنے اپنے فن کے ذریعہ اصلاح معاشرہ کی کامیاب کوششیں کیں۔ ابراہیم اشک نے بھی اپنے خیالات ونظریات کو، اپنے جذبات واحساسات کو نہایت ہی موثر انداز میں رباعی کے سانچے میں ڈھالا ہے۔ بہ الفاظ دیگر کہا جا سکتا ہے کہ رباعی کے ذریعہ ابراہیم اشک نے اپنے زمانے کی پامال قدروں پر تعمیری نگاہ کرتے ہوئے نہایت ہی فنکاری سے اسے اونچا اٹھانے کی کامیاب سعی کی ہے۔ مسلمانوں میں مسلک کے امتیازات اور فرقہ بندی کے تنازعات دیکھ کر علم کی روشنی سے معمور انسان کا افسردہ وملول ورنجیدہ ہونا فطری ہے لیکن کسی نے آج تک اس والہانہ انداز میں

مسلمانوں کو تلقین کرنے کی جسارت نہیں کی جس حوصلے اور عزم کے ساتھ ابراہیم اشک نے کیا۔ ملاحظہ فرمائیں۔

- بے دین نہیں حاصل ایمان نکلا ☆ توحید کا دل میں لئے ارمان نکلا
  شیدائی محمدؐ کا خدا کا بندہ ☆ سنی نہ شیعہ اشک مسلمان نکلا
- ایمان کی دولت سے مسلمان رہو ☆ ادراک و ذہانت سے مسلمان رہو
  فرقوں کی اسیری سے رہو تم آزاد ☆ کردار کی عظمت سے مسلمان رہو

قرآن پاک کی عظمت و اہمیت بیان کرنے کے لئے سید سلیمان ندوی کو صفحات در صفحات رنگین کرنے پڑے تب کہیں قرآن پاک کے تاریخی اعجاز سامنے آئے۔ لیکن قرآن کی عظمت اور اس کی اہمیت کو ابراہیم اشک نے کس حسن و خوبصورتی سے رباعی کے سانچے میں ڈھالا ہے اور کس اختصار میں تفصیلات کا ہنر پیش کیا ہے اس کا اندازہ ذیل کی رباعی سے کیا جا سکتا ہے بلکہ میرے خیال میں اس رباعی میں ابراہیم اشک نے واقعی چاول پر قل ہو اللہ لکھنے کا کارنامہ انجام دیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں۔

انسان کا آئینِ جہاں ہے قرآں ☆ اللہ کی دراصل زباں ہے قرآں
نازل جو محمدؐ پہ ہوا ہے لوگو ☆ اسلام کا وہ زندہ نشاں ہے قرآں

ابراہیم اشک کی رباعیوں میں مایوسی، نامرادی، ناکامی، محرومی کا گذر نہیں۔ وہ محرومیوں اور ناکامیوں میں بھی امیدوں کا گل کھلانے کے ہنر سے پوری طرح واقف ہیں۔ اور حرکت کو برکت تسلیم کرتے ہیں۔ میدان عمل میں کود پڑے۔ جہاں جس شعبہ جات سے وابستگی ہو اس شعبۂ حیات میں کارہائے نمایاں انجام دیئے۔ ناامیدی مایوسی اور ناکامی سے دامن چھڑا کر میدان عمل میں جدو جہد کرنے کی اس سے خوبصورت تلقین اور کیا ہو سکتی ہے کہ :

ایک قطرہ ہے تو دریا ہو جا ☆ ایک ذرّہ ہے تو صحرا ہو جا
اس طرح گذر اشک حدوں سے اپنی ☆ اک شخص اگر ہے تو دنیا ہو جا

ابراہیم اشک کی رباعیوں کے مطالعے سے اس حقیقت کی نشاندہی ہوتی ہے کہ رباعی کے فن پر انہیں قدرت حاصل ہے۔ زندگی کا ایک خوبصورت اور بامعنی مقصد ان کی رباعیوں سے آشکارا ہے۔ انہوں نے اپنے تجربات اور مشاہدات کو بروئے کار لا کر انسانیت، خلوص و ہمدردی کا خوبصورت پیغام قارئین تک انتہائی خوبی سے پہونچایا ہے۔ اپنے خیالات کے اظہار کے ذریعہ انہوں نے رباعیوں کو سلامت اور برجستگی کا

ایسا مرقع بنا دیا ہے کہ ابراہیم اشک کی رباعیاں اپنی شناخت آپ بن گئی ہیں۔ اور اپنے ہم عصروں میں فنی مہارت کے ساتھ اظہار کے اسی منفرد انداز نے ابراہیم اشک کو کامیاب رباعی گو شعراء کی صف میں ممتاز مقام عطا کیا ہے۔ بہ الفاظ دیگر کہا جا سکتا ہے کہ عصر جدید میں رباعیوں کی بے پناہ مقبولیت میں ابراہیم اشک کی رباعیوں کا نہایت ہی اہم رول رہا ہے اگر چہ انہوں نے رباعی گوئی کی تمام روایات کا ہی نہیں بلکہ رباعی گو شعراء کا بھی بھر پور احترام کیا ہے اور اس کا اظہار بھی بہ بانگ دہل کیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں :

- سعدی کی ذہانت نے لبھایا ہے مجھے ☆ افکار نے رومی کے رجھایا ہے مجھے
  خیام نے مئے نوش بنا کر چھوڑا ☆ حافظ نے غزل کہنا سکھایا ہے مجھے
- ہے سب سے نرالی تری ہستی حافظ ☆ دلکش ہے تری بادہ پرستی حافظ
  کیوں عشق نہ ہو جائے تری غزلوں سے ☆ ہر شعر میں ہے عشق کی مستی حافظ
- تہذیب و تمدن کی وراثت مت چھوڑ ☆ نادان سرابوں کے پیچھے مت دوڑ
  جس روز جڑوں سے تو اکھڑ جائے گا ☆ اس روز بہت مہنگی پڑے گی یہ دوڑ

عصر حاضر میں پر تشدد انسانیت سوز واقعات، گھناؤنی اور پست سیاست، ظلم و زیادتی، جبر و تشدد، غیر انسانی ہولناک واقعات کی مسلسل رونمائی سے ابراہیم اشک حیران و پریشان ہیں۔ ان کی سمجھ میں یہ بات نہیں آ رہی ہے کہ اپنے آپ کو تہذیب یافتہ اور مہذب سمجھنے والے انسانوں کو کیا ہو گیا ہے جس کی سوچ کی پرواز میں وحشیانہ پن آ گیا ہے۔ ان کا ذہن یہ فیصلہ کرنے سے قاصر نظر آنے لگتا ہے کہ ہم نے ترقی کی منزلوں کو عبور کیا ہے یا تنزلی کی طرف گامزن ہوئے ہیں۔ ابراہیم اشک کے ذہنی کشمکش اور اضطراب کا اندازہ مندرجہ ذیل رباعیوں سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔

- سوچا نہ جسے وہ انہونی دیکھی ☆ ہر اک کی سمجھ ہم نے بونی دیکھی
  منظر جو ہوا صاف تو معلوم ہوا ☆ ملکوں کی سیاست بھی گھنونی دیکھی
- سچ بات کوئی کہنے کو تیار نہیں ہے ☆ اجلاس میں دنیا کی صلح کار نہیں ہے
  ملکوں کی سیاست کا عجب ہے ناٹک ☆ کمزور کا کوئی بھی طرفدار نہیں ہے
- ہتھیار نئے ہم جو بنا کر آئے ☆ خود اپنی تباہی کو بڑھا کر آئے
  کس درجہ نئے دور میں ہم آگے بڑھے ☆ تلوار گئی بم کے دھماکے آئے

سیاست کے گرتے معیار، تعمیر و ترقی، سلامتی و تحفظ کے لئے بنی ہتھیاروں کے غلط استعمال پر اس

سے خوبصورت اور نیک مشورہ اور کیا ہوسکتا ہے کہ اپنی سوچ، اپنی سمجھ، اپنی فکر کو وسعت دیں۔ صحیح کا ساتھ دیں۔ کمزوروں کی حمایت کریں۔ ظالموں کی مخالفت کریں۔ اسلحوں کا استعمال، سرحدوں کی حفاظت اور انسانیت کی سلامتی اور بقا کے لئے کریں۔ نہ کہ ہم وطنوں، بے گناہوں، معصوموں، مظلوموں، مسافروں پر ان کا استعمال کر کے وحشیانہ پن اور درندگی کی نمائش کریں۔ ایٹمی توانائی سے لیس ہونے کی تمام ملکوں کی کاوش اور جدوجہد کو بھی ابراہیم اشک بہتر ترقی تسلیم نہیں کرتے کیونکہ اگر ہر طرف خلوص، محبت، پیار، دوستی، امن، بھائی چارگی، انسانیت دوستی اور امن پسندی کا نظارہ ہو تو اسلحوں کی ضرورت ہی کیا ہے۔ دنیا کے بیشتر ترقی یافتہ ممالک نے ترقی کے نام پر ایٹمی اسلحوں کا ذخیرہ تو جمع کر لیا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ۔

سامان تباہی کا لئے بیٹھے ہیں ☆ سب جنگ کا اعلان کئے بیٹھے ہیں
ایٹم بموں کی ہوڑ لگی ہے ایسی ☆ سر موت کے جبڑے میں دئے بیٹھے ہیں

ابراہیم اشک عصر حاضر کی پست سیاست، انسانی سوچ کی گراوٹ، ہر انسان کے دل میں حرص و ہوس و لالچ، چھل کپٹ، دھوکہ بازی، جھوٹ، مکر و فریب کو ناپسندیدہ اور قابلِ نفرت تعبیر کرنے کے باوجود ان پر ایک ناصح کی طرح حملہ نہیں کرتے ہیں بلکہ انہوں نے نہایت ہی فنکاری سے انتہائی مدھم انداز میں اس طرح ہر موضوع کو لایا ہے کہ قارئین کو احساس بھی نہیں ہوتا اور بات دلوں میں اتر جاتی ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ وہ کوئی عام بات کر رہے ہیں لیکن رباعی کا احتشام انہیں سوچنے پر مجبور کرتا ہے۔ اس کی ایک مثال ملاحظہ فرمائیں:

یہ اہل ہوس کام نہ کر پائیں گے ☆ اک پل کو بھی آرام نہ کر پائیں گے
سو سال نگینے کی طرح گھس کر بھی ☆ دنیا میں کوئی نام نہ کر پائیں گے

یا پھر اس رباعی میں ابراہیم اشک کا انداز دیکھئے کہنے کے لئے وہ بہت بڑی بڑی باتیں کہہ رہے ہیں لیکن کتنے سہل اور نرم انداز میں انہوں نے سب کچھ تو کہہ ہی ڈالا۔ جب وفا کا احساس ہی گمنام ہے تو پھر چہار اطراف بے وفائی ہی تو ہے۔ جب چہار اطراف حیا نظر نہیں آتی تو پھر ہر طرف بے حیائی ہی تو ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

اس دور میں احساس وفا ہے گمنام ☆ اس دور میں انداز حیا ہے گمنام
کہنے کو نئی روشنی آئی ہے بہت ☆ ہر طاق پہ مٹی کا دیا ہے گمنام

لیکن ابراہیم اشک نے صرف زمانے کی خرابیوں اور اس کے عیوب کو ہی اپنی رباعیوں کا مرکز و محور نہیں بنایا ہے بلکہ جس شعبے میں انہیں قابلِ تعریف منظر نظر آئے ہیں اس کا ذکر بھی زندہ دلی کے ساتھ کیا ہے۔

عدلیہ کے ایماندارانہ فیصلوں پر انہیں ناز ہے۔ ان کے خیال میں ملک میں عدلیہ ہی وہ شعبہ ہے جس نے انسانیت، شرافت، ایمانداری کی لاج کو بچائے رکھا ہے اور جس کے ایماندارانہ فیصلوں نے مظلومین کی لاج بچائی ہے اور انہیں کی بدولت اس ملک میں مظلوم زندہ ہیں۔ ورنہ بیشتر شعبۂ حیات کی بدنظمیوں اور بدعنوانیوں نے تو انھیں کہیں کا نہیں چھوڑا ہے۔ ہر جگہ طاقت والوں، دولت والوں اور بااثر افراد کا بول بالا ہے۔ بہت ہی خوبصورت اور معنی خیز انداز میں انہوں نے انصاف کے ملنے اور انصاف کے نہ ملنے دونوں کا ذکر کیا ہے۔ لیکن انصاف کہاں ملتا ہے اور کہاں نہیں ملتا ہے یہ فیصلہ قارئین پر چھوڑ دیا ہے لیکن ان کا انداز بیاں ایسا ہے کہ قارئین کا ذہن آسانی کے ساتھ وہیں پہنچ جاتا ہے جہاں وہ پہونچانا چاہتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں۔

انصاف زمانے میں کہیں ملتا ہے ☆ انصاف زمانے میں نہیں ملتا ہے
اے اشک مگر اپنا تجربہ ہے یہی ☆ انصاف زمانے میں یہیں ملتا ہے

ابراہیم اشک باتوں کو اپنے آپ پر مسلط کر کے انتہائی خوبی سے بڑی گہری باتیں کہہ جاتے ہیں اور قارئین کو رباعی کے اختتام پر یہ احساس ہوتا ہے کہ ابراہیم اشک نے کس قدر فنکاری سے نہایت ہی اہم مسئلے پر اپنے گہرے فکر و نظر کا اظہار کیا ہے۔ یہ بات تو ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ آج زمانے میں صلاحیتوں کی قدر کرنے والا کوئی نہیں رہا۔ خوشامدیوں اور چاپلوسوں کی چاندی ہے۔ جن لوگوں میں صلاحیتوں کا انبار ہے وہ گمنامی، گوشہ نشینی اور مفلسی کی زندگی گذار رہے ہیں اور جنہیں کچھ بھی نہیں آتا وہ اونچے اونچے اعلیٰ مقام و منصب پر فائز ہیں۔ اس تلخ حقیقت اور سچائی کو اپنے آپ پر لیتے ہوئے ابراہیم اشک نے کس قدر خوبصورت اور حسین انداز میں رباعی کا پیکر عطا کیا ہے ملاحظہ فرمایئے :

انجان ہی رہتے تو بہت اچھا تھا ☆ بے دھیان ہی رہتے تو بہت اچھا تھا
موڑا بہت علم و ہنر نے ہم کو ☆ نادان ہی رہتے تو بہت اچھا تھا

فن کاروں کی ناقدری اور بے ادبی سے ابراہیم اشک بہت ہی مضطرب اور پریشان حال نظر آتے ہیں۔ اور ڈنکے کی چوٹ پر بہ بانگ دہل یہ کہتے ہیں کہ فن کاروں کی ناقدری سے فنکاروں کا کوئی نقصان نہ ہوگا بلکہ اس سے نقصان ملک و قوم و ادب کا ہوگا۔ کیونکہ فن کاروں کی قدر و منزلت اور حوصلہ افزائی جہاں ہوگی وہاں اچھے اچھے شہکار فن پارے منظر عام پر آئیں گے جس سے نہ صرف سرمایۂ ادب میں قیمتی اضافہ ہوگا بلکہ ملک و قوم کا نام بھی روشن ہوگا۔ ملک و قوم کا فن کاروں کا قدر دان ہونا شہکار فن پاروں کے منظر عام پر آنے کے مواقع پیدا کرتے ہیں اور فن کاروں کی قدر دانی سے قوم کی ذہنیت کا پتہ بھی ملتا ہے۔ ابراہیم اشک فرماتے ہیں۔

جس قوم کا معیار نہیں ہوتا ہے ☆ اس قوم کا کردار نہیں ہوتا ہے
جو قدر نہیں کرتا ہے فن کاروں کی ☆ اس ملک میں شہکار نہیں ہوتا ہے

میں نے ابراہیم اشک کی ایک سو تین رباعیوں کو انتہائی سنجیدگی سے مطالعے میں لایا ہے اور ان رباعیوں کے مطالعے نے مجھ پر منکشف کیا کہ ابراہیم اشک کی رباعیاں صرف ان کے دل کے لہو کی کشید نہیں بلکہ ان کے فکر و خیال، احساسات و نظریات، تجربات و مشاہدات نے مل جل کر ایک دنیا آباد کر لی ہے جہاں انسان اور انسانی زندگی کے معاملات و مسائل، زندگی سے حاصل تجربات و مشاہدات کی بہتات ہے۔ انہوں نے اپنے خیالات و نظریات، جذبات و احساسات، تجربات و مشاہدات کو اس فن کاری سے رباعی کے سانچے میں ڈھالا ہے کہ ان کی رباعیاں آسمان شعر و شاعری پر تابندہ و درخشندہ رہنے کی تمام خوبیوں اور خصوصیتوں سے معمور ہوگئی ہیں۔ بہ الفاظ دیگر یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ ابراہیم اشک کی رباعیوں میں زندگی اور اس سے وابستہ ہر مرحلے، ہر معاملے، ہر مواقع اور ہر رنگ موجود ہیں۔ ایک سرسری نگاہ سے مطالعہ کرنے کے بعد ہی قارئین کے ذہن و دل پر اس حقیقت کا عیاں ہونا یقینی بن جاتا ہے کہ ابراہیم اشک کی رباعیوں میں ذہن و دل کو آسودگی بخشنے کی وہ تمام خوبیاں موجود ہیں جو ایک بامقصد تخلیق میں ہونی چاہئے۔ ان رباعیوں میں خدا کے وجود کا اقرار بھی ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کا اظہار بھی ہے۔ قرآن اسلام ایمان کا ذکر بھی ہے اور مسلمانوں کا باوقار ماضی بھی ہے۔ ابراہیم اشک کی رباعیوں میں عزائم جوان بھی ہیں اور مظلوم حسینؓ بھی ہیں۔ ایمان کی دولت بھی ہے۔ ادراک و ذہانت بھی ہے۔ فرقوں کی اسیری سے آزاد رہنے کی تلقین بھی ہے۔ پھول کی ڈالی بھی ہے۔ مالی بھی ہے، قطرہ بھی ہے، دریا بھی ہے، صحرا بھی ہے، گنجینۂ معنی کا ہنر بھی ہے، الفاظ میں انوار گہر بھی ہے، صوفی بھی ہیں، قلندر بھی ہیں، اہل نظر بھی ہیں، شب جام بھی ہے، حافظ بھی ہے، عمر خیام بھی ہے، مادہ پرستی بھی ہے، عشق کی مستی بھی ہے، پھول بھی ہے، بھول بھی ہے، زمین کی دھول بھی ہے، دنیا کا تماشہ بھی ہے، قفس بھی ہے، زمانہ بھی ہے، ہوس سے دور رہنے کی خواہش بھی ہے، قناعت بھی ہے، ہوس بھی ہے، مگس بھی ہے، افلاس بھی ہے، خاک بھی ہے، آتش نمرود بھی ہے، فطرت بھی ہے، ساغر بھی ہے، ساغر کی چھلک بھی ہے، تہمت بھی ہے، محنت بھی ہے، تہمت بھی ہے، جرأت بھی ہے، سفر بھی ہے، نظر بھی ہے، راہگذر بھی ہے، دل بھی ہے، دھڑکن بھی ہے، سانس بھی ہے، گلستاں بھی ہے، بیاباں بھی ہے، چراغاں بھی ہے، ہنسنا بھی ہے، رونا بھی ہے، جینا بھی ہے، مرنا بھی ہے، سخن بھی ہے، من بھی ہے، دھن بھی ہے، معیار بھی ہے، کردار بھی ہے فن کار بھی ہے، شہکار بھی ہے، تہذیب بھی ہے، تمدن بھی ہے، وراثت بھی ہے، نادانی بھی

مانا کہ گہر بخش ہے نیساں لیکن ☆ وہ دیتا ہے رورو کے یہ خنداں ہو کر
(دبیر)

کٹتی ہی نہیں رات ڈھلے جاتی ہے ☆ بجھتی ہی نہیں شمع جلے جاتی ہے
جاری ہے نفس کی آمد و شد فانی ☆ سینے میں چھری ہے کہ چلے جاتی ہے
(فانی)

ہوں صید کبھی اور کبھی صیاد ہوں میں ☆ کچھ بھی نہیں بازیچۂ اضداد ہوں میں
مختار، مگر اپنی حدوں میں محدود ☆ ہاں وسعتِ زنجیر تک آزاد ہوں میں
(یاس یگانہ)

یہاں اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ انیسویں صدی عیسوی کے نصف آخر سے بیسویں صدی کے ربع اول تک، رباعی برصغیر کے شاعروں کی پسندیدہ صنف رہی ہے اور رباعی کہنا انہوں نے اپنے لئے باعث فخر سمجھا۔ پنڈت برج نرائن چکبست، اکبرالہ آبادی، عزیز لکھنوی، امجد حیدر آبادی، جوش ملیح آبادی، فراق گورکھپوری، سیماب اکبر آبادی، شاد عظیم آبادی، جمیل مظہری وغیرہ، غرض ہر صاحب کمال نے رباعی میں اپنے فن کا کمال دکھایا، لیکن موضوع کے اعتبار سے زیادہ تر شاعروں نے معاملات حسن و عشق یا کائنات کی بے ثباتی یا دیگر مروجہ مواجوع تک اپنے کو محدود رکھا۔ ہاں فراق گورکھپوری نے کچھ الگ راہ نکالنے کی کوشش کی :

غنچے تری زندگی پہ دل ہلتا ہے ☆ صرف ایک تبسم کے لئے کھلتا ہے
غنچے نے کہا چمن میں ہنس کر بابا ☆ یہ ایک تبسم بھی کسے ملتا ہے
(جوش)

لہروں میں کمل نہائے جیسے ☆ دوشیزگی حسن نہائے جیسے
یہ روپ یہ لوچ یہ ترنم یہ نکھار ☆ بچہ سوتے میں مسکرائے جیسے
(فراق)

تقدیر سے کیا گلہ خدا کی مرضی ☆ جو کچھ بھی ہوا ہوا خدا کی مرضی
امجد ہر بات کہاں تک کیوں کیوں ☆ ہر کیوں کی ہے انتہا، خدا کی مرضی
(امجد)

اس فہرست میں جگت موہن لال رواں، افسر آغا، نادم بلخی، گیان چند جین، جگن ناتھ آزاد، کوثر جائسی، ناوک حمزہ پوری، کوثر صدیقی، علیم صبا نویدی، اصغر ویلوری اور راجندر بہادر موج کا نام لکھا جا سکتا ہے جنہوں نے بہر حال رباعی کو زندہ رکھا۔ ملک کی تقسیم کے بعد جب برصغیر کے قدیم اردو مراکز سیاسی، سماجی اور

ہے، سراب بھی ہے، ملکی سیاست کا گھناؤنا پن بھی ہے، ہتھیار بھی ہے، تلوار بھی ہے، بم بھی ہے، دھماکے بھی ہے، سامان تباہی بھی ہے، اعلان جنگ کا انتظار بھی ہے، انصاف بھی ہے پرواز بھی ہے، سمندر بھی ہے، بوجھ بھی ہے، کاندھا بھی ہے، ملک بھی ہے، شہاب بھی ہے، صبح بھی ہے، صبح کا تارا بھی ہے، شیطان بھی ہے، شیطان سے نجات حاصل کرنے کی دعاء بھی ہے، چوڑی کی کھنک بھی ہے، کنگن بھی ہے، بادل کے بگولے بھی ہیں، نیم کے جھولے بھی ہیں، قطرہ بھی ہے، سمندر بھی ہے، جلوہ بھی ہے، وفا بھی ہے، پرچھائیں بھی ہیں، تصویر بھی ہے، زلف بھی ہے، خوشبو بھی ہے، وفا بھی ہے، صدا بھی ہے، ادا بھی ہے، پائل بھی ہے، گھنگھرو بھی ہے۔ گھنگھرو کی چھنک بھی ہے، حیا بھی ہے، عشق کی تفسیر بھی ہے۔ نغمات کی تصویر بھی ہے، تحریر بھی ہے، زنجیر بھی ہے، جاگیر بھی ہے۔ ادا بھی ہے، فدا بھی ہے، خدا بھی ہے، جدا بھی ہے، آہٹ بھی ہے، جنگ بھی ہے، امنگ بھی ہے، رنگ بھی ہے، سلام بھی ہے، کلام بھی ہے، پروائی بھی ہے، انگڑائی بھی ہے، غزل بھی ہے، محل بھی ہے، شہنشاہ بھی ہے، تاج محل بھی ہے، آندھی بھی ہے، دیا بھی ہے، نغمہ بھی ہے، تکرار بھی ہے، پازیب بھی ہے جھنکار بھی ہے، دل بیمار بھی ہے گردش افلاک بھی ہے، ماہ خورشید بھی ہے، ذرہ بھی ہے، نور بھی ہے، ناداں بھی ہے، مغرور بھی ہے، شہرت بھی ہے، عزت بھی ہے، علم بھی ہے، شعور بھی ہے، حباب بھی ہے، حجاب بھی ہے، شباب بھی ہے حساب بھی ہے، ادب بھی ہے، آداب بھی ہے، کتاب بھی ہے، ریاکاری بھی ہے، خوشامد بھی ہے، ملک بھی ہے، تہذیب بھی ہے، پریشانی بھی ہے، پشیمانی بھی ہے، شاعری بھی ہے، پیغمبری بھی ہے، حیواں بھی ہے، شیطان بھی ہے، ایمان بھی ہے، مرد بھی ہے، درد بھی ہے، گرد بھی ہے، سنگیت بھی ہے، جادو بھی ہے، حسن بھی ہے، طرب بھی ہے، رب بھی ہے، جیبں بھی ہے، زہر بھی ہے، تریاق بھی ہے، عراق بھی ہے، امریکہ بھی ہے۔ الغرض ایک مکمل کائنات کا منظر نامہ ابراہیم اشک نے اپنی ایک سو رباعیات میں پیش کیا ہے۔ اس کائنات میں زندگی کے ایک ایک گوشوں، زندگی کے تمام نشیب و فراز، اور زندگی کا ہر رنگ نمایاں ہے، میرے خیال میں ابراہیم اشک نے بالکل درست فرمایا ہے کہ :

گنجینۂ معنی کا ہنر لایا ہوں ☆ الفاظ میں انوار گہر لایا ہوں
اے ظلمت تاریخ ادب تیرے لئے ☆ دامن میں رباعی کے سحر لایا ہوں

ابراہیم اشک کی رباعیوں کا مطالعہ قارئین کے ذہن و دل کو اپنی جانب متوجہ کر لیتا ہے۔ اپنے عمیق مطالعے، گہرے مشاہدے اور وسیع تجربات کو انہوں نے اس ہنرمندی اور فنکاری سے اپنی رباعیوں میں سمویا ہے کہ قارئین ان کی قادر الکلامی کے قائل ہو جاتے ہیں۔ طرز بیان کی ندرت نے ان کی رباعیوں میں اثر و

تاثیر کی کیفیت پیدا کر دی ہے۔ اور یوں محسوس ہوتا ہے کہ اپنی رباعیوں سے ابراہیم اشک جہاں سازی کا کارنامہ انجام دے رہے ہوں۔ ایک نمونہ ملاحظہ فرمائیں :

ہر موڑ پر بس مائل پرواز رہے ☆ چپ رہ کے بھی ہم وقت کی آواز رہے
ٹوٹا ہے کئی بار یہ دل بھی لیکن ☆ یہ کم تو نہیں ہے کہ جہاں ساز رہے

حسن پر عاشق کا فدا ہونا کوئی نئی بات نہیں ہے۔ اردو شاعری کا بے شمار سرمایہ اس موضوع پر بھرا پڑا ہے لیکن ابراہیم اشک کی رباعیوں میں حسن و عشق کے معاملات بھی منفرد انداز میں دکھائی دیتے ہیں۔ ابراہیم اشک حسن کے قائل بھی ہیں اور حسن سے متاثر بھی۔ ابراہیم اشک حسن کے گرفتار اور پرستار دونوں میں نظر آتے ہیں لیکن ان کی رباعیات عشق کے وقار کا بھی بھر پور معیار قائم رکھتی ہیں۔ حسن اور عشق کا ایک منفرد والہانہ انداز ملاحظہ فرمائیں :

سو رنگ دکھاتی ہے تری ایک ادا ☆ اس ایک ادا پر ہیں کئی لوگ فدا
دنیا سے جدا ہوتی ہے فطرت جن کی ☆ وہ صورتیں کم کم ہی بناتا ہے خدا

یا پھر عشق و وفا کی راہ میں کچھ نہیں سب کچھ لٹانے کا ابراہیم اشک کا منفرد و دلفریب انداز دیکھئے۔

آجان و فا تجھکو صدا دیتا ہوں ☆ اس ناز سے میں داد و فا دیتا ہوں
اک تل پہ سمرقند و بخارا کیا ہیں ☆ میں دونوں ہی عالم کو لٹا دیتا ہوں

ابراہیم اشک کی رباعیاں سمندر کو قطرے میں جذب کرنے کا نادر و نایاب نمونہ پیش کرتی ہیں۔ ملک میں اقلیتوں کی پریشانی اور پشیمانی کے ذکر کے ساتھ ہی حقائق کی وضاحت انہوں نے کس خوبصورت انداز میں کی ہے اس کا اندازہ ذیل کی رباعی سے لگایا جاسکتا ہے۔

حالات سے دوچار پریشان بھی ہیں ☆ ہیں شک کی نگاہوں میں پشیمان بھی ہیں
لیکن یہ وفاداری کے زندہ ہیں ثبوت ☆ کرگل کے شہیدوں میں مسلمان بھی ہیں

انسان کو عظمت و وقار و بلندی کی حصولیابی کے لئے خود پسندی کی لعنت سے بچنا ہوگا۔ دوسروں کے کام آنے کے جذبوں کو فروغ دینا ہوگا۔ اس نیک ہدایت و تلقین کو ابراہیم اشک نے کس حسن کارانہ انداز میں رباعی کے سانچے میں ڈھالا ہے اس کا اندازہ کیجئے۔

چھوڑی نہ اگر تو نے خود پسندی ہرگز ☆ ہوگی نہ طرف تیرے خداوندی ہرگز
پانا ہے اگر کچھ تو کسی کا ہو جا ☆ بن اس کے ملے گی نہ بلندی ہرگز

خلاصۂ کلام ابراہیم اشک نے اپنی رباعیوں کے ذریعہ عصر حاضر کے تمام معاملات کو مسائل اور اس کے حل کو نہایت ہی فنکارانہ انداز میں پیش کر کے کوزے میں سمندر بھرنے کا طلسم پیش کیا ہے۔ ان کی رباعیوں میں ان کی فکر، ان کا خیال بہت ہی رواں دواں انداز میں قارئین کے ذہن سے ہوتے ہوئے دلوں میں اترنے کی صلاحیتیں بدرجہ اتم موجود ہیں۔ رباعی کی فنی وسعت وعظمت کے قائل ابراہیم اشک کی رباعیوں میں معنی آفرینی اور فکر کی بلندی کے ساتھ ہی ساتھ ان کے جذبات واحساسات کی گہرائیوں کے رنگ بھی خوب چھلکے ہیں۔ الفاظ ومعنی میں ربط اور فکر واسلوب میں توازن ابراہیم اشک کی رباعیوں کو عصر حاضر کے تمام رباعی گویوں کی رباعیوں میں ممتاز منصب عطا کرتا ہے۔ ان کی رباعیوں کا مطالعہ قارئین کے ذہن ودل پر ان کے قادر الکلام شاعر ہونے کا نقش مرتب کرتا ہے۔ ان کی بیشتر رباعیوں میں ایک تازگی، ایک رعنائی ورنگینی ہے جو بہت ہی سہل اور رواں دواں انداز میں ندرت بیان اور سادگی خیال کے جلوے دکھاتی قارئین کے ذہن کو اپنی طرف متوجہ کرتی ہیں۔

اردو میں رباعی گو شعراء کی کمی نہیں ہے۔ عصر جدید میں بے شمار فنکار فن رباعی گوئی کی طرف مائل ہیں۔ ایک سے بڑھ کر ایک رباعیاں اور رباعیوں کے مجموعے منظر عام پر آرہے ہیں۔ ان سب کے باوجود ابراہیم اشک کی صرف ۱۰۵ رباعیوں کے مطالعے کی بنیاد پر مجھے یہ کہنے میں کوئی ہچکچاہٹ نہیں کہ ابراہیم اشک کا شمار عصر جدید کے کامیاب رباعی گو شاعروں میں کیا جاسکتا ہے اور ان رباعیوں کے مطالعے کی بنیاد پر کہا جاسکتا ہے کہ ان کے لکھنے کا سلسلہ جاری ہے اور اگر یہ سلسلہ اسی طرح جاری رہا تو آنے والے دنوں میں ابراہیم اشک کا شمار صف اول کے رباعی گو شاعروں میں کیا جائے گا اور فن رباعی کے مداح انہیں شہنشاہ رباعی گو شاعر تسلیم کرنے کو مجبور ہوں گے۔

صدر شعبہ اردو۔ ایم ایس کالج بھاگلپور-۸۱۲۰۰۲ (بہار)

☆☆☆☆☆

☆☆☆

محمد متین ندوی

ابراہیم اشک: نئی نسل کا نمائندہ رباعی گو

ابراہیم اشک نئی نسل کے نمائندہ شاعروں اور تنقید نگاروں میں ایک نمایاں مقام رکھتے ہیں۔ وہ اپنی بے باکی، بے خوفی اور حق گوئی کی وجہ سے ہی نہیں بلکہ اچھی شاعری اور بہترین تنقیدی تحریروں کی وجہ سے تمام اردو دنیا میں جانے پہچانے جاتے ہیں۔ ان کی فکر وفن کی بلندی کو ان کی تنقید نگاری، غزل گوئی، نظم نگاری، گیت نگاری، مرثیہ نگاری، دوہا نگاری اور رباعی نگاری وغیرہ میں دیکھا جاسکتا ہے۔ ان کے گیتوں کے تعلق سے تو میں ایک مضمون لکھ چکا ہوں جو ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی صاحب کی ترتیب کردہ کتاب ''ابراہیم اشک نئے عہد کے گیت کار'' میں چھپ چکا ہے۔ اس وقت میں ابراہیم اشک صاحب کی رباعیات کے متعلق کچھ عرض کرنا چاہوں گا۔ قبل اس کے کہ میں ان کی رباعیات کے سلسلہ میں کچھ کہوں بطور نمونہ ان کی چند ایسی رباعیاں پیش کرتا ہوں جو ان کی بلند ہمتی اور کچھ کر گذرنے والے جوش سے بھری ہوئی ہیں۔

- اک قطرۂ دریا ہے تو دریا ہو جا ☆ اک ذرۂ صحرا ہے تو صحرا ہو جا
  اس طرح گذر اشک حدوں سے اپنی ☆ اک شخص اگر تو ہے تو دنیا ہو جا
- گنجینۂ معنی کا ہنر لایا ہوں ☆ الفاظ میں انوار گہر لایا ہوں
  اے ظلمت تاریخ ادب تیرے لئے ☆ دامن میں رباعی کے سحر لایا ہوں
- تخلیق ادب اور سخن کی باتیں ☆ لگتی ہیں بھلی اب یہی من کی باتیں
  تکیہ میں دبا رکھی ہے دنیا ہم نے ☆ ہم سے نہ کرے کوئی بھی دھن کی باتیں
- انداز میں افلاک کی وسعت رکھنا ☆ احساس میں ادراک کی دولت رکھنا
  ہر کام میں تکمیل کی رکھنا قدرت ☆ ہر بات میں انسان کی عظمت رکھنا
- پرواز کوئی دور کی بھر جا پیارے ☆ یا گہرے سمندر میں اتر جا پیارے
  وہ دن کہ تجھے وقت مٹائے آکر ☆ دنیا میں کسی حد سے گذر جا پیارے

مذکورہ رباعیوں میں سے جس پر بھی نظر ڈالئے ہر ایک عزم کی بلندی اور کچھ کر گزرنے والی ہمت

کو ظاہر کرتی ہے۔ ان کی رباعیوں میں خود اعتمادی، خودداری اور جوش و ولولہ کو دیکھا جا سکتا ہے اور یہ بات ان کی رباعیوں تک ہی محدود نہیں بلکہ ان کی عام تحریر میں خواہ وہ نثری ہوں یا شعری خود اعتمادی، خودداری اور جوش سے پر نظر آتی ہیں۔ فکری اور فنی دونوں اعتبار سے ابراہیم اشک کی رباعیاں نئی نسل کی نمائندہ رباعیوں میں سے ہیں۔ ویسے بھی نئی نسل غالباً سہل پسندی کے پیش نظر رباعیوں سے دور نظر آتی ہے۔ ان حالات میں ابراہیم اشک کا رباعی گوئی کی طرف متوجہ ہونا اور پوری آب و تاب کے کیساتھ رباعی گو کی حیثیت سے بھی منظر عام پر آنا بڑی بات ہے۔ نئی نسل میں چند ہی ایسے شاعر ہیں جن کی رباعیوں میں دم ہے۔ نور محمد یاس نئی نسل کے منفرد رباعی گو ہیں۔ نور محمد یاس کا نام لینا اس لئے ضروری تھا کیونکہ مدھ پردیش کے کسی بھی مقام پر رہ کر رباعی گوئی کا ذکر ہو اور نور محمد یاش کو نظر انداز کر دیا جائے تو ان کی رباعیوں کے معیار کو دیکھتے ہوئے ان کے ساتھ ظلم ہوگا۔

ابراہیم اشک کی رباعیوں میں وہ خوبیاں موجود ہیں جو رباعیوں میں ہونی چاہئے۔ ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی صاحب لکھتے ہیں :

> ''ابراہیم اشک کی تجرباتی شاعری میں دروں بینی ہے جو لاشعور سے ہم کلام ہوتی ہے لیکن ان کا فنی اظہار نا قابل فہم استعاروں سے عبارت نہیں ہے۔ وہ گرد و پیش کی اشیاء سے ربط پیدا کرتے ہیں مگر مختلف انداز میں۔ ان کے خیال میں یہ ربط ذہنی نظریاتی نہیں حسّی اور تجرباتی ہے۔ اپنی رباعیات میں وہ ذات و کائنات کو وحدت کے روپ میں دیکھتے ہیں اور پوری زندگی کا محاسبہ کرتے ہوئے براہ راست ہم سے ہم کلام ہوتے ہیں اور صورت حال کو ناگزیر سمجھ کر قبول کرتے ہیں، ساتھ ہی قلبی احساس اور فنی ادراک کی یاوری سے اس مقام پر نظر آتے ہیں جو انسانی عظمت کی معراج ہے۔''

ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی صاحب کی رائے اور ابراہیم اشک کی رباعیاں دیکھئے دونوں میں کتنا تطابق موجود ہے۔

- سوچا نہ جسے وہ انہونی دیکھی ☆ ہر ایک کی سمجھ ہم نے بونی دیکھی
  منظر جو ہوا صاف تو معلوم ہوا ☆ ملکوں کی سیاست بھی گھنونی دیکھی
- سامان تباہی کا لئے بیٹھے ہیں ☆ سب جنگ کا اعلان کئے بیٹھے ہیں

ایٹم بموں کی ہوڑ لگی ہے ایسی ☆ سر موت کے جبڑے میں دئے بیٹھے ہیں

- ایمان کی دولت سے مسلمان رہو ☆ ادراک و ذہانت سے مسلمان رہو
  فرقوں کی اسیری سے رہو تم آزاد ☆ کردار کی عظمت سے مسلمان رہو
- رشتے کئی ایسے بھی نبھائے ہم نے ☆ بے حال ہوئے زخم بھی کھائے ہم نے
  اک بوجھ محبت کا اٹھانے کے لئے ☆ سو بوجھ زمانے کے اٹھائے ہم نے

ابراہیم اشک نے حالات حاضرہ کی صرف تصویر کشی ہی نہیں کی بلکہ اس پر بے لاگ تبصرہ بھی کیا ہے۔ لیکن زاہد خشک مزاج کی طرح نہیں بلکہ شاعر متلون مزاج کی طرح۔ ایک ایسے شاعر کی طرح اصلاحی باتیں پیش کی ہیں جو اصل میں فکر کے ساتھ ساتھ شاعری کے پیکر تک پیش کرنے کے ہنر سے بھی واقف ہو۔ ابراہیم اشک نے انسانوں کو انسانیت کا پیغام دیا ہے۔ فتنہ وفساد برپا کرنے سے روکا ہے۔ یہی ہے فطرت کی وہ آواز جو ہر انسان کے اندر موجود ہوتی ہے اور یہی انسانیت کا جوہر بھی ہے۔ اگر انسان انسانیت سے عاری ہے تو وہ کچھ بھی ہوسکتا ہے لیکن انسان نہیں۔ ڈاکٹر سیفی سرونجی صاحب ''فن اور فنکار ابراہیم اشک'' کے صفحہ نمبر اٹھانوے پر لکھتے ہیں ''ابراہیم اشک نے اپنی رباعی میں انسانیت ومحبت کا پیغام دیا ہے۔ ان کی رباعیات دراصل ایسی صاف اور دلوں میں اتر کرنے والی رباعیات ہیں کہ کیسا ہی سخت دل ہو اس کے دل میں محبت اور پیار کے جذبات بھی امڈ آتے ہیں۔''

ابراہیم اشک کی رباعیات کے متعلق ڈاکٹر سیفی سرونجی کی رائے دیکھنے کے بعد ابراہیم اشک کی چند رباعیاں بھی دیکھئے تاکہ معلوم ہو کہ سیفی صاحب کی بات میں کتنی سچائی ہے۔

- ہے ہر دل مومن تو ایمان بھی رکھ ☆ ہر فکر میں اک تخت سلیمان بھی رکھ
  مذہب ہے ترا عظمت انساں کے لئے ☆ کردار میں کچھ دین کی پہچان بھی رکھ
- در عیش وطرب سیکڑوں نقصان بھی ہیں ☆ دیوانگیٔ شوق کے میدان بھی ہیں
  مستی میں اگر ہوش بھی شامل ہو جائے ☆ یہ عشق کے معراج کے سامان بھی ہیں
- سیرت پہ محمدؐ کی جو قربان ہوئے ☆ اخلاص ومحبت سے مسلمان ہوئے
  وہ لوگ مثالی ہیں زمانے کے لئے ☆ آدابِ وفا سے جو مسلمان ہوئے

مذکورہ تینوں رباعیوں کو دیکھئے کتنے اچھے انداز میں ابراہیم اشک نے انسانیت کا پیغام دیا ہے،

انسان کوانسان بننے پر آمادہ کیا ہے، اس بات کی کوشش کی ہے کہ انسان میں انسانیت آجائے حالانکہ انسان کا انسان بننا بہت مشکل کام ہوتا ہے۔ غالب نے کیا خوب کہا ہے۔

بسکہ مشکل ہے ہر اک کام کا آساں ہونا ☆ آدمی کو بھی میسر نہیں انساں ہونا

ابراہیم اشک نئی نسل کے نمائندہ شاعروں اور تنقید نگاروں میں بھی اپنی الگ شناخت رکھتے ہیں ان کی تمام تحریروں میں چاہے ان کا تعلق نظم سے ہو یا نثر سے ہر ایک میں جرأت اظہار کی طاقت نمایاں ہوتی ہے۔ بے خوفی اور بے باکی ان کی تمام تحریروں میں موجود ہے۔ ابراہیم اشک کی یہ بہت بڑی خوبی ہے کہ جس بات کو وہ حق سمجھتے ہیں اس کے اظہار میں کسی کی ناراضگی کی پرواہ نہیں کرتے۔ اظہار حسن میں جوش بھی ہوتا ہے اس بات کی پرواہ نہیں ہوتی ہے کہ اس اظہار سے ان کا فائدہ ہوگا یا نقصان۔

اپنی بات مکمل کرنے سے قبل ابراہیم اشک کی ایک رباعی پیش کرنا چاہوں گا۔ رباعی کا انداز اور ابراہیم اشک کا عزم و حوصلہ دیکھئے کتنی اچھی رباعی ہے۔

ہنس دیں تو زمانے کو گلستاں کر دیں ☆ رو دیں تو گلستاں کو بیاباں کر دیں
دنیا کو بدلنے کی ادا ہے ہم میں ☆ نظریں جو اٹھائیں تو چراغاں کر دیں

مدرسہ ریاض المدارس، سرونج - ۴۶۴۲۲۳ (ایم.پی.)

☆☆☆☆☆
☆☆☆

مشتاق انجم

ابراہیم اشک: اردو رباعی کا ایک اہم اشاریہ

رباعی چار مصرعوں کی ایک ایسی نظم کو کہتے ہیں جو اوزان و بحور کی بنیاد پر چار مصرعوں کے قطعہ سے مختلف ہوتی ہے۔ عربی زبان کے اس لفظ کے لغوی معنی ''چار والے'' کے ہوتے ہیں۔ اس کا مخصوص وزن ہوتا ہے۔ پہلے، دوسرے اور چوتھے مصرعے مقفّٰی ہوتے ہیں۔ تیسرے میں قافیہ کا آنا شرط نہیں ہے لیکن چوتھے مصرعے میں کسی ایسی بات کا آنا شرط اول ہے جس سے ذہن و دل میں ہلچل کی کیفیت پیدا ہو جائے۔

کہتے ہیں کہ رباعی کی ایجاد کا سہرا ایران کے معروف شاعر رودکی کے سر جاتا ہے۔ ماہرین فن عروض نے رباعی کے ۲۴ اوزان بتائے ہیں جو بحر ہزج میں ہوتے ہیں۔ انھیں بارہ اوزان کے دو شجروں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلے شجرے کو اخرب کہتے ہیں جس کا پہلا رکن مفعول ہے۔ دوسرے شجرے کو اخرم کہتے ہیں اس کا پہلا رکن مفعولن ہے۔ دونوں شجروں میں آخری رکن فعل، فاع، فعول یا فع ضرور آئے گا۔ درمیان میں مفاعلن، مفاعیل، مفاعیلن، فعول یا فاعلن میں سے کوئی دو ارکان آئیں گے۔ وقت کے ساتھ رباعی کی بحروں میں اضافہ ہوا ہے غلام سحر عشق آبادی اور ان کے شاگرد رشید زار علامی نے مزید ۱۲+۱۸ اوزان اختراع کر کے کل ۵۴ اوزان طے کیے ہیں۔ رباعی کو مشکل صنفِ سخن بھی کہا جاتا ہے۔ غالباً یہی سبب ہے کہ اردو میں رباعی گو شعرا کی حیثیت سے نمایاں ہونے والوں کی تعداد محدود نظر آتی ہے۔ مثلاً میر انیس، دبیر، حالی، اکبر الہ آبادی، امجد حیدر آبادی، جوش، فراق، محروم وغیرہ، ان کے بعد کی نسل میں بھی چند نام نمایاں ہوئے ہیں جن میں وحشت کلکتوی، جگن ناتھ آزاد، پرویز شاہدی، فضا ابن فیضی، ناوک حمزہ پوری، علقمہ شبلی، قیصر شمیم، رونق نعیم وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ نئی نسل کے بعض شعرا نے بھی اس طرف توجہ دی ہے جن میں ابراہیم اشک کا نام نمایاں ہے۔

ابراہیم اشک کی ۱۰۵ رباعیاں میرے پیش نظر ہیں۔ انھیں بغور پڑھنے کے بعد پہلا تاثر یہی قائم ہوتا ہے کہ انھیں فن رباعی کے رموز و نکات سے بھرپور واقفیت ہے۔ وہ بہ آسانی رباعی کی مستعمل بحروں میں غوطہ زن ہوتے ہیں اور ایک ماہر غواص کی طرح گہرا بدار لے کر سطح آب پر نمودار ہو جاتے ہیں۔ ان کی رباعیوں میں ایسی پختگی نظر آتی ہے جو یقیناً وسعتِ مطالعہ سے حاصل ہوا کرتی ہے۔ چند مثالیں ملاحظہ فرمائیں:

- آیا ہوں ترے سامنے بادیدۂ نم ☆ اس دل میں ندامت ہی رہی ہے ہر دم
  چاہا تو یہی تجھ سے میں غافل نہ رہوں ☆ افسوس کہ غفلت میں رہا ہوں پیہم

- رشتے کئی ایسے بھی نبھائے ہم نے ☆ بے حال ہوئے زخم بھی کھائے ہم نے
  اک بوجھ محبت کا اٹھانے کے لئے ☆ سو بوجھ زمانے کے اٹھائے ہم نے
- چڑیوں سے ملے، پھول سے باتیں کرلیں ☆ راہوں میں پڑی دھول سے باتیں کرلیں
  ہم لوگ ہیں دیوانے اگر یاد آئی ☆ اپنی ہی کسی بھول سے باتیں کرلیں

رباعی میں موضوعات کی کوئی پابندی نہیں ہوتی۔ لیکن اخلاقی رنگ کی جھلکیاں ہر دور کی رباعیوں میں موجود رہی ہیں۔ معاشرے کی اصلاح کے لئے اس صنفِ سخن کو اکثر استعمال کیا گیا ہے چونکہ پوری بات چار مصرعوں میں مکمل ہو جاتی ہے، اس لئے بعض رباعیات ضرب المثل بن گئی ہیں۔ اپنی بات میں وزن پیدا کرنے کے لئے موقع در موقع عموماً لوگ ان کا برجستہ اور بلا جھجک استعمال کرتے ہیں۔ کچھ مثالیں ملاحظہ فرمائیں :

- گلشن میں پھروں کہ سیر صحرا دیکھوں ☆ یا معدنِ کوہ ودشت و دریا دیکھوں
  ہر جا تری قدرت کے ہیں لاکھوں جلوے ☆ حیراں ہوں کہ دو آنکھوں سے کیا کیا دیکھوں
- دنیا بھی عجب سرائے فانی دیکھی ☆ ہر چیز یہاں کی آنی جانی دیکھی
  جو آکے نہ جائے وہ بڑھاپا دیکھا ☆ جو جا کے نہ آئے وہ جوانی دیکھی
- آغوش لحد میں جبکہ سونا ہوگا ☆ جز خاک نہ تکیہ نہ بچھونا ہوگا
  تنہائی میں آہ کون ہووے گا انیس ☆ ہم ہوں گے اور قبر کا کونا ہوگا

میر انیس کی طرح ابراہیم اشک نے بھی اخلاقیات اور اصلاح معاشرے کی روش پر چلنے کی کوشش کی ہے اور کامیابی بھی حاصل کی ہے۔ لیکن انہوں نے کلی طور پر اسے اپنا نصب العین بنایا ہے نہ ہی ناصحانہ اور واعظانہ انداز اپنایا ہے۔ انھوں نے مبلغ بننے کی بجائے اپنی رباعیوں میں ایک الگ پہلو نکالنے کی سعی بلیغ کی ہے۔ قاری کی نظر جب اس نکتے پر پڑتی ہے تو وہ چونکتا ہے اور بے اختیار اس کی زبان سے توصیفی کلمات نکل جاتے ہیں۔ ابراہیم اشک کے اس سلسلے کی بعض رباعیاں ملاحظہ فرمائیں :

- فطرت ہے یہی پھول کی خوشبو دے گا ☆ ہوگا جو کوئی اہل نظر سمجھے گا
  لبریز وفا سے ہے اگر ساغر دل ☆ چھلکے گی محبت ہی اگر چھلکے گا
- اک قطرۂ دریا ہے تو دریا ہو جا ☆ اک ذرۂ صحرا ہے تو صحرا ہو جا
  اس طرح گذار اشک حدوں سے اپنی ☆ اک شخص اگر تو ہے تو دنیا ہو جا

یہ صحیح ہے کہ فراق گورکھپوری نے اسلوبیاتی اور موضوعاتی سطح پر رباعی کے بندھے ٹکے اصولوں سے

انحراف کرتے ہوئے نئے رنگ و آہنگ میں رباعی کو پیش کیا۔ ہندی کے الفاظ کے استعمال سے اس کے ذخیرے کو وسیع تر کیا۔ عورت کے حسن اور تقدس کو نئے انداز سے نمایاں کیا۔ ابراہیم اشک کی رباعیوں کو پڑھ کر احساس ہوتا ہے کہ کہیں کہیں وہ بھی فراق سے متاثر ہیں۔ لیکن انھوں نے حد سے تجاوز کرنا نہیں سیکھا۔ عورت کا ذکر ہو یا محبوب کا، ہر جگہ سطحیت سے اعتراز کیا ہے۔ کہیں سے عریاں نگاری کو ادب کے دائرے میں آنے نہیں دیا۔ ابراہیم اشک کے یہی اوصاف انھیں معاصرین میں ممتاز کرتے ہیں۔ مثالیں ملاحظہ فرمائیں :

- پائل وہ بجی ، ہاتھ کے کنگن کھنکے ☆ احساس میں جیسے کئی کھنگرو چھنکے
  الفاظ سے پھر میں نے بنائی تصویر ☆ وہ آئے تصور میں رباعی بن کے
- پرچھائیں تصور میں کوئی لہرائی ☆ وہ زلف کھلی اور وہ خوشبو آئی
  پھر دل میں کسی یاد نے کروٹ لی ہے ☆ آباد ہوئی اشک مری تنہائی
- مت پوچھئے کیا جلوہ کہاں دیکھا ہے ☆ قطرے میں سمندر کو رواں دیکھا ہے
  ویران ملایوں تو جہاں اشک ہمیں ☆ اور نقشِ وفا میں بھی جہاں دیکھا ہے

ابراہیم اشک کے یہاں موضوعات میں تنوع نظر آتا ہے۔ دیگر مسائل کے ساتھ وہ عصری تقاضوں سے بھی آنکھیں ملاتے ہیں۔ گردوپیش کے حالات کا محاسبہ نہایت خوبی سے کرتے ہیں۔ معاشرے کا درد ہو یا سیاست کی ریشہ دوانیاں۔ ابراہیم اشک کا قلم ہر موقع پر رواں دواں نظر آتا ہے۔ وہ کسی خطرے سے خائف نہیں ہوتے بلکہ حالات کی ترجمانی نہایت چابکدستی سے کرتے ہیں۔ مختصراً یہ کہ ان کی رباعیوں میں زبان، ملک، قوم، مذہب، سماج اور زندگی کے ہر اس پہلو کو پیش کیا گیا ہے جو ہمیں تھوڑی دیر کے لئے سوچنے پر مجبور کرتا ہے۔ وہ فرماتے ہیں :

- ہتھیار نئے ہم جو بنا کے آئے ☆ خود اپنی تباہی کو بڑھا کے آئے
  کس درجہ نئے دور میں ہم آگے بڑھے ☆ تلوار گئی بم کے دھماکے آئے
- حالات سے دوچار، پریشان بھی ہیں ☆ ہیں شک کی نگاہوں میں پشیمان بھی ہیں
  لیکن یہ وفاداری کے زندہ ہیں ثبوت ☆ کرگل کے شہیدوں میں مسلمان بھی ہیں

ابراہیم اشک کی رباعیوں میں موجود مندرجہ بالا اوصاف کے پیش نظر یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ وہ دورِ حاضر کے کامیاب رباعی گو شعرا میں ایک اہم مقام رکھتے ہیں!

11/2 · ہیمر گھوش لین · شیب پور ہوڑہ۔ 711102 (بنگال)

معاشی انتشار کا شکار ہو گئے تو ادب خصوصاً شاعری پر بھی اس کا اثر پڑا اور اس ہنگامے سے مثبت اور منفی دونوں پہلو نکلے اور جہاں [illegible] کے اعتبار سے اظہار خیال میں وسعت پیدا ہوئی وہیں مختلف تجربوں اور ادبی رویوں

ابراہیم اشک اور رباعی کا فن

اردو شاعری میں رباعی ایک قدیم، اہم مخصوص اور معتبر صنف سخن ہے۔ ماضی میں اسے دوبیتی، چہار مصرعی اور ترانہ بھی کہا جاتا رہا ہے۔ کچھ اساتذائے سخن نے جب اسے رباعی کہنا اور لکھنا شروع کیا تو یہ نام مقبول ہوا اور آج تک قائم ہے۔ یہ وہ صنف سخن ہے جسے ہر دور کے مستند شعراء نے بہت ہی احتیاط اور احترام سے اپنے سخن کا ذریعہ بنایا۔ یہ صنف کبھی بھی سہل پسندی، فضول گوئی، زود نویسی اور نعرے بازی کا شکار نہیں ہوئی۔ اسی لئے اب تک اسکے اعلیٰ معیار کے ساتھ اس کی شناخت برقرار ہے۔

تمام اصناف سخن میں رباعی کے فن کو مشکل ترین فن مانا گیا ہے وجہ یہ ہے کہ یہ صنف اپنے ابتدائی زمانے ہی سے پابندیوں کی اسیر رہی ہے۔ اہم پابندی اس کا مخصوص وزن ہے جو چار مصرعوں پر مشتمل اس صنف میں جاری وساری رہتا ہے۔ یہاں ایک اور فنی بات ہے کہ رباعی کے چوبیس اوزان مقرر کئے گئے ہیں اور ان چوبیسوں اوزان میں سے رباعی کے چار مصرعے کہے جاسکتے ہیں۔ چاہیں تو ایک ہی وزن پر چاروں مصرعے کہہ سکتے ہیں چاہیں تو ان ہی اوزان میں سے چاروں مصرعے مختلف اوزان کے ہو سکتے ہیں۔ یہ رعایت جائز اور سہولت بخش ہے کہ یہ ایک ہی بحر ہے۔ دراصل رباعی کے جملہ اوزان بحر ہزج سے ماخوذ ہیں۔ بحر ہزج مثمن کا سالم وزن ہے۔ مفاعیلن، مفاعیلن مفاعیلن، مفاعیلن باقی (۹) ارکان زحافات کے عمل سے حاصل ہو سکتے ہیں (۱) مفاعلن (۲) مفاعیل (۳) مفعولن (۴) مفعول (۵) فاعلن (۶) مفعول (۷) فاع (۸) فعل (۹) فع .....بس ان ہی کے ہیر پھیر سے ۲۴ اوزان بنتے ہیں۔ اس کے سوا اس میں کوئی اور رکن نہیں آتا۔ بہر حال اس کی تفصیل میں جانے کی یہاں ضرورت نہیں کیونکہ اس میں بہت ساری باریکیاں اور نکات ہیں جسے سمجھنے اور سمجھانے کا اہل میں اپنے آپ کو نہیں سمجھتا۔ بہر حال چار مختلف اوزان پر مشتمل حضرت دبیر کی ایک رباعی پیش خدمت ہے اس سے بخوبی اندازہ ہو جائے گا :

خورشید سر شام کہاں جاتا ہے ☆ روشن ہے دبیر پر جہاں جاتا ہے
مغرب کی جانب ہے مزار حیدر ☆ خود شمع جلانے کو وہاں جاتا ہے

رباعی کے (۲۴) اوزان سے جو لہجہ بنتا ہے وہ باوقار اور سنجیدہ ہوتا ہے جسکی مخصوص لئے اور قرأت ہوتی ہے تو ظاہر ہے کہ مضمون کے تقاضے بھی ویسے ہی ہونا چاہئے۔ اوزان کی ان پابندیوں کے ساتھ ساتھ کچھ

کڑی پابندیاں بھی چند قابل اور معتبر اساتذائے سخن کی وجہ سے رباعی میں در آئی ہیں۔ انھوں نے اس صنف میں اخلاقیات، مذہبیات، علم اعداد، علم جفر اور تصوف کے مضامین کو اس فنکاری سے نظم کیا کہ اس کا رعب اور اثر اتنا گہرا ہے کہ عشق سخن کرنے والوں کے اذہان پر حاوی ہو جاتا ہے اور شاعر اپنے آپ کو پابندیوں کے شکنجے میں محسوس کرنے لگتا ہے۔ شاید اسی لئے اسے مشکل ترین سمجھ کر شعراء حضرات رباعی کہنے کی کم کم ہی ہمت کرتے ہیں اور بیشتر شعرا نے تو اپنی عمر کے آخری دور میں رباعی کہنا مناسب سمجھا ہے۔

دنیا کی کسی زبان میں بھی جب رباعی کی بات کہی جائیگی تو فارسی کے استاد شاعر عمر خیام کا ذکر لازمی ہوگا کیونکہ ان کی رباعی مثالی اور اعلیٰ مانی جاتی رہی ہے! ان کی رباعیات کا اردو یا ہندی میں ترجمہ کرنے والوں کا بھی ادب میں نام ہو گیا۔ ایک بڑی مثال ہر ونش رائے بچن کی ہے کہ عمر خیام کی رباعیات کا ترجمہ ''مدھو شالا'' سے انھیں شہرت اور عزت ملی۔ اس طرح کی اور بھی کئی مثالیں ڈھونڈنے سے مل سکتی ہیں۔ لیکن یہاں میں صرف یہ کہہ دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ اردو رباعیات پر عمر خیام کی فارسی رباعی کا کئی دہوں تک بے حد اثر رہا۔ پھر اردو کے کچھ اساتذائے سخن کی محنتوں نے اردو رباعی کو بہت آگے بڑھایا اور یہ اعتبار اور معیار کی بلندیوں کو چھونے لگی۔ اور انیس اور دبیر نے بھی اس صنف سے پیار کیا۔ اپنے دل کی باتیں کہیں۔ حضرت انیسؔ تو اپنا کلام سنانے سے پہلے اپنی کوئی نہ کوئی رباعی ضرور سنایا کرتے تے۔ مرزا غالب نے بھی اس صنف میں طبع آزمائی کی لیکن بہت دور تک نہ چل سکے۔ جبکہ امجد حیدر آبادی نے اپنے فن کا لوہا اپنی حیات میں ہی منوالیا۔ شہنشاہِ رباعیات کہلائے۔ یہ وہ واحد شاعر کہے جاسکتے ہیں کہ جنکی رباعی کو جو مقبولیت حاصل ہوئی وہ کسی اور شاعر کے نصیب میں اب تک نہیں آئی۔ امجد مرحوم کی کچھ رباعیات آج بھی خاص و عام میں مشہور ہیں جبکہ ان کو رخصت ہوئے نصف صدی سے بھی زیادہ کا عرصہ بیت چکا ہے۔

کلاسیکی دور کے بعد ترقی پسند دور میں بھی شعرائے کرام نے رباعیات کہی ہیں ان میں فراق، جوش اور اختر انصاری بڑی حد تک کامیاب بھی ہیں۔ لیکن ان کی رباعی بھی خواص کی حد تک محدود رہی، جدیدیت کے دور میں بھی رباعی زندہ رہی اور اس کے بعد بھی کم کم ہی سہی رباعی کہی سنی اور چھپی جاتی رہی ہے اور آج تک رباعی کا معیار، مقام اور اسکی خصوصیت برقرار ہے۔ لیکن اب کئی نسل کے شعرائے کرام نے رباعی کے روایتی رعب اور دبدبے کی پرواہ کئے بغیر بڑی جرأت سے رباعی کو عصریت کے اظہار کے لئے استعمال کرنا شروع کر دیا ہے۔ نئی لفظیات کے ساتھ نیا مواد بھی رباعی میں آنے لگا ہے۔ رباعی کے اوزان کی پابندیوں کو تو انھوں نے اپنایا ہے لیکن مضامین کی پابندیوں سے بغاوت کر دی ہے۔ رباعی کی دنیا میں یہ انقلابی تبدیلی بیسویں صدی کے آخری ایام سے شروع ہو کر اب تک جاری ہے۔ صرف رباعی کہنے والا شاعر میرے خیال

سے کوئی نہیں ہے۔غزل گو اور نظم گو شعراء ہی وقتاً فوقتاً رباعیات کہتے رہتے ہیں اور کچھ شعراء تو لگاتار رباعیات کہہ رہے ہیں اور خوب کہہ رہے ہیں۔ان میں اچھے اور معیاری رباعی کہنے والے شعراء کی تعداد بھی اچھی خاصی ہے۔ان سب کی رباعی گوئی پر غور و فکر کرنے اور لکھنے کی ضرورت ہے تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ اتنی مشکل ترین صنفِ سخن کو نئی نسل کے شعراء نے اتنا آسان کیسے بنالیا ہے۔فی الحال پہل کرتے ہوئے میں یہاں پر ایک مشہور و مقبول شاعر ابراہیم اشک کی رباعیات پر بات کرنا چاہوں گا کہ اشک نے شاعری کی کئی اصناف میں طبع آزمائی کی ہے۔تجربے بھی کئے ہیں، رباعیات تو یہ کہتے ہی رہتے ہیں۔دراصل اشک نے فن کے دائرے میں رہ کر رباعی کو آسان اور عام فہم بنانے کی کوشش کی ہے۔اشک اس کوشش میں بہت ہی سرگرم اور فعال نظر آتے ہیں۔نئی نسل کے شعراء ان کے عزم اور حوصلے سے تاثر لے کر رباعی کے فن کو اپنے لئے آسان کر سکتے ہیں۔لیکن شرط یہ ہے کہ فارم، اوزان، زبان اور بھرپور مواد کا پورا پورا لحاظ رکھیں جیسا کہ ابراہیم اشک اپنی رباعی میں رکھتے ہیں۔ان ہی کی ایک رباعی ملاحظہ فرمائیں۔

ہر لفظ میں معنی کو بسانا ہوگا ☆ کوزہ میں سمندر کو چھپانا ہوگا
لاحول ولا قوۃ الاّ باللہ ☆ یہ بحر رباعی میں نبھانا ہوگا

مندرجہ بالا رباعی اشک نے رباعی کی عظمت اور اہمیت کو ظاہر کرنے کے لئے کہی ہے اور اس میں. لاحول ولاقوۃ الاّ باللہ کو رباعی کا وزن بتایا ہے۔یہ وزن بھی رباعی کا ایک وزن ہو سکتا ہے لیکن یہ بات غلط العام ہے کہ یہی رباعی کا اصل وزن ہے۔ابراہیم اشک یہ بات اچھی طرح جانتے ہیں اور یہ بھی مانتے ہیں رباعی گو شاعر کو رباعی کے سبھی اوزان میں کہنا چاہئے اور اشک نے سیکڑوں رباعیاں کہکر درجنوں رسالوں میں شائع کروایا ہے۔وہ پتہ نہیں رباعی کے کون کون سے اوزان پر ہیں لیکن ''رنگ و بو'' حیدرآباد کے ابراہیم اشک نمبر میں اشک نے ایک تجربہ کیا ہے کہ رباعی کے تمام (۲۴) اوزان (۶) رباعیوں میں سمو دیئے ہیں اور ہر مصرعے کے نیچے الگ الگ وزن لکھ دیا گیا ہے۔یہ تجربہ اشک کی رباعی پر گرفت کی دلیل ہے۔ان رباعیات میں سے پہلی رباعی ملاحظہ فرمائیے۔

جب ماں کی دعا ساتھ رہے گی ہر گام ☆ چنکی میں بن ہی جائیں گے سب کام
ہر موڑ بندھائے گا نرالی اک آس ☆ ہر موڑ پہ چھلکے گا امیدوں کا جام

اشک کی یہ کوشش قابل داد بھی ہے اور عشق سخن کرنے والوں کے لئے مشعل راہ بھی ہے۔ان تمام چھ رباعیوں کی تقطیع کر لی جائے تو اوزان کے اندازے بہ آسانی ہو سکتے ہیں لیکن مشق لازمی ہے۔

اشک کی ساری شاعری کا محور زندگی کے داخلی اور خارجی احساسات ہیں اور اسکے ساتھ ہی

تصورات کی آباد دنیا بھی ان کے سخن کا حصہ ہے۔ رباعیات میں بھی اشک نے اپنے بنیادی وصف کو شعوری یا غیر شعوری طور پر چھوڑا نہیں ہے۔ ان کی شاعری کے اوصاف میں ایک خاص وصف اندھیرے میں روشنی کی کرن کی طرف اشارہ کرنا ہے۔ ان کی رباعیات میں بھی یہ وصف در آیا ہے۔ ایک رباعی ہے :

حالات سے مجبور بھی ہو جاتے ہیں ☆ دنیا میں جو طوفان سے ٹکراتے ہیں
جب ہار کا ہوتا ہے تجربہ کوئی ☆ پھر جیت کے آداب نئے آتے ہیں

اشک کے کلام میں خودداری اور انا پسندی کے عناصر بھی جگہ جگہ پائے جاتے ہیں۔ ان کی غزلیہ شاعری میں اور دوہوں میں یہ بات اُبھر کر سامنے آتی ہے۔ زندگی کے سلسلے میں اپنے نظریات کو انھوں نے اپنی رباعی میں بھی قائم رکھا ہے۔ ایک رباعی ملاحظہ فرمائیے :

اچھا ہے کہ مطلب کے پجاری نہ ہوئے ☆ اخلاص و محبت سے عاری نہ ہوئے
ہر در سے دولت کی جن کو ہے تلاش ☆ ہم اُن کی طرح اشک بھکاری نہ ہوئے

اشک کی تعلیم ہندی میں ہوئی لیکن تربیت میں گھر، گھرانہ اور ماں کا بہت ہی دخل رہا ہے۔ آگے چل کر یہی دخل کی صورت اختیار کر گیا اور اشک کو اپنی مادری زبان سے بے حد پیار ہو گیا اور اردو تہذیب ہی جینے کا ذریعہ بنی، ایک رباعی ملاحظہ فرمائیے اور دیکھئے اشک اردو سے کس قدر ٹوٹ کر پیار کرتے ہیں اور انتہا یہ کہ اس زبان کو جینے کا سبب مانتے ہیں۔

ہم اپنی زباں اپنا ادب رکھتے ہیں ☆ اس راہ میں قدرت کی طلب رکھتے ہیں
اردو کے لئے اشک ہے اپنی یہ حیات ☆ جینے کے لئے بس یہ سبب رکھتے ہیں

اشک کی رگ و پے میں شاعری کے علاوہ صحافتی رو بھی ہے کہ جو کبھی کبھی نظم اور نثر میں سر اُبھارتی نظر آتی ہے۔ یہ عمل فطری ہے کہ انھوں نے برسوں تک اردو اور ہندی صحافت میں عملی حصہ لیا ہے۔ ایک سچے صحافی کا کام اپنے قاری کو صحیح آگہی دینا ہوتا ہے۔ ایک رباعی میں اشک نے اپنے ہم نفسوں کو جو آگہی دی ہے وہ قابلِ داد ہے۔ ملاحظہ فرمائیں :

تہذیب کے معیار کو دیکھا جائے ☆ پھر قوم کے سردار کو دیکھا جائے
ملکوں کی جو عظمت کو پرکھنا ہے اگر ☆ ہر ملک کے کردار کو دیکھا جائے

اشک نہ صرف اپنے ہمعصروں کی تخلیقات کا مطالعہ کرتے ہیں بلکہ کلاسیکی ادب کا بھی وقتاً فوقتاً آموختہ کرتے رہتے ہیں۔ یہ بات ان کے مضامین اور ان کی شاعری سے ہمیں معلوم ہوتی ہے۔ رباعی میں بھی انھوں نے اپنے پسندیدہ استادانِ فن کا دل کھول کر اعتراف کیا ہے اور اپنے موقف کا بھی اظہار کیا ہے۔

THIS EBOOK IS DOWNLOADED FROM
SHAAHISHAYARI.COM

LARGEST COLLECTION OF URDU
SHERS, GHAZALS, NAZMS AND EBOOKS.

رباعی پیش خدمت ہے :

حافظ کا سخن دل کو بہت ہی بھایا ☆ بیدلؔ نے بھی جی بھر کے مجھے تڑپایا
سعدیؔ نے گلستان بنایا دل گو! ☆ اے اشک میں اردو میں وہ خوشبو لایا

موجودہ دور کی بے حسی، بے راہ روی، لاقانونیت کا احساس اشک کو ہے کہ اکثر تخلیقات میں اشک اپنے قاری کو عالمی تناظر میں پیچیدہ، ژولیدہ اور بدہیئت تصویریں بھی دکھاتے ہیں۔ رباعی میں بھی یہ پیار نظر آتا ہے۔ ملاحظہ فرمایئے۔

سچ بات کوئی کہنے کو تیار نہیں ☆ اجلاس میں دنیا کے صلح کار نہیں
ملکوں کی سیاست کا بھی ہے ناٹک ☆ کمزور کا کوئی بھی طرفدار نہیں

اشک کی شاعری میں رشتوں کا تقدس تو ہے ہی لیکن ماں کے رشتے کی اہمیت اور قدر ان کی شاعری میں جب بھی نظر آئی ہے باوقار طریقہ سے نظر آئی ہے۔ ماں پر ان کی ایک نظم تو بے مثال ہے لیکن رباعی میں بھی ماں کی عظمت کا رنگ نمایاں ہے۔ دیکھئے۔

ماں جیسی محبت نہ ملے گی یارو ☆ ماں جیسی عنایت نہ ملے گی یارو
مل جائے گی ہر چیز جہاں میں لیکن ☆ ماں جیسی حقیقت نہ ملے گی یارو

ادب میں چھل کپٹ، ملاوٹ، بناوٹ، جھوٹ، فریب اور ریاکاری کو اشک قطعاً پسند نہیں کرتے۔ ان کے تنقیدی مضامین میں یہ بڑے سخت انداز میں ادبی اداکاروں کو لتاڑتے پچھاڑتے نظر آتے ہیں۔ ان کا یہ قلمی رویہ ایک رباعی میں بھی نظر آتا ہے۔

تخلیق ادب میں نہ ملاوٹ اچھی ☆ باتوں میں نہ شاعر کی لگاوٹ اچھی
ہے کار گہہ شیشہ گری اشک یہ فن ☆ فنکار کے فن میں نہ گراوٹ اچھی

مندرجہ بالا رباعیات اور اُن کے بارے میں میرے خیالات سے اندازہ ہو گیا ہوگا کہ اشک جو صرف رباعی گو شاعر نہیں ہیں پھر بھی انہوں نے جو رباعیاں اردو سماج کو دی ہیں وہ قابلِ داد اور قابل قدر ہیں اور نئی نسل کے لئے راہیں بھی ہموار کرتی ہیں کہ رباعی میں وسعت ہے، گہرائی ہے اور معنویت بھی ہے۔ آج رباعی میں آج کی زبان اور آج کے مسائل کو بھی پیش کیا جا سکتا ہے اور یہ وہ صنف شاعری ہے جس میں آج کے ہر شاعر کو طبع آزمائی کرنی چاہئے کیونکہ آج اور اب کی موثر ڈھنگ سے نمائندگی کرنے کی رباعی میں پوری پوری گنجائش موجود ہے۔

12/61 مالوانی 'کالونی نمبر ۶، باندرہ پلاٹ، ملاڈ ویسٹ، ممبئی۔400095

ابراہیم اشک : خیّام سے بہتر رباعی گو

جہانِ علم وادب میں ابراہیم اشک کا نام کئی حوالوں سے جانا جاتا ہے۔ غزل میں اپنے منفرد لہجے اور اسلوب کی بنا پر وہ ہر دل عزیز شاعر ہیں۔ ان کی نظموں میں دانشوری، فلسفہ اور اپنے عہد کی تاریخ نمایاں ہے۔ ان کے دوہے ہندوستان کی مٹی، یہاں کی تہذیب وتمدن کی خوشبو سے شرابور ہیں۔ ان کی تنقید بیباک اور شعلہ بار ہے۔ اُن کے افسانے باوقار اور سماج کی اصلاح اور رہنمائی کے آئینہ دار ہیں۔ اُن کی رباعیات کے رنگ ہزار میں کہا جا سکتا ہے کہ وہ ہمہ جہت فنکار ہیں۔ ایسی صلاحیت رکھنے والے فنکار برسوں بلکہ صدیوں میں پیدا ہوتے ہیں اور اپنے کمال وجمال کے بل پر ہمیشہ یاد رکھے جاتے ہیں.....

مجھے ابراہیم اشک کی رباعیات پر بحث کرنا ہے۔ اس میدان کے شہہ سواروں میں حضرت امیر خسرو، عبدالقادر بیدلؔ، حافظ شیرازی سرمدؔ، عمر خیامؔ جیسے فارسی شعراء کے نام خاص طور سے لئے جا سکتے ہیں۔ وہیں اردو شاعروں میں میر تقی میرؔ، میر انیس، دبیر، تلوک چند محروم، فراق گورکھپوری، جوش ملیح آبادی، امجد حیدر آبادی، کمال احمد صدیقی اور ناوک حمزہ پوری کے نام قابل ذکر ہیں :

چونکہ رباعی کی ساخت مشکل ہی نہیں بہت مشکل ہے اس کے اوزان کو برتنا ہر کسی کے بس کی بات نہیں ہے۔ اس کے لئے بڑی مہارت اور ریاضت کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بڑے سے بڑا شاعر بھی اس میدان میں قدم رکھتے ہوئے گھبراتا ہے اور غزل ہی کے گیسو سنوارتا رہتا ہے۔ اس حقیقت سے کون انکار کر سکتا ہے کہ جدید دور کے اہم شاعروں میں سرفہرست رہنے والے بشیر بدرؔ، ندا فاضلی، محمد علوی، باقی اور شہر یار کے یہاں ایک بھی رباعی نہیں ملتی ہے۔ جبکہ نئی نسل کے قادر الکلام شاعر ابراہیم اشکؔ نے سینکڑوں رباعیاں کہہ کر اردو ادب کو مالا مال کرنے کا تاریخ ساز کارنامہ انجام دیا ہے۔ اس کی جتنی ستائش کی جائے کم ہے۔ ابراہیم اشکؔ نے رباعی کے فن میں تجربات بھی کئے ہیں۔ کچھ رباعیاں ملاحظہ ہوں :

- غم دیدہ ہوں، نم دیدہ ہوں، رنجیدہ ہوں ☆ بوسیدہ ہوں، شوریدہ ہوں، خوابیدہ ہوں
  پژمردہ ہوں، افسردہ ہوں، یادوں میں تری ☆ سنجیدہ ہوں، سنجیدہ ہوں، سنجیدہ ہوں
- گھر چھوڑ کے فرزانے نکل جاتے ہیں ☆ در چھوڑ کے مستانے نکل جاتے ہیں
  دنیا کے لئے دار و رسن پر اپنے ☆ سر چھوڑ کے دیوانے نکل جاتے ہیں
- کب لوگ ملے دل کو لبھانے والے ☆ اب لوگ ملے دل کو لبھانے والے

افسوس مگر قدر نہیں کر پائے ☆ جب لوگ ملے دل کو لبھانے والے

رباعی کے لئے چوبیس اوزان مختص ہیں اور یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ ابراہیم اشک نے چھ رباعیات میں چوبیس اوزان کو ڈھال دیا ہے جہاں ہر مصرع کا وزن ایک دوسرے سے مختلف ہے۔ جہاں تک رباعی کے موضوعات کا سوال ہے تو چار مصرعوں میں کوزے میں سمندر کی طرح فلسفیانہ، حکیمانہ، صوفیانہ، اخلاقی، اصلاحی، عشقیہ اور سماجی مسائل کو رباعی میں اس طرح بیان کیا جاتا ہے کہ علم و ادب کے اوراق پر رُباعی گوہر آبدار کی طرح چمکتی دکھائی دیتی ہے۔ جہاں تک ابراہیم اشک کی رباعی کا تعلق ہے انہوں نے اپنے نظریات کا اظہار اس طرح کر دیا ہے :

- گنجینۂ معنی کا ہنر لایا ہوں ☆ الفاظ میں سب تازہ گہر لایا ہوں
  اے ظلمت تاریخ ادب تیرے لئے ☆ دامن میں رباعی کے سحر لایا ہوں
- حافظ ہے کہ مستانہ ہوا جاتا ہے ☆ سعدیؔ سے بھی یارانہ ہوا جاتا ہے
  اے اشکؔ جو سنتا ہے رُباعی تیری ☆ خیامؔ بھی دیوانہ ہوا جاتا ہے
- قطرہ ہے سمندر تو نہیں ہو سکتا ☆ ذرّہ مہ و اختر تو نہیں ہو سکتا
  اے اشکؔ وہ عظمت ہے رُباعی میں تری ☆ امجدؔ ترا ہمسر تو نہیں ہو سکتا
- کہتے ہیں کوئی جوش تو کوئی ہے فراقؔ ☆ دو چار رباعی میں ہوئے ہیں وہ طاق
  آفاق ستاروں سے سجا ہے اپنا ☆ اس فن میں نہیں کوئی بھی ہم ساخلاق

اپنے فن کے بارے میں اس طرح اظہار خیال کرنا آسان نہیں ہے۔ یہ کام وہی کر سکتا ہے جس کے یہاں تنقیدی شعور بھی ہو..... ابراہیم اشک بیباک اور باوقار نقاد بھی ہیں۔ وہ اپنے فن کو بخوبی جانتے سمجھتے بھی ہیں اور اُس کا اظہار بغیر کسی مصلحت یا جھجک کے کھل کر کر بھی دیتے ہیں۔ شاعری کا جادو سر چڑھ کر بولتا ہے اس بات کا بیان ابراہیم اشک کی اس رباعی میں دیکھئے :

اشعار کا ایسا بھی کرشمہ دیکھا ☆ لٹتا ہوا محفل میں ، زمانہ دیکھا
وہ فن کی نوازش تھی جہاں پر ہم نے ☆ لوگوں کا امڈتا ہوا دریا دیکھا

اپنی رباعیوں میں ابراہیم اشک جب مذہبی رنگ اختیار کرتے ہیں تو اس میں بھی ڈوبے ہوئے نظر آتے ہیں۔ یہ حمدیہ رباعیات ملاحظہ ہوں۔ ان میں محبت بھی ہے اور عقیدت بھی اور عبادت بھی صاف دکھائی دیتی ہے :

- جو چاہے وہی شاخ ہری کرتا ہے ☆ معبود مرا دیدہ وری کرتا ہے
  میں لاکھ گنہگار سہی اے ناصح ☆ اللہ گناہوں سے بری کرتا ہے
- ہر موجِ سمندر پہ لکھا نام ترا ☆ ہر ذرّۂ خاکی میں چھپا نام ترا

بلبل کا ترانہ ہو کہ کوئل کی صدا ☆ نغموں کی طرح ہمنے سنا نام ترا

- سو رنگ ہیں کس رنگ میں ڈھالوں تجھ کو☆ تو ایک سمندر ہے کھنگالوں تجھ کو
ہے عرش پہ تو اور میں ہوں فرش نشیں ☆ دل پھر بھی یہ کہتا ہے کہ پالوں تجھ کو

حمد سے ابراہیم اشک جب نعت کی طرف آتے ہیں تو سرکارِ دو عالم سے ان کی عقیدت دیکھتے بنتی ہے۔ بیان کی سادگی اور اظہار کی صداقت کے سانچے میں ان کی جو بھی رباعی نعت کے رنگ میں ڈھلتی ہے اس سے اس بات کا ثبوت ملتا ہے کہ وہ سچے عاشقِ رسولؐ ہیں۔ چند رباعیات ملاحظہ ہوں :

- سردارِ پیمبر ہیں رسولِ عربی ☆ ہاں ساقیِ کوثر ہیں رسولِ عربی
اک شمع حقیقت کو جلانے والے ☆ ہر قوم کے رہبر ہیں رسولِ عربی
- نادان کو ہشیار بنایا جس نے ☆ اسلام کو پتوار بنایا جس نے
ہاں ہاں وہی محبوبِ خدا ہیں اپنے ☆ انسان کا کردار بنایا جس نے

سچا فنکار وہی ہوتا ہے جو دنیا میں حق پرستی، وفاداری اور انسانی قدروں کی پیروی کو اپنی زندگی کا مقصد بنائے۔ سچ ہمیشہ لازوال ہے اور جھوٹ دائمی نہیں ہوتا ہے۔ جھوٹوں کا بھرم جلد ہی کھل جاتا ہے۔ کون بھلا ہے اور کون برا ہے یہ ایک دن دنیا میں واضح ہو جاتا ہے۔ اس حقیقت کو ابراہیم اشک خوب سمجھتے ہیں۔ وہ سچ کے پرستار اور اخلاق واقدار کے پاسدار ہیں۔ ان کی یہ رباعی اسی بات کا اظہار ہے :

- جھوٹوں کا بھرم آپ ہی کھل جاتا ہے ☆ جو داغ ہے سچائی پہ دُھل جاتا ہے
کچھ وقت تو لگتا ہے، مگر دنیا میں ☆ ہر شخص ترازو میں بھی تُل جاتا ہے
- انداز کوئی داد کے قابل نہ ملا ☆ کچھ اپنی وفاؤں کا حاصل نہ ملا
دی جان محبت میں، گئی وہ بے کار ☆ تھی جس کی طلب اشکؔ وہ قاتل نہ ملا

ہر مذہب، ہر دھرم انسان کو تعصب اور فرقہ پرستی سے دور رہنے کی تلقین کرتا آرہا ہے اس کے باوجود مذہب کے نام پر لوگ تعصب اور فرقہ پرستی کا زہر پھیلاتے رہتے ہیں۔ حیوانیت اور بربریت کی آگ میں پورے سماج کو جھونکتے رہتے ہیں۔ کئی بے گناہ اور معصوم مارے جاتے ہیں، عصمت دری کا بازار گرم ہو جاتا ہے، تباہی، بربادی، لوٹ مار کے دردناک منظر دیکھ کر زمین وآسمان کانپ جاتے ہیں۔ ایسے میں شاعر کا دل پکار اٹھتا ہے۔ ابراہیم اشک کی یہ رباعی اس کی بھرپور عکاسی کرتی ہے :

ہر بات میں نفرت کو ہوا دیتے ہیں ☆ اک حشر زمانے میں اٹھا دیتے ہیں
شیطان کے بندوں کا تماشا ہے یہ ☆ انسان کو زندہ بھی جلا دیتے ہیں

ابراہیم اشک کی رباعیات میں جہاں تخلیقی فنکاری اور ہشیاری ہے وہیں سماجی بیداری بھی ہے۔ ان

کے یہاں موضوعات کی فراوانی بھی ہے اور نئے سے نئے تجربات کی روانی بھی۔ وہ موجِ رواں کی طرح بہتے اور مدھم سروں میں اپنی بات پر زور انداز میں کہتے چلے جاتے ہیں۔ یہی رویہ ہر بڑے تخلیق کار کے یہاں دیکھا گیا ہے جو اپنے عہد کی تاریخ اپنے فن کے ذریعہ لکھتا ہے۔ ظلم کی آندھی کے سامنے برسرِ پیکار ہونا اور مظلوموں کی ہمدردی میں اپنی جان تک لٹا دینے کا جذبہ حق پرستوں کا زیور رہا ہے۔ اسی زیور کا ابراہیم اشک نے اپنے فن کے لئے انتخاب کیا ہے۔ ان کی یہ رباعیاں اسی بات کا ثبوت پیش کرتی ہیں :

- بستی میں لہو رنگ یہ آنگن کیوں ہے ☆ مظلوم کی آنکھوں میں یہ ساون کیوں ہے
  حیوان بھی رہتے ہیں محبت سے مگر ☆ انسان کا انسان ہی دشمن کیوں ہے
- مظلوم کی آہوں کا اثر ہوتا ہے ☆ ہر آہ میں اندازِ شرر ہوتا ہے
  مٹ جاتی ہے ظالم کی حکومت ساری ☆ جب قہر الٰہی کا گزر ہوتا ہے

ہندوستان کی آزادی کے لئے جتنے بھی جیالے اٹھے وہ سب کسی ایک مذہب یا فرقے کے نہیں تھے بلکہ اس ملک کے سچے سپوت تھے۔ ہم سب کا یہ فرض بنتا ہے کہ ان شہیدوں کی وراثت کو برقرار رکھیں اور فرقہ واریت کی آگ میں اپنے ملک کو نہ جھونکیں۔ انسان دوستی، بھائی چارے اور قومی ایکتا کی اسی بات کو ابراہیم اشک نے اپنی رباعی میں یوں بیان کیا ہے :

قدروں کی روایت نہیں مٹنے دینا ☆ پُرکھوں کی وراثت نہیں مٹنے دینا
نفرت کے اندھیروں میں جلانا ہیں چراغ ☆ دنیا سے محبت نہیں مٹنے دینا

آخر میں ہم یہی کہہ سکتے ہیں کہ رباعی کے آسمان پر ابراہیم اشک ایک ستارے کی طرح ابھرے ہیں۔ جس کی روشنی جیسے جیسے وقت گذرے گا اور زیادہ بڑھتی جائے گی۔ ان کی رباعیوں میں تازگی بھی ہے اور دلکشی بھی، فصاحت بھی ہے اور بلاغت بھی، معنی آفرینی بھی ہے اور موضوعات کی فراوانی بھی، وسعت بھی ہے اور عظمت بھی اور یہی تمام خوبیاں ان کی رباعیات کو اعلیٰ ادب کا گراں قدر سرمایہ بناتی ہیں۔ بے شک ابراہیم اشک ایک ایسے قادر الکلام رباعی گو ہیں جنہیں کسی بھی عظیم رُباعی گو سے کم نہیں آنکا جا سکتا..... کیونکہ..... ان کی رباعیات کے رنگا رنگ موضوعات اور نئے نئے تجربات اس بات کی تصدیق کرتے ہیں :

کوزے میں سمندر ہے رباعی میری ☆ افکار کا دفتر ہے رُباعی میری
سو رنگ کے مضمون کا گلدستہ ہے ☆ خیّام سے بہتر ہے رُباعی میری

مدیر "فنکار" لکڑ خانہ، گوالیار۔ 474001 (ایم۔ پی۔)

- کنگن بھی کھنکا کبھی چوڑی کھنکی ☆ دل نے سنی آواز ترے کنگن کی
محسوس ہوا ڈالی گلے میں باہیں ☆ پوری ہوئیں کچھ یوں بھی مرادیں دل کی
- وہ بھور ہوئی صبح کا تارا ٹوٹا ☆ ہاتھوں سے مرے ماہ کا دامن چھوٹا
مرجھائی ہوئی سیج پہ ڈالی جو نظر ☆ رنگ اس کا کھلا جیسے کہ بوٹا بوٹا

ابراہیم اشک نہ صرف اپنے ملک اور اس کے حالات پر گہری نظر رکھتے ہیں بلکہ بین الاقوامی معاملات پر بھی کھل کر اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہیں۔ یہ بات اب صاف ہو چکی ہے کہ اس دور کے شیطانِ عظیم امریکہ نے عراق پر ذاتی مفاد کے لئے حملہ کیا اور اس کو تباہ و برباد کر دیا، جبکہ فرعون صفت جارج بش نے دنیا کو یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ اس نے امنِ عالم کی بقا اور عراقی عوام کو صدام حسین کے شکنجے سے آزاد کرانے کے لئے یہ شرمناک اقدامات کئے تھے۔ اس سلسلہ میں ابراہیم اشک کی بیبا کی ملاحظہ ہو :

- اجڑے در و دیوار ہیں سنسان ہیں طاق ☆ ہے زہر ہی کہنے کے لئے اب تریاق
جس روز سے امریکہ نے رکھا ہے قدم ☆ آباد کہاں؟ اور ہے برباد عراق

ساری دنیا پر اب منکشف ہو چکا ہے کہ افغانستان کو روس سے نبرد آزما کرنے اور جنگ پر اکسانے میں امریکہ ہی کا ہاتھ تھا، طالبان اور اسامہ بن لادن امریکہ ہی کی شہ پر اور اسی کی در پردہ امداد کے سہارے افغانستان پر غلبہ حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے تھے، اور اپنا کام نکل جانے یعنی متحدہ روس کو تتر بتر کر دینے کے بعد اسی افغانستان پر بموں کی بارش کر دی تھی۔ اس واقعہ کے تناظر میں یہ رباعی قابلِ تحسین ہے :

- جو شخص منافق ہے وفا کیا جانے ☆ اخلاص و محبت کی ادا کیا جانے
ہرگز نہ کبھی دوست کسی کا ہوگا ☆ بدکار ہے نفرت کے سوا کیا جانے

آج عبا چغا پہن کر مذہب کے نام پر مسلم معاشرہ کو غلط راستے پر ڈالنے والے نام نہاد علماء سے ہم سب کا دن رات واسطہ رہتا ہے، یہ فرقہ (مذہبی مافیہ) لگاتار اپنے دست و باز و پھیلا رہا ہے اور مسلم معاشرے کے بھولے بھالے لوگوں کو اپنے جھوٹے اور بناوٹی تقویٰ کے فریب میں گرفتار کر کے نہ صرف ان کی محنت کی کمائی کو ہڑپ کر رہا ہے بلکہ ان سے تخریب کاری کا کام لیکر پوری مسلم معاشرہ کو بدنام کر رہا ہے۔ اس سلسلہ میں ابراہیم اشک مجرمانہ خاموشی اور مصلحت سے کام نہیں لیتے۔ دوٹوک بات کہہ دینا اور اپنے خلاف غلط فتوے سے نہ ڈرنا ابراہیم اشک ہی کا کام ہے۔ یہ رباعی ملاحظہ ہو :

گفتار کے غازی بھی کئی ملتے ہیں ☆ حاجی ہیں وہ پاجی بھی کئی ملتے ہیں
کھاجاتے ہیں وہ قوم کا چندہ، ایسے ☆ مکار نمازی بھی کئی ملتے ہیں

جہاں تک زبان و بیان کی بات ہے، اشک صاحب کی گرفت ہندی اور اردو الفاظ اور ان کے برمحل

ابراہیم اشک : تازہ کار رُباعی گو

اصنافِ سخن میں رباعی ایک مشکل صنف ہے۔ مشکل اسلئے ہے کہ ایک خیال کو چار مصرعوں میں اس طرح پیش کرنا گویا سمندر کو کوزے میں بند کرنے کے مترادف ہے۔ اتنا ہی نہیں رباعی کے مخصوص اوزان بھی ہیں۔ اگر ان مخصوص اوزان پر رباعی کھری نہیں اترتی ہے تو اُسے رباعی کا درجہ حاصل نہیں ہوتا ہے اور وہ قطعہ بن جاتی ہے۔ رباعی میں یہ پابندی بھی لازمی ہے کہ اس کے پہلے دوسرے اور چوتھے مصرعے ہم قافیہ ہونا ضروری ہے۔ اس کے پہلے مصرعے میں ایک خاص خیال یا سوچ کی ابتداء ہوتی ہے، دوسرے اور تیسرے مصرع میں خیال کی وضاحت ہوتی ہے اور چوتھے مصرع میں خیال کی تکمیل کر دی جاتی ہے۔ چوتھا مصرع رباعی کی جان ہوتا ہے۔ اس سے وہ بات مکمل طور پر واضح ہو جاتی ہے جو پوری رباعی میں کہی گئی ہو۔ موجودہ دور میں رباعی کے استاد شاعر ناوک حمزہ پوری رباعی کے فن پر یوں رقم طراز ہیں :

> ''ناقدین نے اچھی رباعیوں کی ایک صفت یہ بھی بتائی ہے کہ اس کا آخری مصرع ایک جملۂ نام یعنی مکمل اور جامع بیانی ہونا چاہئے اور اس کی شناخت یہ ہے کہ اگر رباعی کے تینوں مصرعوں کو حذف کر دیا جائے (ہٹا لیا جائے) تو بھی چوتھا مصرع ایک جملۂ تام ہو یعنی اپنے معنی کے اظہار میں مکمل ہو۔''

صنفِ رباعی کی سخت پابندیوں کی وجہ سے اکثر کہنہ مشق شعرا بھی اس سے دامن بچاتے رہے اور آج لاکھوں کی تعداد میں اردو کے غزل گو شعراء کی فہرست مرتب کی جاسکتی ہے وہاں رباعی کے شاعر انگلیوں پر گنے جاسکتے ہیں۔

جوش ملیح آبادی جو خود مستند رباعی گو ہیں صنف رباعی کے تعلق سے اپنے تاثرات کا اظہار کچھ اس انداز سے کرتے ہیں :

> ''رباعی ایک بہت بڑی بلا ہے اور نہایت جان لیوا صنف کلام ہے۔ یہ کم بخت چالیس برس سے پیشتر کسی بڑے سے بڑے شاعر کے رس میں آنے والی چیز نہیں۔ بات یہ ہے کہ جب تک کسی شاعر کو بے پناہ مشاقی اور دیدہ وری کی بدولت دریا کو کوزے میں بھر لینے کا فن نہیں آتا اس وقت تک رباعی اس کے قابو میں نہیں آتی.....''

ابراہیم اشک نئی نسل کے ہمہ جہت قلم کار ہیں۔ وہ مختلف اصناف ادب پر معیار کو برقرار رکھتے ہوئے علم و ادب کی خدمات انجام دیتے رہے ہیں۔ غزل کے علاوہ نظم، مرثیہ، مثنوی، دوہا، کنڈلی، سویا، رباعی، افسانہ، تنقید اور تحقیق میں انہوں نے اپنی بھرپور صلاحیت کا ثبوت دیا ہے۔ اتنا ہی نہیں وہ فلمی دنیا کے مشہور اور مقبول ترین نغمہ نگار ہیں۔ فلم ''کہونا پیار ہے'' اور ''کوئی مل گیا'' میں لکھے گئے ان کے نغموں نے مقبولیت کے اعتبار سے گذشتہ پچاس برس کا ریکارڈ توڑا ہے۔ جس کے لئے انہیں کئی اعزاز بھی ملے ہیں۔ مختلف اصناف پر اُن کی کتابیں منظر عام پر آچکی ہیں جو ہمارے ادب کا بیش بہا سرمایہ ہیں۔ اس وقت اُن کی رباعیات میرے پیش نظر ہیں جن کے مطالعے سے یہ واضح ہو جاتی ہے کہ اس مشکل صنفِ سخن میں بھی وہ بہ آسانی اپنی صلاحیت کے جوہر دکھانے میں کامیاب ہیں۔ وہ الفاظ کے پیچھے نہیں دوڑتے بلکہ ان کی فکر کی تکمیل کے لئے الفاظ خود بہ خود اُن کے قلم سے موج در موج نکل کر قرطاس پر موتیوں کی طرح بکھر جاتے ہیں۔ یہ خوبی کسی فنکار کے یہاں بڑی ریاضت اور مہارت کے بعد ہی پیدا ہوتی ہے۔ اپنے ایک انٹرویو میں ابراہیم اشک نے اس بات کا اظہار کرتے ہوئے کہا ہے :

''میں شاعری کو جدید شعراء کی طرح الفاظ کا گورکھ دھندا نہیں سمجھتا۔ میری شاعری الہامی کیفیت کی، فکر، احساس، عظمت اور وسعت کی شیشہ گری ہے.....''

ابراہیم اشک کا یہ بیان اُن کی رباعیوں میں سو فی صد حقیقت نظر آتا ہے۔ مثال کے طور پر یہ چار رباعیات دیکھئے جن میں موضوعات کی رنگارنگی، مفہوم کی دلآویزی، فکر کی بلندی اور احساس کی گہرائی مکمل طور پر جلوہ گر ہے :

- چھیڑو نہ کبھی اور نہ ستاؤ اس کو ☆ بے وجہ ستا کر نہ رُلاؤ اس کو
  ہنستا ہے تو لگتا ہے فرشتے جیسا ☆ بچے سے ملو اور ہنساؤ اس کو
- اونچا ہے بہت عشق کا سب سے معیار ☆ لکھتا ہے یہی عشق نرالے شہکار
  جلوہ ہے اسی عشق کا دنیا بھر میں ☆ رکھتا ہے یہی عشق جہاں کو بیدار
- حیوان عداوت کے لئے جیتا ہے ☆ شیطان شرارت کے لئے جیتا ہے
  جینے کی ادا سب کی نرالی ہے مگر ☆ انسان محبت کے لئے جیتا ہے
- حق بات پہ لبیک کہا ہے ہم نے ☆ نغمہ تو محبت کا سنا ہے ہم نے
  پر گرد زمانے کی نہیں جمنے دی ☆ آئینۂ دل صاف رکھا ہے ہم نے

مندرجہ بالا رباعیات سے صاف ظاہر ہے کہ ابراہیم اشک بچوں سے محبت ہی نہیں کرتے بلکہ اس کی مسکراہٹ میں فرشتے کی صورت دیکھتے ہیں۔ عشق کا جلوہ وہ میر تقی میر کی طرح دنیا بھر میں دیکھتے ہیں اور دنیا

کی بیداری کا اسے ہی سبب مانتے ہیں۔ دنیا کے تمام شاہکار وہ عشق ہی کی دین سمجھتے ہیں۔ عشق کا معیار ان کی نظر میں کافی بلند و بالا ہے۔ وہ عظمتوں والا ہے۔ ان کی نظر میں حیوان عداوت کے لئے، شیطان شرارت کے لئے اور انسان محبت کے لئے جیتا ہے۔ وہ حق بات کے حامی ہیں اور گرد و غبار سے آلود اس جہاں میں انہوں نے اپنے آئینۂ دل کو صاف رکھا ہے۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہی شخص اچھا اور سچا شاعر بننے کا حق ادا کرتا ہے جس کا آئینۂ دل صاف ہوتا ہے۔ عشق اور محبت کے مضامین ابراہیم اشک کو شاعری میں بڑی وسعت اور عظمت کی شکل اختیار کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ یہ جذبہ ان کے یہاں عام شاعروں کے جیسا بالکل نہیں ہے۔ ان کے یہاں تو محبوب کی شوخی اور شرارت بھی، ہ لطف دیتی ہے جس میں روح کو گرمانے کے طلسمات چھپے ہوئے ہیں۔ چند رباعیات مثال کے طور پر پیشِ خدمت ہیں :

- ملتے ہی نظر جیسے قیامت گذری ☆ اک تیر کی مانند شرارت گذری
  اُس دل کا عجب حال ہوا ہے یارو ☆ جس دل کی رگِ جاں سے محبت گذری
- یہ موج یہ برکھا کی پھواریں توبہ ☆ یہ پھول یہ کلیاں یہ بہاریں توبہ
  یہ مست گھٹائیں یہ دھنک کے جلوے ☆ ہم کیوں نہ محبت سے پکاریں توبہ
- ہر شاخ لچکتی ہوئی دیکھی ہم نے ☆ ہر موج بہکتی ہوئی دیکھی ہم نے
  اس جانِ تمنا سے ملیں جب آنکھیں ☆ بجلی سی چمکتی ہوئی دیکھی ہم نے
- گالوں پہ کنول جیسے کھلا کر نکلے ☆ ہونٹوں پہ گلابوں کو سجا کر نکلے
  نکلے ہیں وہ دریا سے نہا کر جب بھی ☆ ہر موج میں طوفان اٹھا کر نکلے

محبت کے رُوپ اور اس میں ڈوبی ہوئی ابراہیم اشک کی یہ رُباعیاں فراق گورکھپوری کے مجموعۂ کلام ''روپ'' کی رُباعیات کی یاد تازہ کر دیتی ہیں۔ یہ رنگ و آہنگ رباعی کے کسی اور شاعر کے یہاں نہیں ملتا ہے۔ اگر ملتا بھی ہے تو بہت ہی کم کم ملتا ہے۔ اس کی ایک خاص وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ فراق گورکھپوری اور ابراہیم اشک دونوں ہی ہندی ادب اور شاعری سے بخوبی واقف ہی نہیں بلکہ اس پر گہری نظر رکھتے ہیں اور جب اس رنگ و آہنگ کو برتتے ہیں تو روپ رس کی گاگر چھلکتی ہی چلی جاتی ہے۔ ابراہیم اشک کی یہ رباعیات بھی ملاحظہ ہوں :

- یوں حُسن کا رنگین سماں طاری ہے ☆ صد رنگ گلِ ناز کی پھلواری ہے
  یہ سولہ برس اور یہ جوبن کا ابھار ☆ آکاش کو چھو لینے کی تیاری ہے
- دھرتی یہ قدم اور فلک کی ہے اُڑان ☆ کھلتے ہوئے جوبن کی نرالی ہے شان
  دیکھے ہیں بہت ہم نے بھی پربت لیکن ☆ اسے اشک نہیں دیکھی کہیں ایسی اٹھان

وہ صبح ہوئی بھور کا تارا ٹوٹا ☆ ہاتھوں سے مرے ماہ کا دامن چھوٹا
مرجھائی ہوئی سیج پہ ڈالی جو نظر ☆ انگ اس کا کھلا ایسا کہ بوٹا بوٹا

''شرنگار رس'' ہو یا مذہبی روایات، سماجی اقدار ہو یا سیاسی حالات، ابراہیم اشک نے اپنی رباعیات میں جس موضوع کو بھی چھوا ہے اپنے ندرتِ بیان سے فکر وخیال کے جہاں کو اس قدر آباد کر دیا ہے کہ ہر پھول کا رنگ اور خوشبو ایک دوسرے سے جُدا مگر لطف دینے والے ہیں۔ ان کی یہ رباعیات ملاحظہ کریں :

- مشکل ہے مشکل سے گذر جا پیارے ☆ ہر رنگ کی محفل سے گذر جا پیارے
  اک نام بس اللہ کا رکھ وردِ زباں ☆ اور کوچۂ قاتل سے گذر جا پیارے
- جس وقت بھی مشکل کی گھڑی ہوتی ہے ☆ جینے کو ہر اک سانس کڑی ہوتی ہے
  بس اُس کی عنایت کا بھروسہ کر لے ☆ اللہ کی امداد بڑی ہوتی ہے
- اوّل ہے وہی اور ہے آخر بھی وہی ☆ آنکھوں سے وہ اوجھل بھی ہے ظاہر بھی وہی
  دنیا کی ہر اک چیز ہے اس کے بس میں ☆ رزاق ہے، رحمٰن ہے، قادر بھی وہی
- دنیا کو طرحدار بنا دے یارب ☆ انسان کو خود دار بنا دے یارب
  بس ایک دعا مانگ رہا ہوں تجھ سے ☆ ہر دشت کو گلزار بنا دے یارب

ابراہیم اشک کے یہاں طرزِ ادا کی بیباکی اور بے ساختگی بھی ہے اور زبان و بیان کی روانی بھی، یہی وہ خوبیاں ہیں جنہوں نے ان کی رباعیات کو تصنع سے پاک رکھتے ہوئے انہیں فطری بنانے میں اہم رول ادا کیا ہے۔ وہ زندگی کے فلسفے اور مشاہدۂ فطرت سے مالا مال ہیں۔ اردو شاعری میں ان کی رباعیات کو اہم مقام حاصل ہے۔ اس صنفِ سخن سے انہوں نے ہمارے مذہبی کردار، سماجی اخلاق واقدار، انسانی جذبات، حق پرستی اور محبت کو بخوبی فروغ دیا ہے۔ یہ رباعیاں دل سے نکل کر دل کو چھو لینے کا طلسم اپنے اندر رکھتی ہیں جن کی مقبولیت وقت گذرنے کے ساتھ دنوں دن بڑھتی جائے گی۔ ابراہیم اشک بحیثیت رباعی گو اردو زبان وادب میں ہمیشہ یاد کئے جائیں گے۔ وہ یہ جانتے ہیں کہ شاعر کا فرض کیا ہے، اس کی عظمت کیا ہے۔ یہ شعور ہر شاعر میں نہیں ہوتا۔ اسی بات کا ثبوت پیش کرنے کے لئے آخر میں ابراہیم اشک کی یہ رباعی ملاحظہ ہو :

شاعر ہے تو معنی کا ہنر بھی رکھنا ☆ الفاظ میں کچھ لعل و گہر بھی رکھنا
اشعار میں جادو کا اثر ہے لازم ☆ ماحول پہ عالم کے نظر بھی رکھنا

28/12 کمادن نگر۔ جنتی۔ 600082

ابراہیم اشک : مجتہد و منفرد رُباعی گو

ابراہیم اشکؔ کا نام آفاقِ ادب میں خورشیدِ عالمتاب کی طرح درخشاں و تاباں ہے۔ عالمی سطح پر آپ کی شناخت قائم ہو چکی ہے۔ آپ نہ صرف شاعر ہیں بلکہ ایک محقق، نقاد اور افسانہ نگار بھی ہیں۔ موصوف کی غیر معمولی ذہانت و متانت شعور کی پختگی اور تخلیقی توانائی کی تجلیاں ان سے شعری اصناف میں اختراع کاری اور نو بہ نو تجربات کے فرائض بھی انجام دلواتی رہتی ہے۔ وہ غزل کے ظفریاب شاعر تو ہیں ہی ساتھ ہی انہوں نے غزل کے دامن کو مزید وسعت دینے کی غرض سے اس صنف میں نئے تجربے بھی کئے ہیں۔ طویل بحر میں غزلیہ تجربے کے علاوہ ایک ہی بحر میں قوافی بدل کر دس غزلیں کر دکھانے کا ان کا نیا تجربہ بھی کسی کرشمے سے کم نہیں ہے اور ان کی اس سعی جمیلہ پر انہیں داد و ستائش کا مستحق بھی قرار دیا گیا۔ وہ فلمی نغمہ نگار بھی ہیں، انہوں نے دوہا غزل اور دوہا گیت کو بھی فروغ دیا ہے۔ ابراہیم اشک نے شعری ادب کی معروف و مقبول صنفِ کہنہ رباعی میں نئے تجربے کر کے اپنی غیر معمولی تخلیقی حرارت و شدت اور فہم و فراست کا ثبوت پیش کیا ہے۔

رباعی جو بذاتِ خود ایک تلوار کی دھار پر چلنے جیسا ایک دقت طلب اور مشکل فن ہے۔ انیسا مشکل فن جسے تخلیق کرتے وقت بڑے بڑے استادانِ سخن کو پسینہ چھوٹ جاتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ رباعی گو شعرا کے نام انگلیوں پر گنے جا سکتے ہیں۔ اس کے باوجود بھی اس میں تجربہ پیش کرنا بڑے دل گردے کا کام ہے۔ قابلِ مبارکباد ہیں ابراہیم اشک کہ وہ نہ صرف رودکی کے چوبیس اوزان میں خوبصورت رباعیات تخلیق کرتے رہے ہیں بلکہ انہوں نے اپنے نت نئے تجربات سے رباعی کی حسن آرائی کے ساتھ ہی اس کی رعنائی و زیبائی اور شیفتگی و فریفتگی میں اضافہ کرنے کا کار احسن بھی انجام دیا ہے۔

رباعی کا وطنِ مالوف ایران ہے۔ جب یہ اپنی تمام تر جلوہ آرائیوں اور حشر سامانیوں کے ساتھ ہمارے یہاں آئی تو اسے ہاتھوں ہاتھ لیا گیا اور ہمارے شعراء آج بھی اس بت طناز کی مشاطہ گیری اور گیسو آرائی میں مصروفِ عمل ہیں۔ چہار مصرعی نظم رُباعی کو قطعے کی طرح کسی بھی بحر میں کہنے کی آزادی حاصل نہیں ہے۔ دوہے کی طرح اس کی اپنی بحر اور اوزان پہلے سے متعین ہیں۔ اس کے تیسرے مصرعے کو چھوڑ کر بقیہ تینوں مصرعوں میں ردیفین و قوافی کی پابندی لازمی ہے۔ ماہیے کی طرح رباعی کو مخصوص دُھن میں گایا جا سکتا ہے اور یہ ایک تارا اور سنطور جیسے سازوں سے ہم آہنگ ہو کر اور بھی کِھل اور چمک اٹھتی ہے۔ جن لوگوں نے مقررہ چوبیس اوزان کے علاوہ نئے نئے اوزان اختراع کرنے کے تجربات پیش کئے ہیں وہ اس لئے ناکام ہو گئے کہ ان اوزان کو

رباعی کا آہنگ بالکل بھی قبول نہیں کرتا۔ اور ایک تارا اور سنطور اس کو مسترد کر دیتے ہیں۔ رباعی میں تجربے کے نام پر راقم الحروف چونک پڑا۔ اس نے سمجھا ابراہیم اشک نے بھی کچھ ایسے ہی تجربے پیش کئے ہوں گے جن کی کامیابی کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ لیکن جب خاکسار نے ابراہیم اشک کی رباعی میں تجربوں کا سنجیدگی سے مطالعہ کیا تو اسے یہ دیکھ کر حیرتناک مسرت کا احساس ہوا کہ اشک نے تجربے کے نام پر رباعی کے متعینہ بحری نظام اور اس کے مقررہ اوزان کو چھیڑنے کی کوشش مطلق بھی نہیں کی ہے۔ اصلاً رباعی میں ان کا تجربہ یہ ہے کہ انہوں نے رباعی کے متعینہ و مقررہ اوزان اور ردیفین و قوافی کی شرط پر قائم رہتے ہوئے اس کی مزید آرائش اور اس کے سنگھار میں اضافہ کر کے اسے دو آتشہ بنانے کی سعی جمیلہ کی ہے۔

رباعی میں ایک چونکا دینے والا تجربہ تو ان کا یہ ہے کہ انہوں نے کچھ ایسی رباعیات پیش کرنے کا کارنامہ انجام دیا ہے جو اس سے پہلے کبھی دیکھنے میں نہیں آئیں۔ ان کی ان رباعیوں کی خاص بات یہ ہے کہ یہ جن الفاظ سے مرکب ہیں وہ سبھی الفاظ بے نقط ہیں۔ یعنی یہ نقطوں سے آزاد الفاظ ہیں۔ ایک تو رباعی کہنا ہی مشکل اس پر غیر منقوط الفاظ کی پابندی کے ساتھ رباعی تخلیق کرنا سنگ زاروں میں جوئے شیر لانے کے مترادف ہے۔ حیرت ہوتی ہے کہ اشک نے یہ جان لیوا کام بھی بڑے سلیقے اور خوش اسلوبی کے ساتھ انجام دے کر دکھایا ہے اور اس طرح دکھایا ہے کہ نہ تو ابہام کا شکار ہوئی ہیں اور نہ ہی ان کے کشف و کشش میں ہی کوئی فرق آیا ہے۔ ان بغیر نقطوں کی رباعیوں میں تازہ کاری اور نادرہ کاری کی وارفتگی و شیفتگی اپنی جگہ بدستور قائم ہے۔ تجربے کے نام پر ان کی ایسی چند رباعیاں یہاں پیش کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے :

- اللہ اگر ملکِ عدم والا ہے ☆ ہر اک کا سہارا ہے کرم والا ہے
  ہے عالمِ اسرار اسی کے دم سے ☆ مالک ہے ارم کا وہ حرم والا ہے
- ہاں علم و عمل کام ہمارا ٹھہرا ☆ دکھ درد کا حل کام ہمارا ٹھہرا
  احوال ہمارا ہے عالم عالم ☆ اس طور اٹل کام ہمارا ٹھہرا
- ہے گرد ہر اک راہ ہمارے دم سے ☆ ہے سرد ہر اک راہ ہمارے دم سے
  احساس کا عالم ہے جواہر اور ☆ ہے درد کی واہ واہ ہمارے دم سے
- کس طور صدا دل سے دی گئی اس کو ☆ ہر اور صدا دل سے دی گئی اس کو
  آمد کا ہے لہجہ کہ آئے گا وہ ☆ اک اور صدا دل سے دی گئی اس کو

مندرجہ بالا رباعیات جہاں اس حقیقت کا مظہر ہیں کہ اشک نے رباعی کے عروضی اور ہیئتی نظام کو چھونے کی کوشش نہیں کی ہے وہاں یہ بات بھی واضح طور پر نمایاں ہو جاتی ہے کہ انہوں نے ان رباعیوں میں

ایک بھی بانقطہ لفظ استعمال کئے بغیر اپنے مفہوم کو کامیابی کے ساتھ عیاں کر دیا ہے، بے نقط الفاظ کے آسرے ایسی معیاری اور بامعنی رباعیاں کہہ کر دکھانا صرف اشک ہی کا کام ہوسکتا ہے۔ یہ الفاظ بحر بندی کی محض لفظی ناپ تول نہیں ہیں ان کے ذریعے موصوف نے مفہوم کی ادائیگی میں فصاحت و بلاغت، شعریت و لطافت اور غنائیت و موسیقیت کو بھی ملحوظِ خاطر رکھا ہے اور اس طرح مشکل پسند اور اذیت طلب اشک نے اپنے ہی جیسے جفاکشوں اور اختراع کاروں کے سامنے اپنے تجربے سے ایک ایسی نئی جہت روشن کر دی ہے جس پر چل کر وہ بھی اپنی ہنرمندی کے کمال کا مظاہرہ بخوبی کر سکتے ہیں۔

علاوہ ازیں اشک نے رباعی میں کچھ دیگر نوعیت کے تجربے بھی کئے ہیں۔ ان تجربوں میں بھی قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ ان میں بھی موصوف نے رباعی کے عروضی نظام کو چھیڑے بغیر مقرر رباعی کے حصاروں، فصیلوں اور منبر و محراب و طاق کی مینا کاری میں انہیں جو خالی جگہیں نظر آئیں ان میں اپنی مینا کاری کا اضافہ کر کے رباعی کے حسنِ جہاں تاب میں مزید اضافہ کرنے کا قابلِ قدر کارنامہ انجام دیا ہے اور یہ ایک مستحسن و مبارک قدم ہے۔ اس سے قبل کہ اس موضوع کو زیر بحث لایا جائے، ان کی چند رباعیاں نقل کر دینے میں آسانی رہے گی۔ ملاحظہ ہو :

- سر درد محبت میں مزا دیتا ہے ☆ ہر درد محبت میں مزا دیتا ہے
  یہ درد بُری چیز ہے مانا ہم نے ☆ ہر درد محبت میں مزا دیتا ہے
- ہو جائے محبت تو دِوانہ کر دے ☆ کھو جائے محبت تو دِوانہ کر دے
  یا ہم سے گلے مل کے اکیلے میں کہیں ☆ سو جائے محبت تو دوانہ کر دے
- کب لوگ ملے دل کو لبھانے والے ☆ اب لوگ ملے دل کو لبھانے والے
  افسوس کہ ہم قدر نہیں کر پائے ☆ جب لوگ ملے دل کو لبھانے والے
- گھر چھوڑ کے فرزانے نکل جاتے ہیں ☆ در چھوڑ کے مستانے نکل جاتے ہیں
  دنیا کے لئے دار و رسن پر اپنے ☆ سر چھوڑ کے دیوانے نکل جاتے ہیں

ماہیے کی طرح رباعی بھی مخصوص دھن میں گائی جانے والی ایک غنائی اور خوش آہنگ صنف ہے جس کا حقیقی لطف خانقاہی محفلوں میں سطور اور ایک تارا پر گا کر لیا جاتا رہا ہے۔ رباعی کے قوافی نغمہ اور ردیفیں ساز کی جھنکار سے عبارت ہیں غرض کہ یہ شعریت و موسیقیت سے لبریز ایک باوقار غنائی صنف ہے جس میں تجربے کی بظاہر کوئی گنجائش نظر نہیں آتی لیکن یہ اشک کی دماغ سوزی، ژرف نگاہی اور تخلیقی محرک کا ہی کرشمہ ہے کہ انہوں نے تین تین مصرعوں میں جو ابتدائی لفظ سر، ہر، ہر اور کب، اب، جب استعمال ہوئے ہیں یہی قافیے ہیں۔ ان کے علاوہ مصرعوں کے بقیہ الفاظ ردیفیں ہیں۔ ان دونوں رباعیوں کی طویل ترین ردیفوں سے موسیقیت کی جو

ترنگیں پھوٹ پڑی ہیں اور رباعی میں جو غیر معمولی کشش و جاذبیت پیدا ہوئی ہے وہ اس تجربے کی مرہونِ منت ہے جو ان رباعیوں میں ابراہیم اشک نے کیا ہے۔

رباعی میں اشک کا ایک اور تجربہ ہے جس کی نوعیت یہ ہے کہ انہوں نے رباعی کے مصرعوں میں ردیف کے ساتھ ساتھ تین تین قافیے جوڑ کر رباعی کو نغمہ گل قند و شکر قند بنا دیا ہے اور اس کے تہرے قوافی بذاتِ خود ایک تارا اور سنطور بن کر راگ راگنیاں چھیڑتے اور کیف و سرور کے خزانے لُٹاتے نظر آرہے ہیں۔ خاکسار کے اس دعوے کی روشنی میں یہ بات آپ خود بھی ان کی مندرجہ ذیل رباعیوں میں محسوس کر سکتے ہیں :

- انکار ہے اقرار ہے تکرار ہے حسن ☆ سنگھار ہے گلزار ہے بلہار ہے حسن
  دلدار ہے فنکار ہے خوددار ہے عشق ☆ اس پار نہ اُس پار ہے منجدھار ہے حسن
- اے جانِ وفا، جانِ وفا جانِ وفا ☆ ہے خوب ادا، خوب ادا، خوب ادا
  بس یونہی سلامت تجھے اللہ رکھے ☆ ہے میری دعا میری دعا

مندرجہ بالا رباعیوں میں تہرے قافیوں کی تکرار سے گونجتی جھنکار ہی اشک کا ایک ترنم خیز اور نغمہ انگیز تجربہ ہے اور خوشگوار تجربہ ہے۔ جس کے لئے وہ لائقِ تحسین و آفرین ہیں۔

رباعی گو شعرا کے دو گروہ ہیں۔ ایک گروہ تو وہ ہے جو رباعی کو ایک ہی وزن میں تخلیق کرنا سعد و مسعود سمجھتا ہے اور یہ طبقہ بحر ''مفعول، مفاعیل مفاعیلاتن'' کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھتا ہے جب کہ دوسرا گروہ جو بڑا نہیں ہے رباعی کی اس مقررہ چوبیس اوزان میں تخلیق کرنا کارِ احسن سمجھتا ہے۔ ان لوگوں کا خیال ہے کہ استادانہ کمال چوبیس اوزان میں ہی دکھایا جا سکتا ہے۔ ابراہیم اشک کا تعلق بھی اسی نظریے والے گروہ سے ہے۔ ان کا خیال ہے کہ ایک ہی وزن میں رباعیاں تخلیق کرنے سے رباعیوں میں یکسانیت اور اکہرا پن پیدا ہو جاتا ہے۔ لہذا انہوں نے چوبیس اوزان میں رباعیات تخلیق کر کے اپنی مشاقانہ ہنرمندی اور استادانہ و فنکارانہ کمال کا شاندار مظاہرہ کیا ہے۔ ان کی ان رباعیوں کے مضامین بھی عالمانہ، حکیمانہ، مخلصانہ، مدبرانہ، عاشقانہ ہی ان کی رباعیوں میں جلال و جمال کے رنگ بھی آپس میں متصادم اور مدغم نظر آتے ہیں۔ اس سے قبل کے مضمون کا اختتام ہو ان کی ایک رباعی جو مختلف اوزان کی بنیاد پر تعمیر ہوئی ہے ملاحظہ کر لیں :

بھرپور ترا بدن کھلا پھول گلاب ☆ جلووں کا ہے چمن ترا خوب شباب
مدہوش کرے چلن ترا بصد نیاز ☆ لگتی ہے جان من تری سورت خواب

ابراہیم اشک کی رباعیوں میں یہ مسعود و احسن تجربات قابلِ تقلید ہیں۔ امید کی جاتی ہے کہ یہ کاوش ثمریات ہوگی۔

تعلیم منزل، میرس روڈ، علی گڑھ - 202002

ابراہیم اشک کی چھ رباعیات اور چوبیس اوزان

اردو کی اصناف سخن میں رباعی بھی اہمیت کی حامل ہے۔ رباعی عربی صنف سخن ہے لیکن اردو میں بھی اسے بہت ترقی ملی۔ قدیم شعراء نے اس صنف پر طبع آزمائی زیادہ کی جبکہ جدید شعراء نے اسکی طرف کم توجہ کی۔ وہ تو غنیمت ہے کہ اردو کو ابراہیم اشک جیسا شاعر ملا جس نے اس نیم جاں صنف سخن میں ایک نئی روح پھونک دی۔

جہان ادب میں ایسے معدودے چند لوگ ہیں جنہوں نے خود کو خدمت زبان وادب کے لئے وقف کر دیا ہے۔ ایسے ہی لوگوں میں ایک معتبر نام ابراہیم اشک کا ہے۔ ابراہیم اشک ایک کثیر الجہات اور صد پہلوی فن کار ہیں۔ وہ بیک وقت شاعر، مضمون نگار، افسانہ نگار اور نقاد بھی ہیں۔ شاعری میں انہوں نے ہر صنف کو چکھا ہے لیکن کسی بھی صنف سخن کو مذاق نہیں بنایا۔ انہوں نے غزلیں شاندار کہی ہے، مرثیہ نگاری میں فن کا جوہر دکھایا ہے، افسانوں کو نئی وسعت دی ہے، تنقید کو نئی دشا دی ہے اور رباعی نگاری میں تو ایسے ایسے تجربات کئے ہیں کہ انہیں تجرباتی شاعر کہنا غلط نہ ہوگا۔ رباعی کے فن کو انہوں نے کئی ذاتی تجربوں سے گزارا ہے۔

عام طور سے ایسا شاعر جسے چاروں طرف سے شہرت کی بہاریں نصیب ہوں وہ اپنا سر ساتویں آسمان پر رکھتا ہے لیکن جب میری ملاقات ابراہیم اشک سے ہوئی تو مجھے اپنا نقطہ نظر بدلنا پڑا۔ کیوں کہ وہ بڑے خلیق و مخلص ثابت ہوئے۔ گھنٹوں گفتگو کے بعد بھی وہ مجھ سے بیزار نہیں ہوئے اور یہ محسوس ہونے نہیں دیا کہ وہ بہت بڑے شاعر اور گیت کار ہیں۔

ابراہیم اشک کا آبائی وطن اٹین ہے۔ اٹین کا یہ چراغ جب وقت کی پکار پر ممبئی میں روشن ہوا تو اس نے اس قدر روشنی بکھیری کہ اس کے سامنے ستاروں کی چمک مدھم پڑ گئی۔ طوفانوں کے درمیاں رہ کر بھی یہ چراغ اپنے فرض ضوفشانی سے کنارہ کش نہیں ہوا۔ یہ چراغ آج بھی اندھیری میں جل رہا ہے اور علم وفن اور فکر و آگہی کے اجالے لٹا رہا ہے۔

ابراہیم اشک شاعری میں نت نئے تجربات کرنے کے قائل ہیں، عروض میں نئی بحریں ایجاد کرتے ہیں، غزل طویل بحروں پر کہتے ہیں، غیر منقوط کہتے ہیں، غیر منقوط رباعیات لکھتے ہیں، قافیہ بندی کی نئی روش شروع کرتے ہیں اور اسی طرح چھ رباعیوں میں رباعی کے چوبیس اوزان پر مشتمل چوبیس مصارع تحریر کر

ڈالتے ہیں۔

ابراہیم اشک نے رباعی کو کئی تجربات سے گزارا ہے۔ فی الحال ان کی ان چھ رباعیات کا عروضی جائزہ لینا چاہتا ہوں جن میں انہوں نے رباعی کے کل چوبیس اوزان برتے ہیں۔ ان سے پہلے شمس الدین فقیر نے حدائق البلاغت میں اپنی چھ رباعیاں تحریر کی ہیں جن کے کل چوبیس مصارع میں رباعی کے چوبیس اوزان سمو دیئے ہیں لیکن یہ رباعیات فارسی میں ہیں۔ ابراہیم اشک نے بھی شمس الدین فقیر کی پیروی کر کے شاعری کی دنیا میں اپنا نام ایک ماہر رباعی نگار کی حیثیت سے درج کرالیا ہے۔

آیئے اب ذرا رباعی کی عروضی ہیئت پر بھی ایک نظر ڈالی جائے۔ رباعی کے دو بنیادی اوزان یہ ہیں :

۱۔ مفعول مفاعیل مفاعیل فعل

۲۔ مفعول مفاعلن مفاعیل فعل

یہ دونوں اوزان بحر ہزج (مفاعیلن) سے مشتق ہیں۔ اس پر زحافات کے عمل سے دوسرے تمام ارکان حاصل ہوتے ہیں۔ متذکرہ دونوں اوزان پر تسکین اوسط کے اصول کے نفاذ سے دس دیگر اوزان حاصل ہوتے ہیں۔ تسکین اوسط کا مطلب ہے تین متوالی حرکات کی درمیانی حرکت کو سکون میں بدل دینا۔ اس طرح بنیادی اور اخذ کردہ اوزان مل کر بارہ اوزان ہوئے۔ رباعی کے ان بارہ اوزان کے آخری رکن پر تسبیغ یا قصر کے عمل سے مزید بارہ اوزان حاصل ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا رباعی کے مجموعی اوزان چوبیس ہوئے۔ رباعی کے بارہ اصل اوزان مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔	مفعول	مفاعیل	مفاعیل	فعل
	اخرب	مکفوف	مکفوف	مجبوب
۲۔	مفعولن	مفعول	مفاعیل	فعل
	اخرم	اخرب	مکفوف	مجبوب
۳۔	مفعولن	مفعول	مفاعیلن	فع
	اخرم	اخرب	سالم	ابتر
۴۔	مفعولن	مفعولن	مفعول	فعل
	اخرم	اخرم	اخرب	مجبوب
۵۔	مفعولن	مفعولن	مفعولن	فع
	اخرم	اخرم	اخرم	ابتر

استعمال پر بہت مضبوط ہے۔ اِنھیں لفظوں کو برتنے کا سلیقہ آتا ہے، اسی لئے ان کی رباعیات میں اثر آفرینی، چاشنی، سلاست اور روانی کی کارفرمائی نظر آتی ہے۔ بطور ثبوت یہ رباعی نذرِ قارئین ہے :

- آواز کا نقارہ بجاتے رہنا☆ نغمات محبت کے سناتے رہنا
  مل جائیں اگر پیار نبھانے والے☆ بزم دلِ پر درد سجاتے رہنا

ہر بالغ نظر اس بات پر متفق ہے کہ خدا نے اپنے کچھ خاص بندوں کو ہی وہ شعور عطا فرمایا ہے، جو شاعری، موسیقی یا دیگر فنونِ لطیفہ سے لطف اندوز ہو سکتے ہیں، انہیں کے پاس خدا کا دیا ہوا وہ دل و دماغ ہے جو اچھی شاعری اور موسیقی سے وجد کی کیفیت میں آجاتا ہے اور شاید یہی کیفیت بندے کو خدا کے قریب کھینچ لاتی ہے۔ سب جانتے ہیں کہ دلِ پرسوز اور دلِ دردمند رکھنے والے صوفیائے کرام نے شاعری اور موسیقی کے ذریعہ ہی ہندوستانیوں کا دل جیتا اور انھیں اپنے حلقۂ ادارت میں لے آئے اور پیغام حق ان تک پہونچایا۔ یہی وجہ ہے کہ اصفیاء کرام نے سماع کو جائز قرار دے رکھا ہے۔ ابراہیم اشک بھی وہ نازک اور دردمند دل رکھتے ہیں جو اچھی شاعری اور اچھی موسیقی سے بے خود ہو جاتا ہے اور وہ خود کو خدا سے نزدیک محسوس کرنے لگتے ہیں۔

- سنگیت کا جادو بھی عجب ہوتا ہے☆ ہر سر میں کوئی جشنِ طرب ہوتا ہے
  دل چھوتی ہے آواز کسی کی جب بھی☆ لگتا ہے بہت پاس میں رب ہوتا ہے

یہاں راقم اختصار سے کام لیتے ہوئے اشک کی چند اور رباعیات پیش کر کے قارئین ادب پر چھوڑتا ہے کہ شاعر رباعی کے دامن میں سحر لانے میں کہاں تک کامیاب ہوا ہے :

- سامان تباہی کا لئے بیٹھے ہیں ☆ سب جنگ کا اعلان کئے بیٹھے ہیں
  ایٹم بموں کی ہوڑ لگی ہے ایسی ☆ سر موت کے جبڑے میں دئے بیٹھے ہیں
- انجان ہی رہتے تو بہت اچھا تھا☆ بے دھیان ہی رہتے تو بہت اچھا تھا
  دوڑایا بہت علم و ہنر نے ہم کو ☆ نادان ہی رہتے تو بہت اچھا تھا

آخر میں مجھے یہ کہنے میں کوئی ہچک نہیں ہے کہ اس وقت ان شاعروں میں جو فلم انڈسٹری سے وابستہ ہیں، ابراہیم اشک ہی ایسے شاعر ہیں جن کی ادبی سرگرمیاں ہمہ جہت ہیں اور وہ بہت تیزی سے ادبی مراحل طے کر رہے ہیں۔ ان کی مقبولیت کی خوشبو صرف اردو ادب تک ہی محدود نہیں ہے بلکہ وہ ہندی ادب کو بھی اپنی نثری اور شعری تخلیقات سے مالا مال کر رہے ہیں۔ موجودہ دور میں جو شعراء صنف رباعی کی آبیاری میں مصروف ہیں ان کی فہرست میں بھی جناب ابراہیم اشک کا نام بہت اہم اور نمایاں حیثیت کا حامل ہے۔

فلیٹ ۴۰۲، سنگیتا اپارٹمنٹ، سول لائنز، کانپور۔ ۲۰۸۰۰۱ (یو۔پی۔)

۶۔	مفعول	مفاعیلن	مفعول	فعل
	اخرب	سالم	اخرب	مجبوب
۷۔	مفعول	مفاعیل	مفاعیلن	فع
	اخرب	مکفوف	سالم	ابتر
۸۔	مفعول	مفاعیلن	مفعولن	فع
	اخرب	مکفوف	اخرم	ابتر
۹۔	مفعول	مفاعلن	مفاعیل	فعل
	اخرب	مقبوض	مکفوف	مجبوب
۱۰۔	مفعولن	فاعلن	مفاعیل	فعل
	اخرم	اشتر	مکفوف	مجبوب
۱۱۔	مفعولن	فاعلن	مفاعیلن	فع
	اخرم	اشتر	سالم	ابتر
۱۲۔	مفعول	مفاعلن	مفعولن	فع
	اخرب	مقبوض	اخرم	ابتر

ان حاصل شدہ بارہ اوزان کے ہر وزن کا آخری رکن فع (ابتر) یا فعل (مجبوب) ہے۔ ان ارکان پر قصر یا تسبیغ کا عمل کیا جائے تو فع (ابتر) فاع (مقصور) میں اور فعل (مجبوب) فعول (مقصور) میں بدل جائے گا اور اس عمل کے اطلاق سے رباعی کے بارہ دیگر اوزان حاصل ہو جائیں گے اور رباعی کے اوزان کی تعداد چوبیس ہو جائے گی۔ میں نے قاری کی سہولت کے لئے پہلے کے بارہ وزن کو اصل وزن اور قصر والے وزن کو مقصور وزن کا نام دیا ہے۔ بارہ مقصور اوزان مندرجہ ذیل ہیں :

۱۔	مفعول	مفاعیل	مفاعیل	فعول
۲۔	مفعولن	مفعول	مفاعیل	فعول
۳۔	مفعولن	مفعول	مفاعیلن	فاع
۴۔	مفعولن	مفعولن	مفعول	فعول
۵۔	مفعولن	مفعولن	مفعولن	فاع
۶۔	مفعول	مفاعیلن	مفعول	فعول

۷۔	مفعول	مفاعیل	مفاعیلن	فاع
۸۔	مفعول	مفاعیلن	مفعولن	فاع
۹۔	مفعول	مفاعلن	مفاعیل	فعول
۱۰۔	مفعولن	فاعلن	مفاعیل	فعول
۱۱۔	مفعولن	فاعلن	مفاعیلن	فاع
۱۲۔	مفعول	مفاعلن	مفاعیلن	فاع

آیئے اب ذرا ابراہیم اشک کی رباعیات کا عروضی تجزیہ کیا جائے۔ ان کی پہلی رباعی اور اس کے مصرعوں کے اوزان ذیل میں درج ہیں :

افسوس	وفادار	نہیں یار	ملا
مفعول	مفاعیل	مفاعیل	فعل
ہر بار	کہاں اے دل	دل دار	ملا
مفعول	مفاعیلن	مفعول	فعل
اب جا کر	محسوس	ہوا ہے یہ	ہمیں
مفعولن	مفعول	مفاعیل	فعل
دل دے کر	دل لے کر	آزار	ملا
مفعولن	مفعولن	مفعول	فعل

اس رباعی میں چاروں مصارع اصل اوزان پر مشتمل ہیں۔ ہر لفظ اپنے رکن کے چوکھٹے میں پوری طرح فٹ ہے۔ کوئی بھی حرف ساقط الوزن نہیں ہے۔ لفظ 'یہ' مفرد کی طرح استعمال ہوا ہے جو بالکل جائز ہے۔ لہٰذا رباعی میں موسیقیت اور روانی ہے۔ اس رباعی میں صرف لفظوں کی بازی گری نہیں بلکہ چار مصرعوں کے اجماع سے معنویت کی ایک فضا قائم کی گئی ہے جس میں ایک شکستہ دل کی آواز بھی ہے۔ دوسری رباعی پر نگاہ ڈالی جائے :

ہر بار	ترے گیت	سنائے یہ	دیار
مفعول	مفاعیل	مفاعیل	فعول
ہر موج	تری لے کر	رولے ہے	شرار
مفعول	مفاعیلن	مفعول	فعول

تیری ہی	پر جوش	ادا پر ہے	نثار
مفعولن	مفعول	مفاعیل	فعول
من بھاون	بنجارن	مدہوش	بہار
مفعولن	مفعولن	مفعول	فعول

یہ رباعی مقصور وزن پر ہے۔ اس میں ہر لفظ بحر کے رکن پر متوازن ہے۔ صرف دوسرے اور تیسرے مصرعوں میں لفظ 'ہے' کی 'ی' ساقط الوزن ہے۔ لیکن یہ ذوق سلیم پر گراں نہیں گزرتا ہے۔ اس رباعی میں بصری، سمعی اور لمسی پیکروں کا دلکش امتزاج بھی ہے۔ اس سے رباعی کا معیار اور بھی بلند ہو گیا ہے۔ اس میں قنوطیت کا پہلو بھی نہیں ہے اور انسان کے برق آمیز جذبے کی عکاسی بھی ہے۔ تیسری رباعی کا جائزہ لیا جائے:

کردار	بنا کون	ہوا ہے بر	تر
مفعول	مفاعیل	مفاعیلن	فع
معیار	بنا جوہر	کس کے بل	پر
مفعول	مفاعیلن	مفعولن	فع
رکھ جو بھی	انداز	نرالا	لیکن
مفعولن	مفعول	مفاعیلن	فع
دل روشن	دل روشن	دل روشن	کر
مفعولن	مفعولن	مفعولن	فع

اس رباعی کی بندشِ لفظیات بہت مضبوط ہے۔ رکن کے وزن اور لفظوں کے وزن میں ذرّہ برابر بھی فرق نہیں ہے۔ یہ ابراہیم اشک کا کمالِ فن ہے کہ انہوں نے کسی بھی لفظ کو مجروح ہونے نہیں دیا ہے۔ یہاں ابراہیم اشک کا انداز ذرا ناصحانہ ہے۔ چوتھی رباعی پیش خدمت ہے :

مل جائے	ترا ساتھ	مزہ ہے بھر	پور
مفعول	مفاعیل	مفاعیلن	فاع
نزدیک	ترے یہ دل	رہتا	مسرور
مفعول	مفاعیلن	مفعولن	فاع
مستی میں	سرشار	ہوا لے کر	آئے
مفعولن	مفعول	مفاعیلن	فاع

ہر منظر	ہر منظر	ہر منظر	چور
مفعولن	مفعولن	مفعولن	فاع

اس رباعی میں مقصور اوزان استعمال ہوئے ہیں۔ کوئی لفظ بار سماعت نہیں ہے۔ کہیں حروف کا سقوط بھی نہیں ہے۔ معنوی اعتبار سے یہ رباعی رومانی خیال سے مملو ہے۔ شعری پیکروں نے رباعی کو ارفع و اعلیٰ بنا دیا ہے۔ پانچویں رباعی حاضر خدمت ہے :

انسان	ترے تئیں	صفائی نہ	رہی
مفعول	مفاعلن	مفاعیل	فعل
دل سے تیرے	کوئی	برائی نہ	گئی
مفولن	فاعلن	مفاعیل	فعل
مغرور	تری سمجھ	کہاں ہے اب	یہ
مفعول	مفاعلن	مفاعیلن	فع
سمجھا ہے	ناسمجھ	خدائی	اپنی
مفعولن	فاعلن	مفاعیلن	فع

یہ رباعی اپنے اصل وزن پر ہے۔ اس میں تمام الفاظ اپنے ارکان کے ہم پلہ ہیں۔ لفظ 'نہ' مفرد وزن پر باندھا گیا ہے جو بالکل درست ہے۔ اسے مرکب وزن یعنی 'فع' پر باندھنا غیر فصیح ہے۔ معنوی اعتبار سے اس رباعی میں ابراہیم اشک نے آدمی کی بے چہرگی اور دل کی آلودگی کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اب ذرا ابراہیم اشک کی چھٹی رباعی کا عروضی تجزیہ کیا جائے :

بھرپور	ترا بدن	کھلا پھول	گلاب
مفعول	مفاعلن	مفاعیل	فعول
جلووں کا	ہے چمن	ترا خوب	شباب
مفعولن	فاعلن	مفاعیل	فعول
مدہوش	کرے چلن	ترا با صد	ناز
مفعول	مفاعلن	مفاعیلن	فاع
لگتی ہے	جانِ من	تری صورت	خواب
مفعولن	فاعلن	مفاعیلن	فاع

یہ رباعی مقصود وزن پر ہے اس میں بھی ابراہیم اشک نے لفظوں کو چابک دستی سے برتا ہے۔ کہیں بھی کوئی حرف سقوط کا شکار نہیں ہے۔ اس میں انہوں نے اپنے محبوب کے حسن کی تصویر کشی کی ہے۔ اس کے بدن کو گلاب سے، شباب کو جلووں کا چمن، اور صورت کو 'خواب' سے تشبیہ دی ہے۔ اس کے علاوہ لمسی، بصری اور حرکی پیکروں کے اجماع نے رباعی کے جمالیاتی حسن میں گراں قدر اضافہ کر دیا ہے۔

ابراہیم اشک نے اپنی ان چھ رباعیات میں رباعی کے چوبیس اوزان استعمال کر کے یہ ثابت کر دیا کہ وہ ایک ماہر رباعی نگار ہیں۔

ایک اچھے رباعی نگار کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ چار مصارع میں ایک مکمل بات کہہ ڈالے اور ان مصارع کے باہمی تسلسل کا خاص خیال رکھے۔ اس کے علاوہ حروف کے سقوط سے پرہیز کرے۔ یہاں تک کہ حروف علت اور ہندی الفاظ کے حروف کو بھی ساقط الوزن نہ ہونے دے۔ کیوں کہ ایسا ہونے سے یہ عقدہ کھل جاتا ہے کہ رباعی نگار کی گرفت اس صنف سخن پر کمزور ہے۔ مزید برآں حروف کے سقوط کے سبب رباعی کے اوزان کے تعین میں دشواری ہوتی ہے لیکن مجھے یہ کہتے ہوئے خوشی محسوس ہوتی ہے کہ ابراہیم اشک نے ایک منجھے ہوئے رباعی گو کی طرح تمام الفاظ کو ان کے وزن سے قطع ہونے نہیں دیا ہے۔ لفظوں کی صحت بگڑنے نہیں دی ہے اور معائب سخن سے بچنے کی حتہ المقدور کوشش کی ہے۔ جہاں انہوں نے عروضی پہلو کو ٹھیس نہیں پہنچائی وہیں انہوں نے رباعی کی معنوی وسعت سے سمجھوتہ نہیں کیا ہے۔ زبان اتنی سلیس ہے کہ کہیں بھی ترسیل وابلاغ کا مسئلہ پیدا نہیں ہوتا ہے۔ ہر رباعی میں اک نئی سوچ، ایک نیا نقطۂ نظر اور ایک جدید انداز بیاں ہے۔ ان رباعیات میں انسانی جذبات کا تموج، زندگی کے صد رنگ پہلو اور معاشرے کی پر تعفن فضاء بھی ہے۔ لہذا میں یہ یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ ان کی یہ چھ رباعیات جو چوبیس اوزان پر مشتمل ہیں، ادب عالیہ میں شہکار کی حیثیت رکھیں گی اور ابراہیم اشک ایک ماہر رباعی نگار تسلیم کئے جائیں گے۔

کلٹی، مغربی بنگال

☆☆☆☆☆

☆☆☆

ڈاکٹر افضال عاقل

ابراہیم اشک : اور رباعی کا فن

رباعی کا فن کوزے میں سمندر کو سمونے کا فن ہے جس میں وسیع و عمیق خیال اپنی تمام تر رعنائیوں اور فلسفیانہ پہلوؤں کے ساتھ سانس لیتا ہے۔ جس میں مخصوص بحر کے چار مصرعوں میں شاعر اپنے خیال کا اظہار کرتا ہے۔ رباعی کے پہلے دو مصرعوں میں موضوع کی شرح و بسط ہوتی ہے۔ تیسرے مصرعے میں وضاحت اور چوتھے مصرعے میں حاصلِ کلام ہوتا ہے یعنی چار مصرعوں میں تشریح و توضیح اور کلائمکس کو سمو دیا جاتا ہے۔ یہ ایک مشکل ترین صنف سخن ہے اور اس کے اعلیٰ وارفع ہونے کا انحصار اس کی تخلیقیت پر ہے۔ یعنی اس کے کہنے کا انداز و اسلوب اور طرز و ادا جس قدر انوکھا اور نادر ہوگا رباعی اتنی ہی پُر کیف اور دلآویز آہنگ سے پُر ہوگی۔

رباعی جس کا رواج عربی میں قدیم زمانہ سے رہا ہے اور جس کی بلاغت و جامعیت قدماء کی دین ہے۔ یہ فن اردو میں دیگر اصناف سخن کی طرح فارسی سے مستعار ہے۔ فارسی میں صدیوں سے اس صنف نے فکری و فنی سطح پر نمایاں ترقی کی اور فارسی ادب کو عمر خیام جیسا ممتاز رباعی گو دی۔ رباعی اردو کی بھی مشہور صنف سخن رہی ہے لیکن مقام حیرت ہے کہ اصناف سخن میں اسے قصیدہ، مثنوی اور خصوصی طور پر غزل جیسی مقبولیت حاصل نہیں ہوئی۔ عہد حاضر میں رباعیات کہی جا رہی ہیں۔ اساتذہ کے ساتھ نئے شعراء بھی طبع آزمائی کر رہے ہیں۔ عصر حاضر میں قدیم شعراء کی تقلید ہی سہی نو شعراء سلیقے سے رباعی کہہ رہے ہیں۔

اگرچہ بعض حضرات عروضی بحثوں میں الجھا کر صنف رباعی سے ان کی توجہ ہٹانے کی کوشش بھی کی، لیکن نئے شعراء بغیر کسی تامل کے رباعی کہتے رہے۔ ان کی رباعیوں میں زندگی میں پیش آنے والے مسائل اور مصائب کے ساتھ اخلاقی، مذہبی، جمالیاتی اور فلسفیانہ مضامین اور حیرت انگیز افکار کی تفصیل ملتی ہے۔ ہاں عرض کرتا چلوں کہ نئے شعراء کی ایک ایسی بھی جماعت ہے جو محض انتخاب میں شامل ہونے کے لئے ہر صنف سخن پر ناکام طبع آزمائی کرتی رہی ہے حتیٰ کہ رباعی بھی کہی ہے جن کی وجہ سے ان کی رباعیاں غیر مربوط، شعریت اور تخلیقیت سے بعید نظر آتی ہیں۔

اس فن کے ارتقاء میں قلی قطب شاہ، وجہی، غواصی اور نصرتی کی خدمات کو فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ درد نے اس صنف کو عارفانہ اور متصوفانہ مزاج عطا کیا، سودا نے عشقیہ رباعیاں کہیں، میر نے رباعی کو بھی منزل کی نشتریت اور سوز و گداز سے مالا مال کیا۔ نظیر اور انشاء نے رباعی میں جدت پیدا کی۔ غالب، ذوق اور مومن نے اسے نئے رنگ و آہنگ سے آشنا کیا۔ انیس کی رباعیوں میں اخلاقی اور مذہبی روش پائی جاتی ہے۔ ان کے

شاگرد رشید پیارے صاحب رشید کی رباعیوں میں دنیا کی بے ثباتی کا ذکر ملتا ہے۔ امجد حیدر آبادی اور رواں اپنی رباعیات ہی کی وجہ سے پہچانے جاتے ہیں۔ ان دونوں شعراء نے اپنی اپنی رباعیوں میں اخلاقی اور فلسفیانہ خیال پیش کئے ہیں۔ البتہ جوشؔ نے مروجہ موضوعات سے ہٹ کر اپنی رباعیوں میں زندگی کے اسرار و رموز پر بھرپور روشنی ڈالی ہے۔ فراقؔ نے رباعی کو جمالیات کا مرقع بنادیا۔ اکبر نے ظرافت اور حالی نے ناصحانہ انداز دیا۔ چکبست اور اقبالؔ نے نئی آب و تاب سے قریب کیا، میر حسن نے رنگ بھرا۔ جاں نثار اختر، فانی، یگانہ، شاد عظیم آبادی، جمیل مظہری، پرویز شاہدی، عطا کاکوی نے بطور خاص رباعیاں لکھیں اور اسے نئی راہوں سے روشناس کرایا۔ ابتدائی دور کی چند رباعیات ملاحظہ کیجئے :

تج حسن سے تازہ ہے سدا حسن و جمال ☆ تج یاد کی مستی رہے عشق کو حال
تو ایک ہے تج سا نہیں دوجا کوئی ☆ کیوں پاوے جگت صفحے میں کوئی ترا مثال
(محمد قلی قطب شاہ)

یہ ہستی موہوم دے مج کو سراب ☆ پانی کے اپر نقش ہے یہ مثل حباب
ایسے کہ اپر دل کوں نہ کر ہرگز بند ☆ آپس کوں نہ کر خراب آئے خانہ خراب
(ولی دکنی)

مستی نہ کر میرا گر ہے ادراک ☆ دامان بلند ابر عظ رکھ تو پاک
ہے عاریتی جلسۂ ہستی تیرا ☆ ہشیار! کہ اس پر نہ پڑے گرد و خاک
(میر تقی میرؔ)

ہم نے بھی کبھی جام و سبو دیکھا تھا ☆ جو کچھ کہ نہیں ہے روبرو دیکھا تھا
ان باتوں کو اب غور کرے جوابے درد ☆ کچھ خواب سا تھا وہ کہ کبھو دیکھا تھا
(دردؔ)

کیا فائدہ فکرِ بیش و کم سے ہوگا ☆ ہم کیا ہیں جو کوئی کام ہم سے ہوگا
جو کچھ کہ ہوا کرم سے تیرے ☆ جو کچھ ہوگا تیرے کرم سے ہوگا
(ذوقؔ)

دُکھ جی کے پسند ہو گیا ہے غالبؔ ☆ دل رُک رُک کر بند ہو گیا ہے غالبؔ
واللہ کہ شب کو نیند آتی ہی نہیں ☆ سونا سو گند ہو گیا ہے غالبؔ
(غالبؔ)

ترے سینے میں دم ہے دل نہیں ہے ☆ ترا دم گرمیٔ محفل نہیں ہے

گذر جا عقل سے آگے کہ یہ نور ☆ چراغِ راہ ہے، منزل نہیں ہے
(اقبال)

بُو گل کے لئے، گل ہے شبنم کے لئے ☆ اک ربط ہے انتظام عالم کے لئے
لیکن ہے مرا شباب ماتم کے لئے ☆ غم میرے لئے ہے اور میں غم کے لئے
(چکبست)

ہندو نے صنم میں جلوہ پایا تیرا ☆ آتش پہ مغاں نے راگ گایا تیرا
دہری نے کیا دہر سے تعبیر تجھے ☆ انکار کسی سے بن نہ آیا تیرا
(حالی)

خود عقل کی آنکھ جس سے بھر آتی ہے ☆ رنگت رخِ دہر کی نکھر آتی ہے
وجدان کی روشنی ہو یا صبح بہار ☆ دنیا کتنی حسین نظر آتی ہے
(فراق گورکھپوری)

حاصل کتنا کمال انساں نے کیا ☆ افلاک کو پائمال انساں نے کیا
یہ عقل مگر ابھی نہیں آئی کہ کیوں ☆ انساں کو تباہ حال انساں نے کیا
(تلوک چند محروم)

تنہا ہے چراغ دور پرانے ہیں ☆ اپنے جو تھے کل وہ بے گانے ہیں
نیرنگی دنیا کا نہ پوچھو احوال ☆ قصے ہیں کہانیاں ہیں افسانے ہیں
(نظیر)

سودا پئے دنیا کو بہ ہر سو کب تک ☆ آوارہ ازیں کوچہ بآں کو کب تک
حاصل یہی اس سے نہ کہ دنیا ہووے ☆ بالفرض ہوا یہ بھی تو پھر تو کب تک
(سودا)

ہر آن میں آپ کو دکھا جاتے تھے ☆ مشتاق کو تسکین دلا جاتے تھے
کیوں دیر لگی ہے کس نے روکا تم کو ☆ اب تک تو کئی بار تم آجاتے تھے
(میر حسن)

رباعی کی اپنی روش، اپنے رویّے ہوتے ہیں اور یہ صنف بحروں سے واقفیت اور محنت کی متقاضی ہے۔ رباعی کے مروجہ چوبیس اوزان ہیں اور ان اوزان اور زبان و بیان پر قدرت اور عروض کے ماہر ہی رباعی پر طبع آزمائی کرنے میں سالم اترتے ہیں۔ مندرجہ ذیل شعراء کرام کی رباعیات عمدہ مضامین اور بلند خیالات

سے مملو ہیں۔ غزلوں کی طرح ان کی رباعیات بھی عارفانہ و عاشقانہ جذبات، اچھوتے انداز بیان اور مخصوص خیال کی ترجمانی کرتی ہیں۔

شمس الرحمٰن فاروقی، نادم بلخی، وحشت کلکتوی، جگن ناتھ آزاد، پرویز شاہدی، فضا ابن فیضی، ڈاکٹر مظفر حنفی، علقمہ شبلی، ناوک حمزہ پوری، شارق جمال، اقبال کرشن، اعزاز افضل، قیصر شمیم، ساگر چاپدانوی، ڈاکٹر شبیر ابروی، عادل اسیر دہلوی، حکیم منظور، نور پیکر، حلیم صابر، رونق نعیم، عبدالاحد ساز، ف س اعجاز، محبوب راہی، نئے لکھنے والوں میں..... فیروز اختر، معصوم شرقی، شمیم انجم وارثی، نسیم عزیزی، فراغ روہوی، عاصم شہنواز شبلی۔ محسن باعشن حسرت، مشتاق انجم، مشتاق دربھنگوی، شمس افتخاری، شاہد فروغی، نسیم فائق، نوشاد مومن، ہمدم نعمانی اور افضال عاقل شامل ہیں۔ ان کی رباعیاں منفرد رنگ و آہنگ اور وسیع تناظر کے غماز ہیں۔

بہر کیف یہاں رباعی کی تکنیک، اصول اور روایات سے گفتگو کرنا میرا مقصد نہیں ہے۔ میں ابراہیم اشک کی رباعی سے متعلق کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔ ابراہیم اشک ایک منفرد لہجے کے شاعر ہیں۔ رباعیات اشک شاعر کے اچھوتے خیال کی مثال ہیں۔ ان کی رباعیوں میں موضوعات کا تنوع اور فکر کی آنچ تیز ہے۔ انہوں نے رباعیوں میں زندگی کی صداقت اور حصار زدہ سختیوں اور تقاضوں کو چھان پھٹک کر محاسبہ کرنے کی حتی المقدور کوشش کی ہے۔ انہوں نے اپنی رباعیوں کے وسیلے سے حیات و کائنات کے نشیب و فراز کا جائزہ بھی لیا ہے۔ ابراہیم اشک کا شعری مزاج توانا ہے ان کی رباعیوں میں اخلاق، سیاست، سماجی حقائق اور محبت و زندگی کا برجستہ اظہار ملتا ہے۔ وہ رباعی کے مروجہ اصول کو بغیر کسی اجتہاد کے نئے امکانات کے وسیلے سے نمایاں کرتے نظر آتے ہیں۔ اگر چہ یہ بات اپنی جگہ صد فی صد درست ہے کہ رباعی ایک توانا صنف شاعری ہے اور اس میں کامیابی کے لئے شاعر کے فکری سرچشمے کا وسیع ہونا از حد ضروری ہے کیونکہ جب تک شاعر کے محسوسات جذبات و مشاہدات کے دروازے وانہیں ہوں گے وہ رباعی کے چار مصرعوں میں اپنے خیالات کا اظہار نہیں کر پائے گا نیز شاعر کے وجدان، بصیرت اور عمیق مطالعہ کی کمی کے سبب بھی رباعیاں کمزور ہو جاتی ہیں۔ با ایں ہمہ مذکورہ بالا نکات پر ابراہیم اشک کی گرفت مضبوط نظر آتی ہے۔ وہ پرانے مضامین کو نئے اسالیب دینے کا ہنر جانتے ہیں۔ یہ ان کا کمال ہی ہے کہ وہ رباعیات کے قالب میں زندگی کی کیفیات کا خوبصورت جامہ پہنا دیتے ہیں۔

ابراہیم اشک فن رباعی کے ایجاز و اختصار اور اسرار و رموز سے خوب واقف ہیں۔ ان کی رباعیوں میں اساطیر سے زیادہ خلاقانہ جہتیں ملتی ہیں۔ نیز وہ انسانی عظمت، سنجیدہ افکار اور اقدار کا اظہار اتنے اچھے انداز سے کرتے ہیں کہ ان کی بیشتر رباعیاں دل اور درد کی ترجمان بن جاتی ہیں۔ جن کے ایک ایک مصرعے سے احساس کی صداقت، خلوص کی تہہ داری اور عقیدت کے تقدس کی خوشبو بکھرتی ہے اور اپنی جانب دامن دل

کھینچ لیتے ہیں۔

ابراہیم اشک کی رباعیوں میں حمد، نعت اور منقبت کے عناصر موجود ہیں۔ ان رباعیوں کے توسط سے انہوں نے دل کے اندر ہمکنے والے خوش گوار خیال اور انسانی سرمائے اور دولت کو خوبصورت و دل کش انداز میں پیش کر دیا ہے۔ ان کی چند رباعیات ملاحظہ کیجئے جو احساس کی صداقت، خلوص کی تہہ داری، عقیدت کا تقدس اور اسلوب کی سادگی کی مثال پیش کرتی ہیں :

- پتوں میں ہوا ہے تو خدا بھی ہوگا ☆ پتھر میں صدا ہے تو خدا بھی ہوگا
  جگنو میں چمک خوشبو ہے اگر چہ گل میں ☆ ہر شئے میں ادا ہے تو خدا بھی ہوگا
- اللہ ہمارا ہے ہمارا اللہ ☆ قرآن ہمارا ہے ، ہمارا وللہ
  اسلام ہمارا ہے ، ہمارا ایمان ☆ آغاز ہمارا ہے ، اشک بسم اللہ
- ہوں گہر فکر ایسے کہ اللہ اللہ ☆ مصرعے جو سنے اشک وہ بولے وللہ
  لاحول ولا قوۃ الّا با اللہ ☆ یہ بحر رباعی کی کہو بسم اللہ
- سرچشمۂ ایماں ہیں حالاتِ رسولؐ ☆ گنجینۂ دوراں ہیں کلماتِ رسولؐ
  انسان کی عظمت کو بڑھانے والے ☆ ظلمت میں چراغاں ہیں بیاناتِ رسول
- انسان کا آئین جہاں ہے قرآں ☆ اللہ کی دراصل زباں ہے قرآں
  نازل جو محمدؐ پہ ہوا ہے لوگو! ☆ اسلام کا وہ زندہ نشاں ہے قرآں
- سیرت پہ محمدؐ کی جو قربان ہوئے ☆ اخلاص و محبت سے انسان ہوئے
  وہ لوگ مثالی ہیں زمانے کے لئے ☆ آدابِ وفا سے جو مسلمان ہوئے

اشک کی رباعیوں میں مذہبی خیالات و جذبات کا دوسرا رخ سانحہ کربلا سے متعلق رباعیوں میں ملتا ہے جہاں انہوں نے حضرت علیؓ اور امام حسینؓ کے کردار کو بڑے عقیدت و احترام سے خراج عقیدت پیش کیا ہے :

- روشن ہے زمانے میں کردارِ حسینؓ ☆ ہے سچا مسلمان طرفدارِ حسینؓ
  اے اشک سنور جائے مقدر اسکا ☆ ہو جائے جسے خواب میں دیدارِ حسینؓ
- مظلوم نہ بے کس تھے حسین ابن علیؓ ☆ بے آس نہ بے بس تھے حسین ابن علیؓ
  مفہوم شہادت کا بتانے والے ☆ ہر حال میں چوکس تھے حسین ابن علیؓ

ان کی رباعیوں میں ماں سے عقیدت کا اظہار بھی ملتا ہے :

- سوچو تو کوئی پھول کی ڈالی ماں ہے ☆ بچوں کے چمن زار کی مالی ماں ہے

ڈاکٹر عزیز اندوری

ابراہیم اشکؔ کی رباعی گوئی

اردو کی تمام شعری اصناف میں رباعی سب سے مشکل صنف مانی جاتی ہے اس لئے کہ دوسری اصناف مقررہ بحور میں تخلیق کی جاسکتی ہیں۔ مگر رباعی کے لئے ۲۴ بحور مخصوص کی گئی ہیں جو تھوڑے تھوڑے فرق کے ساتھ ہم تک پہنچتی ہیں۔ اور جنہیں اختیار کرتے وقت بے حد چوکنا رہنا پڑتا ہے۔ بلکہ پوری ذہنی مستعدی کا ثبوت دینا ہوتا ہے۔ ذرا سی چوک سارا پول کھول دیتی ہے۔

پھر اس صنف کے چوتھے مصرعہ پر پورا زور صرف کرنا پڑتا ہے۔ جسے ہم اس کے باقی تینوں مصرعوں کا حاصل اور اصل قرار دیتے ہیں۔ جہاں تک ابراہیم اشک کی رباعیات کا سوال ہے ان میں ان کی ذہنی ریاضت اور فکری گہرائی کا پتہ چلتا ہے اور یہ کہا جاسکتا ہے کہ انہوں نے دیگر اصناف شاعری کی طرح اس صنف کو اختیار کرنے میں اپنی ذہنی چمک دکھائی ہے۔ اس عہد میں اس مشکل صنف پر طبع آزمائی کرنے والے حضرات اب انگلیوں پر گنے جاتے ہیں۔ ابراہیم اشک نے نئی نئی شعری اختراعات کے باوجود رباعی جیسی صنف کو پوری توجہ کے ساتھ اختیار کر کے یہ ثابت کر دیا ہے کہ وہ شعری روایتوں میں اعتدال پسندی کے قائل ہیں۔ ورنہ ان کی عمر کی ''نئی نسل'' اب اس صنف کو ''بھولی بسری'' صنف سمجھ کر اس کی جانب سے نظریں پھیر چکی ہے۔

ابراہیم اشک نے موضوعاتی اعتبار سے اپنی رباعیات میں جن فکری رویّوں کو اختیار کیا ہے ان میں اخلاقیات، تعشق، حسن پرستی اور خود اعتمادی کے معاملات کو اولیت دی ہے۔ ان کے اخلاقی رویّے میں اپنی ذات اور سلوک کو نمایاں کیا گیا ہے یا پھر زمانے کی روش کو ظاہر کیا گیا ہے :

- اخلاص و محبت ہے ہماری جاگیر☆ ہر ایک ارادے میں نئی ہے تعمیر
  دشمن کو بھی سینے سے لگا لیتے ہیں☆ یہ سوچ کہ ہوتی ہے وفا میں تاثیر
- انسان کی قدریں یوں ہوئی ہیں پامال☆ پھولوں سے لدی سوکھ گئی جیسے ڈال
  یہ جھوٹ، یہ مکاری، خوشامد کا دور☆ سب بھول گئے جیسے اپنی ہی چال

قحط الرجالی کا یہ عالم دیکھئے:

- دنیا میں ہر اک سمت ہے وحشت کا شور☆ آیا ہے، کیسا یہ شیطانی دور؟
  انسان نہیں ملتا کوئی ڈھونڈے سے☆ ظالم ہیں، ستم گر ہیں یا ہیں چور

قدموں میں جو جنت کو لئے پھرتی ہے ☆ رتبے میں زمانے سے نرالی ماں ہے

- ماں جیسی محبت نہ ملے گی یارو ☆ ماں جیسی عنایت نہ ملے گی یارو
  مل جائے گی ہر چیز جہاں میں لیکن ☆ ماں جیسی حقیقت نہ ملے گی یارو

ان کی رنگین مزاجی کی وجہ سے ہی ان کی رباعیوں میں محبت کی فضا آفرینی کے ساتھ شوخی اور بانکپن کی کیفیت ملتی ہے۔ ان کی رباعیاں پڑھنے سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ انہوں نے عشق و محبت کی نمنا کی اور نغمگی کو مشترک کر دیا ہے۔ اشک ایک آفاقی نظر رکھتے ہیں ایسا نہیں ہے! لیکن ان کی رباعی میں فنی و فکری تنوع موجود ہے اور افکار و خیالات کی شدت بھی ہے۔ وہ روایتی اور رسمی باتوں کو سہل ممتنع میں کہنے کا سلیقہ جانتے ہیں۔ ابراہیم اشک کی زندگی کہاں تک نشاط پسند رہی ہے؟ وہ کن مایوس کن حالات سے گزرے ہیں؟ ان کے باطنی اوصاف اور عمل زندگی کہاں تک مستحکم رہی ہے؟ ان تمام سوالوں کے جواب ان کی رباعیوں میں موجود ہیں جن میں ان کی ظاہری و باطنی حالات و کیفیات کے مثبت و منفی پہلو سانس لے رہا ہے۔

- کنگن کوئی کھنکا کبھی چوڑی کھنکی ☆ دل نے سنی آواز ترے گجن کی
  محسوس ہوا ڈالی گلے میں بانہیں ☆ پوری ہوئیں کچھ یوں بھی مرادیں من کی
- رشتے کئی ایسے بھی نبھائے ہم نے ☆ بے حال ہوئے زخم بھی کھائے ہم نے
  اک بوجھ محبت کا اٹھانے کے لئے ☆ سو بوجھ زمانے کے اٹھائے ہم نے
- اب اور نہ آلام کی باتیں کیجئے ☆ رنگین ہے شب جام کی باتیں کیجئے
  زندہ ہو غزل اور رباعی یارو ☆ کچھ حافظ و خیام کی باتیں کیجئے

شاعر کی درد انگیز کیفیت اور نغمہ احساس، قاری کے دلوں میں اجنبی محبت کی گدگداہٹ پیدا کرتا ہے۔ چند رباعیاں ملاحظہ کیجئے :

- پر چھائی تصور میں کوئی لہرائی ☆ وہ زلف کھلی اور وہ خوشبو آئی
  پھر دل میں کسی یاد نے کروٹ لی ہے ☆ آباد ہوئی اشک مری تنہائی
- پایل وہ بجی ہاتھ کے کنگن کھنکے ☆ احساس میں جیسے کئی گھونگرو جھنکے
  الفاظ سے پھر میں نے بنائی تصویر ☆ وہ آئے تصور میں رباعی بن کے
- آنکھوں میں بسی رہتی ہے کوئی تصویر ☆ پاؤں میں پڑی رہتی ہے کوئی زنجیر
  آباد ہی رہتے ہیں محبت والے ☆ ارمانوں کی ہوتی ہے دلوں میں جاگیر

شاعر نے صاحبِ اخلاق و محبت کو ''دنیا'' سے منت نہ کرنے کی تلقین کرتے ہوئے دل کی حیرانی اور ابر کے برسنے کی کیفیت بیان کی ہے اور کہا ہے کہ زمانے کی ترقی و تنزل کے راز ہنسی اور آنسو میں پوشیدہ ہے

لیکن زمانے کے ساتھ جینے کے لئے ہنسنے اور رونے کا قرینہ سیکھنا ہوگا :

- دنیا سے نہ کر کوئی بھی منت سن لے ☆ اے صاحبِ اخلاق و محبت سن لے
  جالے پہ نہ مکڑی کے بنے گی تصویر ☆ بے کار ہے یہ عزم کی صورت سن لے
- دنیا کے ستم دیکھ کے حیران ہے دل ☆ ہر شام و سحر اور پریشان ہے دل
  آیا ہے اچانک جو خیالِ محبوب ☆ خوش ہونے لگا دیکھئے نادان ہے دل
- اک برگہن بن کے برس جاتے ہیں ☆ ہر دل میں دھڑک جاتے ہیں بس جاتے ہیں
  ایسا بھی کئی بار ہوا ہے لیکن ☆ اک سانس بھی لینے کو ترس جاتے ہیں
- ہنس دیں تو زمانے کو گلستاں کر دیں ☆ رو دیں تو گلستاں کو بیاباں کر دیں
  دنیا کو بدلنے کی ادا ہے ہم میں ☆ نظریں جو اٹھائیں تو چراغاں کر دیں
- افسوس زمانے میں نہ جینا آیا ☆ ہنسنے کا نہ رونے کا قرینہ آیا
  احساس ہوا دل کو محبت کا جب ☆ اک سانس بھی لینے میں پسینہ آیا
- جس قوم کا معیار نہیں ہوتا ہے ☆ اس قوم کا کردار نہیں ہوتا ہے
  جو قدر نہیں کرتا ہے فنکاروں کی ☆ اس ملک میں شاہکار نہیں ہوتا ہے

انہوں نے مذہبی نظریئے کے ساتھ سیاسی رجحانات کو بھی رباعی کا موضوع بنایا ہے۔ عصری حسیت، عوامی اور سماجی مسائل پر ان کی نگاہ گہری ہے۔ شاعر امید کا دامن نہیں چھوڑتا وہ اضطراب اور تابناک کیفیت میں بھی خود کو توانا رکھتا ہے :

- تہذیب و تمدن کی وراثت مت چھوڑ ☆ نادان سرابوں کے پیچھے مت دوڑ
  جس روز جڑوں سے تو اکھڑ جائے گا ☆ اس روز بہت مہنگی پڑے گی یہ دوڑ
- ہتھیار نئے ہم جو بنا کے آئے ☆ خود اپنی تباہی کو بڑھا کے آئے
  کس درجہ نئے دور میں ہم آگے بڑھے ☆ تلوار گئی بم کے دھماکے آئے
- سامان تباہی کا لئے بیٹھے ہیں ☆ سب جنگ کا اعلان کئے بیٹھے ہیں
  ایٹم بموں کی ہوڑ لگی ہے ایسے ☆ سر موت کے جبڑے میں دیئے بیٹھے ہیں

مذکورہ رباعیوں کو پڑھنے کے بعد بلا جھجک کہا جا سکتا ہے کہ ان کی رباعیاں نظریۂ حیات کی عقدہ کشائی، سماجی نظام کی عکاسی اور محبت کی رنگین داستان کی تفصیل پیش کرتی ہیں۔ جن میں سیاسی، سماجی استحصالیت، کرب و تعصب اور انسانیت سوز فرقہ وارانہ فسادات اور زندگی کے دیگر جاں گسل احساسات مشترک ہو کر ماضی کی کیفیات اور مستقبل کے احوال پیش کرتے ہیں۔ جن میں حال کی تلخیوں سے آنکھیں

لڑانے کی صلاحیت اور زماں ومکاں کے زنداں سے نکل کر نئی کرن بانٹنے کا ہنر موجود ہے۔

اشک کی رباعیات میں کہیں طنز کے تیر ملتے ہیں تو کہیں نشتریت کی ٹیس زندگی کی کڑوی اور کھردری صداقت کو تشکیل کرتی ہے :

- حالات سے دوچار پریشان بھی ہیں ☆ ہیں شک کی نگاہوں میں پشیمان بھی ہیں
  لیکن یہ وفاداری کے زندہ ہیں ثبوت ☆ کرگل کے شہیدوں میں مسلمان بھی ہیں
- یاداس کی جاتی ہے پلٹ آتی ہے ☆ اکثر یہ ہوا نیند اچٹ جاتی ہے
  بٹ جاتا ہے لمحوں میں سارا وجود ☆ قسطوں میں مری رات بھی کٹ جاتی ہے
- سچ بات کوئی کہنے کو تیار نہیں ☆ اجلاس میں دنیا کی صلح کار نہیں
  ملکوں کی سیاست کا عجب ہے نانک ☆ کمزور کا کوئی بھی طرفدار نہیں

شاعر کا دل محبوب کی محبت سے آباد ہے اس کے تصور کی آنکھیں کھلی ہوئی ہیں وہ محبوب سے اتنا زیادہ قریب ہو چکا ہے کہ اسے اب محبوب کی خوشی یا اداسی کا ملال نہیں۔ یعنی محبوب کی زلف کی خوشبو، تصور حیات، کنگن کی کھنک اور گھنگھروں کی جھنکار جب یاد کی دہلیز سے نکل کر تنہائی کے دروازے پر دستک دیتی ہے تو شاعر محبت کا تاج محل تعمیر کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

چند رباعیاں ملاحظہ کیجئے :

- شاعر کے خیالوں میں نئی کوئی غزل ☆ عاشق کے ارادوں میں ترا عشق اٹل
  لٹ جائیں شہنشاہ جو تری یادوں میں ☆ بنوائے محبت کے لئے تاج محل
- آباد تصور سے ہیں آنکھیں ہر دم ☆ خوش ہم سے رہے یار کہ چاہے برہم
  دل ہے کہ محبت میں جلے ہے ایسے ☆ آندھی میں دیا جیسے جلے ہے مدھم
- اک نغمۂ دلدار بھی سن لیتا ہوں ☆ باتوں کی وہ تکرار بھی سن لیتا ہوں
  تنہائی میں آتا ہے کوئی جب جھم سے ☆ پازیب کی جھنکار بھی سن لیتا ہوں

مجموعی طور پر ابراہیم اشک کی رباعیات نگاری کا تفصیلی جائزہ لینے کے بعد بلاشبہ ان کی رباعیات کے حوالے سے کہا جاسکتا ہے کہ ان کی رباعیوں میں روایات اور عقل وشعور کی متوازی لکیر، ندرت فکر، سلاست، جدت ادا، رنگ وآہنگ، شوخی وظرافت، سحر انگیزی اور فکری وفنی بالیدگی موجود ہیں۔ ان کی رباعیاں ان کی تخلیقی جہات کی شناخت ہیں۔

72 · مسلمان پاڑہ روڈ · گادولیا · نادیہ 24 پرگنہ ۔ 743133

ڈاکٹر آفاق عالم صدیقی

ابراہیم اشک کی رباعی میں تخلیقی توانائی

جدیدیت کے عروج کے زمانہ میں جن شاعر و فنکار نے اس کے متوازی اپنی تخلیقی ثروت مندی کا احساس دلایا تھا ان میں ابراہیم اشک کا نام کافی نمایاں ہے۔ ابراہیم اشک ایک ہمہ جہت فنکار ہیں، وہ بہ یک وقت ایک منفرد شاعر و ناقد ہیں تو ایک اچھے افسانہ نگار بھی ہیں۔ معاصر تخلیقی منظر نامہ پر نظر ڈالیں تو معلوم ہوگا کہ اس وقت ایسے کئی فنکار ہیں جو بہ یک وقت کئی اصناف ادب میں طبع آزمائی کر رہے ہیں۔ مگر بات بنتی ہوئی نظر نہیں آرہی ہے۔

ابراہیم اشک اور دوسرے معاصر فنکاروں میں بنیادی فرق یہ ہے کہ اشک کو معلوم ہے کہ وہ کیا لکھ رہے ہیں اور کس کے لئے لکھ رہے ہیں۔ جبکہ بیشتر معاصر فنکاروں کو ان باتوں کا کوئی شعور نہیں ہے۔ اس کی اہم وجہ یہ ہے کہ آج بھی کئی فنکار نظریات ور جحانات کے دام میں گرفتار ہیں اور وہ خاص قسم کے مکتبہ فکر کی دلدلی زمین پر کھڑے ہیں۔ جبکہ ابراہیم اشک کے پاؤں تلے ان کے اپنے تجربات و مشاہدات کی ٹھوس زمین ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ شعر کہتے ہیں، شاعری کرتے ہیں۔ شاعری کے بہانے الفاظ کی کرتب نہیں دکھاتے ہیں۔ چونکہ ابراہیم اشک کو اپنی تخلیقی قوت اور فکری عصمت پر شروع ہی سے اعتماد تھا اس لئے ان کے یہاں شان کج کلاہی کی جھلک بھی نظر آتی ہے۔

کچل کر چل دیئے دونوں جہاں کو☆ عجب اک دھن ہے اپنی بے خودی میں

ابراہیم اشک کا تیور شروع ہی سے حوصلہ مندانہ رہا ہے۔ انہوں نے اپنے تخلیقی سفر میں مصلحت پسندی اور رجحاناتی دانشمندی کا کبھی سہارا نہیں لیا۔ ان کی شاعری کو سمجھنے کے لئے مغربی افکار و نظریات کو سمجھنے کی قطعی ضرورت نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ عموماً رجحان ساز حضرات معاصر تخلیقی منظر نامہ پر بات کرتے ہوئے ابراہیم اشک کا نام بھول جاتے ہیں۔ یہاں یہ بات ذہن نشیں رہنی چاہئے کہ مصلحت پسندی سے وہی لوگ کام لیتے ہیں جن کا شعور بالیدہ نہیں ہوتا ہے۔ شعور کی بالیدگی اور تجربے کی سچائی نے ابراہیم اشک کی شاعری کو جو گہرائی اور کشش بخشی ہے وہ بہت کم فنکاروں کے حصہ میں آتی ہے۔

ابراہیم اشک نے شاعری کی کئی اصناف میں طبع آزمائی کی ہے اور ہر صنف میں اپنی انفرادیت کا احساس دلایا ہے۔ یہ اشک کے فنکارانہ کمال ہی کی دلیل ہے کہ انہوں نے رباعی جیسی مشکل صنف شاعری

میں زندگی کے مسائل کو اس طرح حل کر دیا ہے کہ وہ شاعری کی روح بن گئی ہے۔ وہ بھی ایسی دلپذیر ندرت کے ساتھ کہ شاعر اور شاعری دونوں کی معنویت میں اضافہ ہو گیا ہے :

- سچ بات کوئی کہنے کو تیار نہیں ☆ اجلاس میں دنیا کی صلاح کار نہیں
  ملکوں کی سیاست کا عجب ہے ناٹک ☆ کمزور کا کوئی بھی طرفدار نہیں
- نسلوں کی برائی میں الجھ جاتے ہیں ☆ ملکوں کی لڑائی میں الجھ جاتے ہیں
  حل کوئی نکلتا نہیں اس دنیا کا ☆ سب لوگ صفائی میں الجھ جاتے ہیں

ابراہیم اشک کی تخلیقی ثروت مندی کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ اس وقت ان کے بیشتر ہم عمر شاعر یا تو راکھ کرید رہے ہیں یا پھر خود کو دہرا رہے ہیں۔ جبکہ ابراہیم اشک تخلیقی امکانات کی نئی فصیلوں پر کمندیں ڈال رہے ہیں۔ وہ نظم غزل، دوہا، مرثیہ، گیت، اور افسانہ و تنقید سے ہوتے ہوئے اب رباعی جیسی مشکل صنف شاعری کی کائنات میں داخل ہو چکے ہیں۔ کہنے کا مطلب یہ کہ ان کا تخلیقی عمل آج بھی شش جہت میں پوری توانائی کے ساتھ جاری ہے۔ رباعی کا فن ابتدا سے لے کر آج تک ایک مشکل فن سمجھا جاتا ہے۔ اور اس کو کامیابی سے برتنے کے لئے فن شاعری پر حاکمانہ گرفت کی بات کی جاتی ہے، اور حقیقت بھی یہی ہے کہ اس فن میں وہی لوگ کامیاب ہوتے ہیں جنہیں فن کے ساتھ ساتھ فنکارانہ شعور کا بھی ادراک ہوتا ہے۔ رباعی کے لئے دانائی و بینائی کے ساتھ ساتھ تخلیقی توانائی کا پایا جانا از بس ضروری ہے۔ ابراہیم اشک کی رباعیوں کے مطالعہ سے محسوس ہوتا ہے کہ ان کے یہاں کم و بیش یہ ساری باتیں پائی جاتی ہیں :

- اک قطرۂ دریا ہے تو دریا ہو جا ☆ اک ذرۂ صحرا ہے تو صحرا ہو جا
  اس طرح گذر اشک حدوں سے اپنی ☆ اک شخص اگر تو ہے تو دنیا ہو جا
- ہنس دیں تو زمانے کو گلستاں کر دیں ☆ رو دیں تو گلستاں کو بیاباں کر دیں
  دنیا کو بدلنے کی ادا ہے ہم میں ☆ نظریں جو اٹھائیں تو چراغاں کر دیں
- وہ صبح ہوئی بھور کا تارا ٹوٹا ☆ ہاتھوں سے مرے ماہ کا دامن چھوٹا
  مرجھائی ہوئی سیج پر ڈالی جو نظر ☆ انگ اس کا کھلا جیسے کہ بوٹا بوٹا
- کنگن کبھی کھنکا کبھی چوڑی کھنکی ☆ دل نے سنی آواز ترے گجن کی
  محسوس ہوا ڈالی گلے میں باہیں ☆ پوری ہوئی کچھ یوں بھی مرادیں من کی

ان رباعیوں پر صوتی و معنوی دونوں اعتبار سے غور کریں تو معلوم ہوگا کہ معنویت اور شعریت و غنائیت ان میں اس طرح رچ بس گئی ہیں کہ ایک نیا ذائقہ پیدا ہو گیا ہے۔ جبکہ لہجے اور تیور کا اپنا مخصوص انداز بھی

نمایاں ہے۔اور سب سے بڑی بات یہ کہ پوری شاعری تجربے کی ٹھوس زمین پر قائم ہے۔ایک قطرے کو دریا بن جانے اور ایک شخص کو دنیا بن جانے کی ترغیب دینے میں فلسفیانہ اور تہذیبی روایات کے تجربے کی جو خود اعتمادی پائی جاتی ہے اس سے بہت کم شاعر بہرہ ور ہوتا ہے۔اپنی تہذیبی قدروں سے جڑے رہنے اور اپنے تجربات پر بھروسہ کرنے ہی کا فیضان ہے کہ ابراہیم اشک ''نظریں جو اٹھائیں تو چراغاں کر دیں'' کی اعتمادی قوت سے مالا مال نظر آتے ہیں۔

بعد کی دونوں رباعی بھی صورت واقعہ کو اس طرح درشاتی ہے کہ شاعر کے تجربات کی آنچ قارئین کے جذبات کی حرارت میں تبدیل ہو کر ان کو باطنی طور پر تازگی سے ہمکنار کر دیتی ہے۔اشک کا کمال یہ ہے کہ وہ اپنے نجی تجربات کو بھی اس طرح بیان کر دیتے ہیں کہ وہ بنی نوع انسان کا تجربہ بن جاتا ہے۔

ابراہیم اشک چونکہ کسی سکہ بند رجحان کے قائل نہیں ہیں اس لئے ان کے یہاں فکر و نظر، تجربہ و مشاہدہ اور مواد و موضوع کی اکتا دینے والی یک رنگی قطعی نہیں پائی جاتی ہے۔

ان کی رباعیاں جہاں رنگا رنگی اور نوع بہ نوع فکر اور تجربے کی تازگی سے مملو ہیں وہیں ان کی رباعیوں میں زبان کی شیرینی کا رس بھی پایا جاتا ہے۔چونکہ میرے سامنے اشک کی بہت زیادہ رباعیاں نہیں ہیں اسلئے ان کے تنوع پر بات کرنا مناسب نہیں معلوم ہوتی ہے۔لیکن جتنی رباعیاں ہیں اس سے احساس ہوتا ہے کہ ان کے یہاں تنوع کی قطعی کمی نہیں ہوگی۔ابراہیم اشک زندگی کے معمولی واقعات میں بھی کوئی ایسا پہلو تلاش لیتے ہیں جو اپنی ندرت کی وجہ سے فکر و نظر کو روشن کر دیتے ہیں :

- اک ابر گہر بن کے برس جاتے ہیں ☆ ہر دل میں دھڑک جاتے ہیں بس جاتے ہیں
  ایسا بھی کئی بار ہوا ہے لیکن ☆ اک سانس بھی لینے کو ترس جاتے ہیں
- افسوس زمانے میں نہ جینا آیا ☆ ہنسنے کا نہ رونے کا قرینہ آیا
  احساس ہوا دل کو محبت کا جب ☆ اک سانس بھی لینے میں پسینہ آیا

ابراہیم اشک آج کی تہذیب پر گہری نظر رکھتے ہیں۔آج ملٹی نیشنل کمپنیوں کی صارفہ بلکہ فاحشہ تہذیب جس سرعت سے پاکیزہ تہذیبی اقدار کا صفایا کرتی جا رہی ہے اور آج کی نسل جس طرح اپنی زبان و تہذیب سے کٹتی جا رہی ہے اس سے اندیشہ لاحق ہو گیا ہے کہ مبادا ایک دن صارفیت کا عفریت پوری تہذیب ہی کو نہ نگل جائے۔اس لئے ابراہیم اشک خبردار کرتے ہیں :

تہذیب و تمدن کی وراثت مت چھوڑ ☆ نادان سرابوں کے پیچھے مت دوڑ
جس روز جڑوں سے تو اکھڑ جائے گا ☆ اس روز بہت مہنگی پڑے گی یہ دوڑ

ابراہیم اشک کی تخلیقی فکر کا سرا پکڑنا اس لئے مشکل نہیں ہے کہ ان کی جڑیں اپنی تہذیبی روایات کی مٹی میں دور تک اتری ہوئی ہیں۔ ان کی شاعری میں جو جاذبیت اور کشش پائی جاتی ہے اس میں فکر و فن کی تازگی و توانائی کے ساتھ ساتھ تہذیبی و ثقافتی انسلاکات کا بھی خاصا اہم رول ہے۔ ابراہیم اشک کے فن پر شاعرانہ تعلّی کے انداز میں کہی ہوئی ان کی رباعی بہت حد تک صادق آتی ہے کہ :

گنجینۂ معنی کا ہنر لایا ہوں ☆ الفاظ میں انداز گہر لایا ہوں
اے ظلمت تاریخ ادب تیرے لئے ☆ دامن میں رباعی کے سحر لایا ہوں

زبیدہ کالج، پوسٹ بکس نمبر ۶، شکاری پور، شیموگا 577427

☆☆☆☆☆
☆☆☆

ڈاکٹر محمد شفیع مھوبوی

ابراہیم اشک کی تجرباتی رباعیاں

رباعی گوئی قدیم زمانے سے عجم کے فلسفی اور صوفیہ حضرات کا پسندیدہ مشغلہ رہا ہے۔ اور اس الیبلی صنف کی شاعری ہمارے یہاں کے فلاسفہ اور صوفیہ کی آغوش میں پرورش پاتی رہی ہے۔

بچوں کا کھیل چل رہا تھا ایک بچے کے منہ سے بے ساختہ نکلا ''غلتاں غلتاں ہمی رود تا بن گو'' ایک شاعر نے اس کو سنا اور اسے یہ وزن اتنا پسند آیا کہ تین مصرعے اور لگا کر رباعی کا روپ دے دیا۔ کہا جاتا ہے کہ یہ شاعر صفاریہ خاندان کا بانی یعقوب صفار المتوفی ۲۶۵ھ تھا اور لڑکا اُسی کا فرزند تھا۔ اس طرح رباعی کا آغاز ہوگیا۔ شروع میں چار مصراعی، چہار بیتی، کہلائی۔ پانچویں صدی ہجری میں اسے ترانہ کہا گیا۔ اور کبھی کبھی قول اور غزل کہہ کر بھی پکارا گیا۔ لیکن معاملہ رُباعی پر آ کر ٹھہرا۔ دراصل رباعی کے معنی ہی چار چار کے ہی ہیں۔

رباعی گوئی میں سب سے پہلا باوقار نام حضرت بایزید سطامی المتوفی ۲۳۴ھ ہے۔ ان کے بعد رودکی کا نام آتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ سینکڑوں رباعیوں میں سے چند ہی دستیاب ہیں۔ ان میں سے ایک اس طرح ہے :

با آن کہ دلم از غم ہجرت خون است ☆ شادی بغم تو ام زغم افزونست
اندیشہ کنم ہر شب گویم یارب ☆ ہمرانش چنیں است وصالش جونست

دھیرے دھیرے رباعی نے فارسی میں ایسا رنگ جمایا کہ یہ اس زبان کی ایک اہم صنف ٹھہری۔ اردو شاعری میں رباعی کا وجود ابتدائی دور ہی میں نظر آجاتا ہے لیکن اس پر خاص توجہ نہیں دی گئی اور اس کی حیثیت صرف ضمنی ہی رہی۔ قلی قطب شاہ سے ابراہیم اشک تک رباعی نے کئی کروٹیں لی ہیں۔ ایک وقت تو ایسا آ گیا تھا کہ اردو کے جو شعراء غزل کے حسن سے اور نظم کے کردار سے بے حد متاثر تھے وہ بھی رباعی کی زلفوں کے اسیر دکھائی دیئے۔

اردو کے مشہور شعراء مثلاً سراج اورنگ آبادی، میر تقی میر، سودا، درد، ذوق، غالب اور مومن وغیرہ سبھی نے اپنی اپنی طرح سے رباعی کے فن پر طبع آزمائی کی لیکن انیس و دبیر نے اردو رباعی گوئی کو نئے افق عطا کئے۔ سبھی جانتے ہیں کہ یہ دونوں حضرات بنیادی طور پر مرثیہ کے شاعر تھے۔ یہی وجہ ہے کہ صبر، استقلال، شجاعت، ہمت، وفاداری و جاں نثاری جیسے موضوعات انہوں نے بڑی خوبی سے رباعی میں شامل کر دیئے۔ یہ وہ وقت تھا جب رباعی کا جادو سر چڑھ کر بولنے لگا تھا اور اس کا بھرپور اثر اردو شاعری کے شایقین پر دکھائی دینے لگا تھا۔ حالی اور اکبر الہ آبادی کے زمانے میں ہندوستان کا اکثر علاقہ انگریزی تہذیب کے اثر کو قبول کر چکا تھا۔ اس

نے ادب پر بھی گہرے اثرات ڈالے تھے۔اب اردو شاعری کا رُخ تبدیل ہو چکا تھا اور وہ محبوب کی زلفوں سے آزادی حاصل کر کے براہ راست عوام کی آغوش میں آ گئی تھی۔اور عوام اپنی زندگی کے مسائل اور ان کے حل اردو شاعری میں تلاش کرنے لگی تھی۔اکبر نے تو اسے طنز و مزاح کا پیکر عطا کر دیا جواب تک نہیں ہوا تھا۔

اردو کے شعراء اب نہ صرف رباعی کی طرف توجہ دینے لگے بلکہ کچھ مشہور شعراء نے تو اپنے خیالات کے اظہار کے لئے اسے سب سے عمدہ وسیلہ سمجھا نتیجہ یہ ہوا کہ شاد عظیم آبادی، جگت موہن لال رواں، جوش، فراق، فانی، محروم، امجد حیدر آبادی، اثر لکھنوی، یاس یگانہ چنگیزی اور جاں نثار اختر سے ابراہیم اشک تک رباعی اردو شاعری کی ایک اہم صنف بن گئی۔سبھی نے اپنے اپنے ڈھنگ سے اس صنف کو سجایا سنوارا اور پیش کر دیا۔ ان میں سے اکثر شعراء خیام سے متاثر نظر آتے ہیں۔ان میں سے ایک اہم شاعر جگت موہن لال رواں ہیں۔ ان کے تین مجموعے، رباعیاتِ رواں، روحِ رواں اور باقیات رواں منظر عام پر آئے۔ پہلا مجموعہ تقریباً ۱۹۲۶ء میں شائع ہوا۔رواں کی کچھ رباعیات پیش خدمت ہیں......

پھولوں سے تمیز خار پیدا کر لیں ☆ یک رنگئ اعتبار پیدا کر لیں
ٹھہرو چلتے ہیں سیرِ گلشن کو رواں ☆ پہلے دل میں بہار پیدا کر لیں
حرص و ہوس میں حیاتِ فانی نہ گئی ☆ اس دل سے ہوائے کامرانی نہ گئی
ہے سنگِ مزار پر ترا نام رواں ☆ مر کر بھی اُمید زندگانی نہ گئی
برباد ہوائے آرزو رہنے دے ☆ کچھ اور اسیر رنگ و بو رہنے دے
گو کھنچ کے لبوں تک آ چکی جانِ رواں ☆ ساقی ابھی شیشہ و سبو رہنے دے

یہ وہ دور تھا جب ادب میں ایک نئے طرح کا ذہن تیار ہو رہا تھا جب بلندی خیال اور احساسِ جمال زیادہ ہونے لگا تھا۔اور لوگ حقیقت پسند ہو گئے تھے۔

جوش جیسا شاعر رباعی کے سحر میں ایسا ڈوبا کہ اردو کا خیام کہلایا۔ پروفیسر احتشام حسین فرماتے ہیں ......''جوش اور خیام کے افکار و خیالات کا تقابلی مطالعہ کرنا چاہتا ہوں۔لیکن دونوں میں کوئی اندرونی مماثلت ضرور ہے۔کوئی ذہنی رشتہ ہے جو میرے ذہن کو بار بار اُدھر لے جاتا ہے اور جوش کے خوبصورت چہرے کو خیام کی داڑھی میں الجھا دیتا ہے۔(نقوش شخصیات نمبر 1953 ص 916)

پروفیسر افغان اللہ نے دونوں حضرات کی رباعی گوئی کا تقابلی جائزہ لیتے ہوئے خیام اور جوش کی یہ رباعیاں پیش کی ہیں :

زاہد گوید بہشت با حور خوش است ☆ من می گویم شراب انگور خوش است
ایں نقد بگیر دوست ازاں پسندیدار ☆ کاراز دہر شنیدن از دور خوش است

(خیام)

مفلوج ہر اصلاحِ ایماں کر دے ☆ فردوس کو رہن طاق نسیاں کر دے
ساقی ہے، مغنی ہے، چمن ہے مئے ہے ☆ اس نقد پر سوادھار قرباں کر دے
(جوشؔ)

آزادی سے پہلے تک اکثر رباعیات کے موضوعات روایتی تھے لیکن آزادی کے ٹھیک بعد فراقؔ جیسا شاعر اس صنف کی طرف متوجہ ہوا اور پھر ایک بار رباعی کو نئے موڑ سے آشنا کرایا۔ ہندو دیو مالا کے مختلف واقعات، ہند کی بلند روحانی قدریں، تہذیب وتمدن کو انہوں نے اپنی رباعیوں کے ذریعہ پیش کیا۔ انہوں نے سورؔداس اور تلسیؔ داس سے بھرپور استفادہ کیا اور اتنا ہی نہیں ''رُوپ'' کی رباعیات میں بھرتری ہری کے ''شرنگار شتک'' کو پوری طرح ڈھالنے کی کوشش کی ہے۔ فراقؔ شرنگار رس کی انہیں رباعیوں کی وجہ سے جانے جاتے ہیں لیکن کچھ رباعیات ان کی اس انداز کی بھی مل جاتی ہیں :

صحرا میں زماں مکاں کے کھو جاتی ہیں ☆ صدیوں بیدار رہ کے سو جاتی ہیں
اکثر سوچا کیا ہوں خلوت میں فراقؔ ☆ تہذیبیں کیوں غروب ہو جاتی ہیں

ابراہیم اشکؔ تک آتے آتے رباعی نے جو مختلف کروٹیں لی ہیں ان کی گرمی کو انہوں نے کسی نہ کسی طرح محسوس ضرور کیا ہے۔ آپ کی رباعی گوئی پر اپنے خیالات کا اظہار کرنے سے پہلے رباعی کی مختصر تاریخ اور اہم شعراء کا ذکر اسلئے ضروری تھا کہ اس پس منظر میں ابراہیم اشکؔ کی رباعیوں کا جائزہ لیا جائے۔ یقیناً ایسے بہت سے رباعی گو شعراء کا تذکرہ چھوٹ گیا ہے جو یہاں ہونا چاہئے تھا لیکن ہمارا موضوع رباعی کی تاریخ بیان کرنا نہیں ہے بلکہ ایک سرسری جائزہ لینا ہے وہ بھی صرف اس لئے کہ ابراہیم اشکؔ کی رباعیوں کی خصوصیت اور اہمیت کا اندازہ ہو سکے۔

اشکؔ صاحب کی جتنی رباعیاں مل سکیں راقم السطور نے ان کا مطالعہ کیا ہے اور ایک بات آئینہ کی طرح صاف ہوگئی ہے کہ اشکؔ صاحب ایسے مسافر نہیں ہیں جو پرانی ڈگر پر گامزن ہو کر اپنی منزل پانے کی کوشش کریں۔ ان کے سامنے فارسی میں خیامؔ، رودکی، حافظؔ اور سعدیؔ جیسے باوقار شعراء اور اردو میں قلی قطب شاہ سے جاں نثار اخترؔ تک سینکڑوں شعراء حضرات کے کارنامے موجود ہیں..... چلتے تو کسی بھی راہ پر چل پڑتے اور آسانی سے منزل پر پہنچ جاتے لیکن انہوں نے کسی کی پیروی کے آسان راستے کی بجائے تجربات کی خاردار اور پتھریلی گھاٹیوں سے گذرنے کی ہمت دکھائی اور کمال یہ ہے کہ وہ سرخرو ہو کر نکلے ہیں۔ اپنی اس کامیابی پر انہیں یوں محسوس ہونے لگا ہے کہ شیخ سعدیؔ سے اُن کا یارانہ ہو گیا ہے۔ حافظؔ ان کی رباعیوں کے سحر سے مستانہ ہو گئے ہیں اور خیامؔ دیوانہ وار رقص کرنے پر مجبور ہیں۔ اتنا ہی نہیں انہوں نے یہاں تک کہہ دیا کہ ان کی

اشک، جذبۂ عشق کو نغمات حیات سے تعبیر کرتے ہوئے کہتے ہیں :

محبوب کی تحریر بنا بیٹھا ہوں ☆ میں عشق کی تفسیر بنا بیٹھا ہوں
بس گو بجتا رہتا ہے سراپا مرا☆ نغمات کی تصویر بنا بیٹھا ہوں

ادائے یار کو فطرتِ دنیا سے تعبیر کرتے ہوئے کہتے ہیں :

سو رنگ دکھاتی ہے تری ایک ادا☆ اس ایک ادا پر ہیں کئی لوگ فدا
دنیا سے جدا ہوتی ہے فطرت جن کی ☆ وہ صورتیں کم کم ہی بناتا ہے خدا

میں نے ابراہیم اشک کی ترقیوں کا زمانہ اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ ہمارے صوبے (مدھیہ پردیش) کے ایک چھوٹے سے مقام بڑنگر سے ابراہیم خاں نے ابراہیم اشک بن کر جس طرح بڑے بڑے شہروں کے بڑے بڑے حلقوں میں مقام بنایا اور اختراعی ذہن کے ثبوت دیتے ہوئے نئی نئی اصناف سخن (لعلن اور چہارن) کے ساتھ ہی نئی بحور (بحرِ ناز، بحرِ بیکراں، بحرِ آئینہ، بحرِ ہندو غیرہم) ان کے اختراعی ذہن کی ایجاد کردہ بحور ہیں۔

اختراعی عمل بعض مرتبہ محض ہیئتی تجربوں سے آگے نہیں بڑھتا لیکن ابراہیم اشک نے فکری اعتبار سے بھی اس عمل کے رنگ و روپ کو کافی سنوارا اور سجایا ہے۔ اسی لئے ان کی ذہنی اپج فنی اور فکری اعتبار سے لائقِ اعتبار دکھائی دیتی ہے۔ اور ان میں موسیقیت اور لے کے ایسے عناصر شامل کر دیئے ہیں کہ یہ بحور مترنم بنتی چلی گئی ہیں۔ کہیں کوئی اٹھل پٹھل کہیں کوئی بے کیفی نظر نہیں آتی۔

ان ساری ذہنی اختراعات کے باوجود ابراہیم اشک نے قدیم شعری روایات کو نہ تو یکسر نظر انداز کیا ہے اور نہ ان سے انحراف کرنے کی کوشش ہی کی ہے اور یہ نتیجہ ہے ان کی اعتدال پسندی اور فنی و فکری عمق کا جس نے انھیں دیکھتے ہی دیکھتے مقام معتبر تک پہنچا دیا۔ جس کا اظہار انھوں نے اپنی درج ذیل رباعیات میں بھی کیا ہے :

- طوفان و حوادث نہ بنا دے کمزور☆ دنیا کی آندھی ہے ہمیشہ شہہ زور
  ہر گام مسائل پہ مسائل، نہ ہار☆ رکھنا ہے تجھے اشک توازن ہر طور
- آندھی میں چراغوں کو جلا سکتا ہے☆ ٹھوکر سے پہاڑوں کو ہٹا سکتا ہے
  انسان اگر جرأت تدبیر کرے☆ تقدیر کے لکھے کو مٹا سکتا ہے

اور واقعی ابراہیم اشک نے اپنی شب و روز کی محنت بے پایاں ریاضت اور مسلسل جرأت و ہمت کے سہارے اپنی زندگی کی تعبیر خود کی ہے اس کا اظہار وہ خود اس طرح کرتے ہیں :

- اجداد سے پہچان نہیں ہے میری ☆ بخشی ہوئی ہرگز نہ زمیں ہے میری

رباعیاں خیام سے اس لئے بہتر ہیں کہ خیام کے یہاں صرف ایک ہی رنگ ہے جبکہ ان کے یہاں نئے نئے تجربات، موضوعات اور خیالات کے گل بوٹے کھلے ہوئے ہیں۔ رباعیاں ملاحظہ فرمائیں :

- حافظ ہے کہ مستانہ ہوا جاتا ہے ☆ سعدی سے بھی یارانہ ہوا جاتا ہے
  اے اشک جو سنتا ہے رباعی میری ☆ خیام بھی دیوانہ ہوا جاتا ہے
- کوزے میں سمندر ہے رباعی میری ☆ افکار کا دفتر ہے رُباعی میری
  سو رنگ کے مضمون کا گلدستہ ہے ☆ خیام سے بہتر ہے رباعی میری

اشک صاحب نے جوش، فراق، اور امجد کسی کو نہیں بخشا ہے۔ یہ جرأت رندانہ خدا ہر ایک کو تو نہیں دیتا ہے اور جسے دیتا ہے اسے ممتاز بھی بنا دیتا ہے۔ ابراہیم اشک آج جس منزل پر کھڑے ہیں وہ ایک ایسے تخلیق کار کی منزل ہے جس کی تخلیق آئندہ نسلوں کے لئے کلاسک بن جاتی ہے۔ جو تجربات رباعی میں انہوں نے کئے ہیں وہ واقعی کسی بھی بڑے یا عظیم رباعی گو کے یہاں ڈھونڈنے سے نہیں ملتے۔ اسلئے یہ بات بھی صاف ہو جاتی ہے کہ ان کا مقابلہ کسی بھی رباعی گو سے نہیں کیا جاسکتا کیوں کہ وہ اپنے تجربات کی بنا پر سب سے مختلف اور منفرد ہیں۔ کسی زمانے میں اگر تان سین پیدا ہوتے ہیں تو کسی زمانے میں اُستاد امیر خان۔ دونوں ہی اپنے اپنے دور میں اپنے فن کی کلاسیکل روایتوں کو بحسن وخوبی برتتے اور فروغ دیتے ہیں۔ دونوں میں سے کسی کی بھی اہمیت کو کم نہیں آنکا جاسکتا۔ یہی بات ہم ابراہیم اشک کے تعلق سے بھی کہہ سکتے ہیں۔

اب تک جس طرح کی رباعیاں اردو میں نظر آتی ہیں اشک صاحب نے انہیں نہ صرف معنی کے اعتبار سے بلکہ ہیئت کے اعتبار سے بھی تبدیل کرنے کی کوشش کی ہے۔ اردو کے قارئین میں یہ ایک عام تاثر ہے کہ رباعی کا وزن صرف لاحول ولاقوۃ اِلّا باللہ۔ ہے لیکن ابراہیم اشک نے اس غلط فہمی کو صرف یہ کہہ کر دور نہیں کیا کہ رباعی کے کل چوبیس اوزان میں سے یہ بھی ایک وزن ہے بلکہ چھ رباعیات میں چوبیس اوزان کو ضم کر کے نہ صرف حیرت انگیز کارنامہ انجام دیا ہے بلکہ اپنی بات کہنے کا ایک نیا سلیقہ بھی پیش کیا ہے۔ یہ چھ رباعیاں اس طرح ہیں :

- افسوس وفادار نہیں یار ملا ☆ ہر یار کہاں اے دل دلدار ملا
  اب جا کر محسوس ہوا ہے یہ ہمیں ☆ دل دے کر دل لے کر آزار ملا
- ہر بار ترے گیت سنائے یہ دیار ☆ ہر موج تری لیکر ڈولے ہے شرار
  تیری ہی پُر جوش ادا پہ ہے نثار ☆ من بھاون ، بنجارن مدہوش بہار
- کردار بنا کون ہوا ہے برتر ☆ معیار بنا جو ہر ، کس کے بل پر
  رکھ جو بھی انداز نرالا لیکن ☆ دل روشن ، دل روشن ، دل روشن کر
- مل جائے ترا ساتھ مزا ہے بھرپور ☆ نزدیک ترے یہ دل رہتا مسرور

مستی میں سرشار ہوا لیکر آئے ☆ ہر منظر، ہر منظر، ہر منظر چور

- انسان ترے تئیں صفائی نہ رہی ☆ دل سے ترے کوئی برائی نہ گئی
  مغرور تری سمجھ کہاں ہے اب یہ ☆ سمجھا ہے نا سمجھ خدائی اپنی
- بھر پور ترا بدن کھلا پھول گلاب ☆ جلووں کا ہے چمن ترا خوب شباب
  مدہوش کرے چلن تیرا بصد ناز ☆ لگتی ہے جانِ من تری صورت خواب

یوں تو ابراہیم اشک نے ہر طرح کی رباعیاں پیش کرنے کی کوشش کی ہے لیکن اس صنف میں جو تجربات کئے ہیں وہ قابل غور ہیں۔ خاص بات یہ ہے کہ تجربات ان کے خیالات کو زنجیریں نہیں پہنا سکے ہیں۔ میری نظر ان کی غیر منقوط رباعیوں پر پڑی ان رباعیوں میں بھی انہوں نے وہ تمام باتیں آسانی سے کہہ دی ہیں جو وہ کہنا چاہتے ہیں کہیں ایسا محسوس نہیں ہوتا کہ وہ سمجھوتا کر رہے ہیں۔ آپ بھی لطف حاصل کریں :

- اللہ اگر ملک عدم والا ہے ☆ ہر اک کا سہارا ہے کرم والا ہے
  ہے عالم اسرار اُسی کے دم سے ☆ مالک ہے ارم کا وہ حرم والا ہے
- کس طور صدا دل سے دی گئی اس کو ☆ ہر اور صدا دل سے دی گئی اس کو
  آمد کا ہے لمحہ کہ آئے گا وہ ☆ اک اور صدا دل سے دی گئی اس کو

کچھ تجربات تو ایسے ہیں کہ بے ساختہ داد دینے کو جی چاہتا ہے۔ رباعی کا صرف ایک لفظ بدلے اور مصرعہ وہی کا وہی رہے لیکن بات میں معنی پیدا ہو جائے ایسا بہت کم دیکھنے میں آیا ہے۔ ولی دکنی کی شاعری میں اس طرح کے تجربات اکثر دیکھے جاتے ہیں۔ لیکن انہوں نے یہ کارنامہ غزل میں کیا تھا۔ مثلاً ان کی ایک غزل میں جس لفظ سے غزل کا شعر شروع ہوتا ہے اور پہلا مصرعہ جس لفظ پر ختم ہوتا ہے دوسرا اسی سے شروع ہوتا ہے۔ پوری غزل اسی طرح سے ہے۔ اور مجال ہے کہ کہیں دلچسپی کم ہو گئی ہو۔ غزل کا مطلع پیش خدمت ہے :

دل ربا آیا نظر میں آج میری خوش ادا ☆ خوش ادا ایسا نہیں دیکھا ہوں دو جا دل رُبا

رباعی میں اس طرح کے تجربات اور بھی مشکل ہیں۔ لیکن اشک صاحب نے یہ کر دکھایا ہے۔ آپ بھی ملاحظہ فرمائیں :

- سر درد محبت میں مزا دیتا ہے ☆ ہر درد محبت میں مزا دیتا ہے
  یہ درد بُری چیز ہے مانا ہم نے ☆ پر درد محبت میں مزا دیتا ہے
- مینخوار زمانے سے نہیں ڈرتا ہے ☆ خود دار زمانے سے نہیں ڈرتا ہے
  حق بات پہ اللہ سے الجھنے والا ☆ فن کار زمانے سے نہیں ڈرتا ہے
- کیسے لوگ ملے دل کو لبھانے والے ☆ اب لوگ ملے دل کو لبھانے والے

افسوس کہ ہم قدر نہیں کر پائے ☆ جب لوگ ملے دل کو لبھانے والے

- طوفان سے ٹکرا کے نکل جا آ گے ☆ چٹان سے ٹکرا کے نکل جا آ گے
دیوار تو ہر موڑ پہ مل جاتی ہے ☆ تو شان سے ٹکرا کے نکل جا آ گے
- جاناں یہ تری مست نگاہیں توبہ ☆ جاناں تری زلفوں کی پناہیں توبہ
ہر ایک کو دیوانہ بنا دیتی ہیں ☆ جاناں تری پھول سی بانہیں توبہ
- اے جان وفا، جان وفا، جان وفا ☆ ہے خوب ادا، خوب ادا، خوب ادا
بس یونہی سلامت تجھے اللہ رکھے ☆ یہ میری دعا میری دعا میری دعا

اب ایک نادر تجربہ دوقوانی کا بھی ملاحظہ فرمائیں جو شاید اور کہیں ناپید ہے :

گھر چھوڑ کے فرزانے نکل جاتے ہیں ☆ در چھوڑ کے مستانے نکل جاتے ہیں
دنیا کے لئے دار و رسن پر اپنے ☆ سر چھوڑ کے دیوانے نکل جاتے ہیں

سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ابراہیم اشک کی رباعیاں دلچسپ ہیں، آسان ہیں، عصری زندگی کا آئینہ ہیں اور شاعری کے فن پر کھری اترتی ہیں۔ جب ضرورت پیش آتی ہے صنعتوں کے حسن استعمال سے رباعی میں نکھار پیدا کر دیتے ہیں۔ انھوں نے جو تجربات کئے ہیں وہ دیکھنے میں تو آسان لگتے ہیں لیکن ہیں بہت مشکل۔ ایسے تجربات کرنے کے لئے برسوں کی ریاضت اور زبان پر قدرت چاہئے۔ ساتھ ہی ساتھ شعری ذہن و دل اور اللہ کی مہربانی شامل ہو تبھی یہ سب ممکن ہے۔ میری سمجھ میں تو اب تک یہ نہیں آیا کہ ممبئی کی گہما گہمی بھرے فلمی ماحول میں وہ اتنے حسین شہہ پاروں کو تیار کیسے کر دیتے ہیں۔ انھوں نے سچ ہی کہا ہے :

افکار کی بارش ہے رباعی میری ☆ اظہار کی کاوش ہے رباعی میری
اس صنف میں عظمت جو ملی ہے مجھکو ☆ اللہ کی بخشش ہے رباعی میری

ابراہیم اشک کی رباعیوں کے موضوعات اور مضامین کی بات کی جائے تو اس مختصر سے مضمون میں احاطہ کرنا مشکل ہو جائے گا۔ بس یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ انھوں نے ہر طرح کے مضامین کو اپنی رباعیوں کی زینت بنانے کی کوشش کی ہے لیکن ان میں سے بیشتر مضامین کو نیا پیکر عطاء کیا ہے اور یہی ان کا وصف ہے۔ انھوں نے جو تجربات کئے ہیں ان میں وہ نہ صرف کامیاب ہوئے بلکہ ان قارئین کو بھی اپنی طرف کھینچتے ہیں جو کبھی رباعی کی طرف دیکھتے بھی نہیں تھے۔ اور یہی سب خوبیاں انہیں اپنے دور کا ایک اہم رباعی گو شاعر بناتی ہیں۔

پناہ گاہ۔ B/64 اندرا کالونی۔ برھانپور (ایم۔پی۔)

ضیا فاروقی (سندیلوی)

ابراہیم اشک : منفرد رباعی گو

فارسی کے خزانۂ شعر وادب سے اردو کو جو اصناف سخن تفویض ہوئیں ان میں غزل کے بعد رباعی وہ صنف ہے جس پر کبھی جمود طاری نہیں ہوا۔ یہ الگ بات ہے کہ رباعی کہنے کے لئے جس مشاقی اور فنی چابکدستی کی ضرورت ہوتی ہے اسکی وجہ سے قدمانے بہت محتاط ہو کر اس میدان میں قدم رکھا۔ البتہ بیسویں صدی عیسویں میں جب مجموعی طور پر اردو شاعری کو کھلی فضا میسر آئی تو اس کا اثر رباعی پر بھی پڑا اور شاعروں کے ایک سنجیدہ طبقے نے جہاں موضوعات میں تنوع پیدا کیا وہیں اس کے دو درجن مخصوص ارکان میں بھی وسعت پیدا کی۔ اس کے علاوہ خالص رباعیات کے نہ صرف یہ کہ مجموعے ترتیب دیئے گئے بلکہ تنقیدی حوالوں سے بھی اس موضوع پر صحت مند گفتگو کا آغاز ہوا۔ اس سلسلے میں امجد حیدر آبادی، جگت موہن لال رواں، جوش ملیح آبادی، فراق گورکھ پوری، سید وحید اشرف، اختر انصاری، فضا ابن فیضی کے علاوہ سوامی شردھانند، شمس الرحمان فاروقی، ناوک حمزہ پوری، اصغر ویلوری، فاروق جائسی، اور کوثر صدیقی جیسے شعراء نے رباعی کے میدان میں نئی تعمیرات کے نمونے پیش کئے ہیں۔ رباعی گو شعراء کی اس فہرست میں ایک اہم نام ابراہیم اشک کا بھی آتا ہے جو باشعور اور حساس شاعر کے علاوہ بیباک تنقید نگار بھی ہیں۔ ابراہیم اشک نے ادب کے ہر میدان میں اپنے رخش قلم کے جوہر دکھائے ہیں۔ ہندی میں اعلیٰ اسناد رکھنے کے علاوہ فارسی اور اردو زبانوں پر بھی پوری دسترس رکھنے والے ابراہیم اشک نے غزل، نظم، مرثیہ، سلام، دوہے، قصیدہ، مثنوی، گیت اور رباعی بھی اصناف میں طبع آزمائی کی ہے۔ اس کے علاوہ لعلن اور چہارن جیسی نئی صنف سخن ایجاد کر کے اردو کے شعری اثاثہ میں گراں بہا اضافہ کیا ہے۔ بحیثیت فلمی نغمہ نگار انھوں نے جو نام کمایا ہے اس سے بھی باذوق حضرات واقف ہیں۔ مگر مجھے یہاں اس کی رباعیات کے سلسلے میں کچھ عرض کرنا ہے۔ ابراہیم اشک نے کم وبیش دو ہزار رباعیاں کہی ہیں جن میں کائنات کے ہزار رنگ پوشیدہ ہیں۔ لیکن ان رباعیات پر گفتگو کرنے سے پہلے ہمیں آج کے اس ادبی منظر نامے پر بھی نظر ڈالنا ہوگی جو وراثت میں ۸۰ء کے بعد کی نسل کو ملا ہے۔ دراصل بیسویں صدی عیسوی کے نصف آخر میں جن ادبی رویوں خصوصاً شاعری میں جن رجحانات کی بازگشت ہمیں زیادہ سنائی دیتی ہے ان سب کے تانے بانے یا تو ترقی پسندیت سے ملتے ہیں یا جدیدیت سے۔ یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ ترقی پسندوں کے خیمے میں بھی ایسے نقادوں کی کمی نہیں تھی جنھوں نے اپنے قبیلے کے شعراء کو سراہنے میں قلم کی طاقت کا بھرپور استعمال کیا اور جدیدیت کے پاس بھی شب خون جیسا وکیل موجود تھا جس نے اس نئے

مقدمہ شعروشاعری میں اپنے رجحانات کی بھرپور وکالت کی۔ مگران تحریکوں، تجربوں اور شعری رویوں کے شانہ بشانہ ایک تیسری آواز بھی ایوان ادب میں گونجتی رہی جس کے پاس نہ تو معتبر نقاد تھے اور نہ مذہبی کوئی مخصوص پلیٹ فارم۔ جبکہ یہی وہ آواز ہے جو آج پچاس برسوں سے عوام وخواص کے درمیان اردو شاعری کو مقبول بنائے ہوئے ہے۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ اس تیسری آواز میں جہاں روایتی قدروں کی پاسداری ملتی ہے وہیں ترقی پسندوں کا محبوب احتجاجی رنگ بھی موجود ہے۔ اس کے ساتھ جدیدیت کی مخصوص علامتیں اور استعارے بھی اپنی بھرپور توانائی کے ساتھ اس رنگ شاعری میں موجود ہیں۔ اس تمہید کے بعد جب ہم ابراہیم اشک کی شاعری پر نظر ڈالتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ اس کے یہاں اس تیسری آواز کی گونج بہت نمایاں ہے چنانچہ رباعیوں میں بھی وہی التزام اور وہی خوشبو موجود ہے جس کا تذکرہ ابھی میں نے کیا ہے :

- گنجینۂ معنی کا ہنر لایاں ہوں ☆ الفاظ کا انداز گہر لایا ہوں
  اے ظلمت تاریخ ادب تیرے لئے ☆ دامن میں رباعی کے سحر لایا ہوں
- تخلیق ادب میں نہ ملاوٹ اچھی ☆ باتوں میں نہ شاعر کے لگاوٹ اچھی
  ہے کار گہہ شیشہ گری اشک یہ فن ☆ فنکار کے فن میں نہ گراوٹ اچھی

یہ اور اس طرح کی دوسری رباعیات اس بات کا ثبوت ہیں کہ ابراہیم اشک کا اپنے فکر وفن کے تئیں ایک واضح نظریہ موجود ہے۔ اپنے ادبی نکتہ نظر کے سلسلے میں وہ اپنے ایک مضمون میں لکھتے ہیں کہ ''میں اپنی روایت کا بھرپور شعور ہی نہیں رکھتا بلکہ اس کی خوبیوں اور خامیوں سے بھی باخبر ہوں۔ میں اس کی خوبیوں کو برتنے کی کوشش بھی کرتا ہوں اور خامیوں کو دامن سے جھٹک بھی دیتا ہوں۔ اپنی ایک نئی راہ تلاش کرنے کے لئے روایت سے مکمل طور پر آگاہ ہونا بہت ضروری ہے۔ میں نے امیر خسرو سے لے کر قلی، ولی، میر، غالب، داغ، اقبال، فراق، فیض، ظفر، اقبال یگانہ اور تمام ترقی پسند، جدید اور نئی نسل کے معتبر شعراء کو بار بار پڑھا ہے اور سمجھنے کی کوشش کی ہے۔''

ابراہیم اشک کے اس دعوے کی روشنی میں جب ہم ان کی رباعیات کو دیکھتے ہیں تو ثبوت کے لئے ہمیں زیادہ تگ ودو نہیں کرنا پڑتی ہے اور ایسی رباعیات کی اچھی خاصی تعداد ہمارے سامنے آتی ہے جنہیں اس دعویٰ کی دلیل میں پیش کیا جاسکتا ہے۔ مثال کے طور پر یہ چند رباعیات ہی دیکھئے :

- اک ابر گہر بن کے برس جاتے ہیں ☆ ہر دل میں دھڑک جاتے ہیں بس جاتے ہیں
  ایسا بھی کئی بار ہوا ہے لیکن ☆ اک سانس بھی لینے کو ترس جاتے ہیں
- ہنس دیں تو زمانے کو گلستاں کردیں ☆ رو دیں تو گلستاں کو بیاباں کردیں
  دنیا کو بدلنے کی ادا ہے ہم میں ☆ نظریں جو اٹھائیں تو چراغاں کردیں

- کب لوگ ملے دل کو لبھانے والے ☆ اب لوگ ملے دل کو لبھانے والے
  افسوس مگر قدر نہیں کر پائے ☆ جب لوگ ملے دل کو لبھانے والے
- گھر چھوڑ کے فرزانے نکل جاتے ہیں ☆ در چھوڑ کے مستانے نکل جاتے ہیں
  دنیا کے لئے دار و رسن پر اپنے ☆ سر چھوڑ کے دیوانے نکل جاتے ہیں

تذکرہ بالا رباعیوں میں جہاں روایت کی پاسداری ہے وہیں قدماء کے آہنگ کی جھلک بھی صاف نظر آتی ہے۔ خصوصاً آخری دو رباعیوں میں جس طرح محض ایک لفظ کی تبدیلی سے پوری رباعی کے تانے بانے بنے گئے ہیں وہ ہمیں قدیم اساتذہ کی یاد دلاتے ہیں۔

اشک صاحب نے دنیا دیکھی ہے۔ انھوں نے بھرتری ہری کی سرزمین اجین کے ایک چھوٹے سے قصبے بڑنگ سے نکل کر ممبئی کی گلیمر سے بھرپور دنیا کا ایک حساس شاعر کی نظر سے نہ صرف جائزہ لیا بلکہ اس کو شب و روز برتا بھی ہے۔ ان کی زندگی کے پڑاؤ میں اندور، بھوپال اور دہلی بھی آئے جہاں انھوں نے صحافت اور ادب کے میدانوں کو سر کیا اس لئے ان کی رباعیات میں زندگی کے مشاہدات و حادثات کا ایک واضح منظر دکھائی دیتا ہے :

- افسوس زمانے میں نہ جینا آیا ☆ ہنسنے کا نہ رونے کا قرینہ آیا
  احساس ہوا دل کو محبت کا جب ☆ اک سانس بھی لینے میں پسینہ آیا
- نکلے ہیں محبت کے سفر پر یارو ☆ اک عمر ہوئی ایک نظر پر یارو
  منزل ہے کہاں کوئی نہیں جان سکا ☆ ہم تم ہیں سبھی راہ گزر پر یارو
- ہر موڑ پہ بس مائل پرواز رہے ☆ چپ رہ کے بھی ہم وقت کی آواز رہے
  ٹوٹا ہے کئی بار یہ دل بھی لیکن ☆ یہ کم تو نہیں ہے کہ جہاں ساز ہے
- تہذیب و تمدن کی وراثت مت چھوڑ ☆ نادان سرابوں کے پیچھے مت دوڑ
  جس روز جڑوں سے تو اکھڑ جائے گا ☆ اس روز بہت مہنگی پڑے گی یہ ہوڑ

عالمی سیاست کے طفیل آج دنیا جس مقام پر پہونچ گئی ہے اس سے ہم سب واقف ہیں۔ چند ملکوں کا جارحانہ رویہ دنیا کے لئے مسئلہ بنا ہوا ہے۔ اس منظر کو ابراہیم اشک نے سلیس اور روزمرہ کے الفاظ میں کس طرح نظم کیا ہے آپ بھی دیکھئے :

- عالم کی تباہی کا اندیشہ بھی ہے ☆ دنیا ہے کہ ہتھیار کی اک منڈی ہے
  اجلاس بہت امن کے ہوتے ہیں مگر ☆ ہر روز ترقی یہاں دہشت کی ہے
- سوچا نہ جسے وہ انہونی دیکھی ☆ ہر ایک کی سمجھ ہم نے بونی دیکھی

منظر جو ہوا صاف تو معلوم ہوا ☆ ملکوں کی سیاست بھی گھنونی دیکھی

- سبزے کو تو برگد کے پنپنے نہ دیا ☆ پر چھائیں سے اپنی اسے مسمار کیا
  دنیا میں یہی ہوتا چلا آیا ہے ☆ چھوٹی کو بڑی مچھلی نے کھا ہی لیا
- سامان تباہی کا لئے بیٹھے ہیں ☆ سب جنگ کا اعلان کئے بیٹھے ہیں
  ایٹم بموں کی ہوڑ لگی ہے ایسی ☆ سرموت کے جبڑے میں دیئے بیٹھے ہیں
- نسلوں کی برائی میں الجھ جاتے ہیں ☆ ملکوں کی لڑائی میں الجھ جاتے ہیں
  حل کوئی نکلتا نہیں اس دنیا کا ☆ سب لوگ صفائی میں الجھ جاتے ہیں

سیاسی نوعیت کی ان رباعیوں میں ابراہیم اشک نے جس عالمی کرب اور بے یقینی کو نظم کیا ہے وہ عہد حاضر کی ایک سچی تاریخ ہے۔ اشک صاحب کے یہاں اس طرح کی رباعیوں کی تعداد اچھی خاصی ہے جن میں آج کی سیاسی اور سماجی تاریخ کی تصویریں اپنے پورے خدوخال کے ساتھ نمایاں ہیں۔ جمالیات کے حوالے سے بھی انھوں نے جو کچھ کہا ہے وہ درون ذات جمالیاتی حسن کا آئینہ ہے :

- غم دیدہ ہوں نم دیدہ ہوں رنجیدہ ہوں ☆ بوسیدہ ہوں شوریدہ ہوں خوابیدہ ہوں
  پژمردہ ہوں افسردہ ہوں یادوں میں تری ☆ سنجیدہ ہوں سنجیدہ ہوں سنجیدہ ہوں
- حافظ ہے کہ مستانہ ہوا جاتا ہے ☆ سعدی سے بھی یارانہ ہوا جاتا ہے
  اے اشک جو سنتا ہے رباعی تیری ☆ خیام بھی دیوانہ ہوا جاتا ہے
- یاد اس کی جاتی ہے پلٹ آتی ہے ☆ اکثر یہ ہوا نیند اچٹ جاتی ہے
  بٹ جاتا ہے لمحوں میں سارا وجود ☆ قسطوں میں مری رات بھی کٹ جاتی ہے
- وہ صبح ہوئی بھور کا تارا ٹوٹا ☆ ہاتھوں سے مرے ماہ کا دامن چھوٹا
  مرجھائی ہوئی سیج پہ ڈالی جو نظر ☆ انگ اس کا کھلا جیسے کہ بوٹا بوٹا

میں نے اس مضمون کے شروع میں ابراہیم اشک کے یہاں جس تیسری آواز کی بابت کہا تھا اس حوالے سے ان کی رباعیات کا یہ محض سرسری جائزہ ہے۔ ورنہ مجموعی طور پر ان کی رباعیوں کا اگر جائزہ لیا جائے تو یقیناً یہ آج کی تہذیبی، سماجی اور سیاسی تاریخ کے پس منظر سے ابھرتی ہوئی وہ آواز ہے جس کی بازگشت ہی آنے والے وقت میں معتبر ہوگی۔

فلیٹ نمبر ۳۲، سی ۲، الانصار ملت نگر
اندھیری (ویسٹ)، ممبئی - ۴۰۰۰۵۳

Gifted From
Dr. Khursheed Alam
Khursheed_anam@yahoo.co.in

تعارف

ابراھیم اشک

پیدائش : ۲۰ر جولائی ۱۹۵۱ء بزنگر، ضلع اوجین، مدھیہ پردیش

تعلیم : ایم اے (ہندی ادب) اندور یونیورسٹی

صحافت : ۱۲ر سال تک اندور 'سماچار' 'شمع' اور 'سریتا' میں مدیر معاون

ادب : ● الہام (شعری مجموعہ) ● آگہی (شعری مجموعہ)

● کربلا (مرثیہ) ● انداز بیاں اور..... (تنقید) ● رام جی کا دکھ (افسانے)

● الاؤ (شعری مجموعہ، ہندی) ● تنقیدی شعور..... (تنقید)

● لعلن اور چہارن اصناف سخن کی ایجاد ● موسیقی کی طرز پر اُردو میں عروض کو ڈھالنا ● ۱۰ انی بحروں کی تخلیق ● غزل، نظم، مرثیہ، سلام، رباعی، دوہا، قصیدہ، مثنوی، گیت، ماہیا غزل، غیر منقوط کلام میں پیش رفت۔

فلم : ● کہونا پیار ہے ● کوئی مل گیا ● جانشین ● اعتبار ● آپ مجھے اچھے لگنے لگے وغیرہ کے علاوہ کئی فلموں کے اور سیریلوں کے لئے نغمے، مکالمے اور منظر نامے لکھے۔

ایوارڈس : ● یوپی اُردو اکادیمی ایوارڈ ● آل انڈیا Benzer ایوارڈ ● مہاراشٹر ہندی پتر کار سنگھ ایوارڈ ● اوجین جوبلن کلب کا ساہتیہ سیوا سمان ● جنون ایوارڈ ● کہونا پیار ہے سلور جوبلی ایوارڈ ● ممبئی اسٹوڈنٹ فورم کا ظ. انصاری ایوارڈ ● انتساب کا غالب سمان ● گنجن کلا سدن جبل پور کا کبیر سمان ● ایل این مشرا انسٹی ٹیوٹ پٹنہ کا عبدالقادر بیدل ایوارڈ ● اسٹاڈسٹ کا بہترین گیت کا ایوارڈ ● مجروح اکادیمی ممبئی کا مجروح ایوارڈ ● ہندی اُردو ساہتیہ اکادیمی لکھنؤ کا اردو ادب ایوارڈ ● شومنگل سمن کے ہاتھوں اوجین کا ساہتیہ سمان۔

پتہ: C-3 فلیٹ نمبر 302، الانصار ملت نگر، اندھیری (ویسٹ) ممبئی۔53 فون نمبر۔ 26367457

ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی کی نئی کتابیں :

● وزیر آغا کی امتزاجی نظریہ سازی (تنقید)، پیاس پبلشرز، راولپنڈی، ۱۰۰ روپے ● گوپی چند نارنگ اور ادبی نظریہ سازی (تنقید)، ادب پبلیکیشنز، دہلی، ۱۵۰ روپے ● علامہ اقبال، منفی پہلو (تنقید)، پرنسپلیٹی پبلیشرز (کارڈف، یوکے) ۲۰۰ روپے ● اردو میں بچوں کا ادب (اینتھولوجی)، ساہتیہ اکیڈمی، نئی دہلی، ۲۰۰ روپے ● سہیل عظیم آبادی (اردو اور ہندی مونوگراف، ساہتیہ اکیڈمی نئی دہلی، ۲۵+۲۵ روپے ● ادب میں گھوسٹ ازم (طنز و مزاح)، تخلیق کار پبلیشرز، دہلی، ۶۰ روپے ● رم جھم رم جھم (ماہیے) معیار پبلیکیشنز، دہلی، ۷۵ روپے ● امریندر کی غزلوں کا آلو چنا تمک ادھین (ہندی)، (تنقید) سمئے ساہتیہ، پٹنہ، ۵۰ روپے ● پھر کبھی نہیں (ہندی کویتائیں)، مانڈوی پرکاشن، غازی آباد، ۷۵ روپے ● روبرو اور آمنے سامنے (انٹرویوز)، موڈرن پبلیشنگ ہاؤس، نئی دہلی، ۱۰۰+۱۵۰ روپے ● گاندھاری (ترجمہ شدہ ناول) نیشنل بک ٹرسٹ انڈیا، دہلی، ۴۵ روپے ● اصغر ویلوری: بحیثیت رباعی گو (تنقید)، سرمدی پبلیکیشنز، چنئی، ۲۵۰ روپے ● دوہا غزل دوہا گیت (انتخاب) ادبی دنیا پبلیکیشنز، جے پور، ۱۵۰ روپے ● اقراء اردو ریڈر (انتخاب): حصہ سوم، ۲۸ روپے، چہارم ۳۰ روپے، پنجم ۳۲ روپے، ظفر پبلی کیشنز، کولکاتا ● لندن یاترا (اردو اور ہندی)، سفرنامہ، ۱۰۰+۱۲۰ روپے ● سکھی ساجن (کہہ مکرنیاں) ۱۰۰ روپے ● تکونیاں (تکونیاں) ۱۰۰ روپے ● کہمن (کہمن) ۱۲۵ روپے ● مدیر شعراء کی غزلیں (تذکرہ) ۱۰۰ روپے ● میری اماں (شخصیت) ۵۰ روپے ● یادیں باتیں (یادداشت) ۷۵ روپے ● زہرا داؤدی: سوانح اور سفر (انٹرویو/تنقید) ۱۰۰ روپے ● مظہر امام: نئی نسل کے پیش رو (تنقید) ۱۲۵ روپے ● عبدالقوی ضیاء: تمنا کا اگلا قدم (تنقید) ۳۰۰ روپے ● عاصی کاشمیری: تیسری بستی کا شاعر (تنقید) ۱۵۰ روپے ● عبدالواسع: فن اور شخصیت (تنقید) ۲۰۰ روپے ● رند ساغری: دھوپ کا مسافر (تنقید) ۱۲۰ روپے ● خوشتر مکرانوی: شخصیت اور فن (تنقید) ۱۷۵ روپے ● خالق چچا نے شکار کھیلا (شکاریات) ۳۰ روپے ● سلیس نگارش (انتخاب) ۳۰ روپے ● جدید نگارش (انتخاب) ۳۵ روپے ● بکل اتساہی: منفرد گیت کار (تنقید) ۲۲۵ روپے ● غزالہ (غزالہ) ۱۵۰ روپے ● نہاں کی شاعری کا تجزیاتی مطالعہ (تنقید) ۲۰۰ روپے ● میٹھا گیت (کہانیاں) ۳۵ روپے ● انور شیخ: مطالعہ در مطالعہ (تنقید) ۵۰۰ روپے ● انور شیخ: بحیثیت شاعر (تنقید) ۱۵۰ روپے ● انور شیخ: بحیثیت افسانہ نگار (تنقید) ۱۵۰ روپے ● ایوان (بہ اشتراک شاہد نعیم) غزلیں، ۷۵ روپے ● قرطاس (بہ اشتراک شاہد نعیم) غزلیں، ۱۰۰ روپے ● اکیسویں صدی کی غزلیں (بہ اشتراک شاہد نعیم) غزلیں، ۱۲۰ روپے ● گیت اردو کے (بہ اشتراک شاہد نعیم) گیت، ۷۵ روپے ● ماں (بہ اشتراک شاہد نعیم) منظوم تذکرہ، ۱۵۰ روپے ● دوہا رنگ (بہ اشتراک شاہد جمیل) دوہے ۲۰۰ روپے ● NEVER AGAIN (یوئم اور ہائیکو) ۷۵ روپے ● TALES OF TIME (منی شارٹ اسٹوریز) ۱۰۰ روپے ● ابراہیم اشک: نئے عہد کے گیت کار (تنقید) ۱۷۵ روپے ● طاہر سعید ہارون کی دوہا نگاری (تنقید) ۲۰۰ روپے ● شاہد جمیل: شخص اور شاعر (تنقید) ۲۵۰ روپے ● اے ماں (بہ اشتراک شاہد نعیم) منظوم تذکرہ، ۱۵۰ روپے ● ہندی کاویہ میں ریتو (ہندی، تنقید) ۱۰۰ روپے

ناشر نرالی دنیا پبلیکیشنز، 358A بازار دہلی گیٹ، دریا گنج، نئی دہلی ۱۱۰۰۰۲

IBRAHEEM ASHK : TAJARIBA KAR RUBAI GO

Edited by

Dr. Manazir Aashiq Harganvi

ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی ۔ ابراہیم اشک

EDUCATIONAL PUBLISHING HOUSE

3108, Gali Vakil, Kucha Pandit, Lal Kuan, Delhi-6 (INDIA)
Ph: 23216162,23214465 Fax : 0091-11-23211540
E-mail :info@ephbooks.com, ephdelhi@yahoo.com
Website: www.ephbooks.com

81-8223-371-2

ہر ذرّہ درخشاں ہے مری کوشش سے ☆ روشن مرے سجدوں سے جبیں ہے میری

- بے درد زمانے میں نوازش مت ڈھونڈ ☆ ہرگز دل حاسد میں ستائش مت ڈھونڈ
  کام آئے گا ہر موڑ پہ اپنا ہی ہنر ☆ دنیا میں کسی کی بھی سفارش مت ڈھونڈ

اور اس کے لئے وہ جن صورتوں کو اختیار کرنے پر زور دیتے ہیں ان کا اظہار ان کی درج ذیل رباعی سے ہوتا ہے :

ہمت نے کہا مجھ سے کہ آگے بڑھ جا ☆ محنت نے کہا مجھ سے کہ آگے بڑھ جا
قسمت نے کہا کبھی اشک جوا لٹی بازی ☆ جرأت نے کہا مجھ سے کہ آگے بڑھ جا

ابراہیم اشک نے اپنے اس سفرِ حیات میں زندگی کے کتنے ہی نشیب و فراز کو دیکھا ان سے گزرے اور تجربات حاصل کئے۔ کئی نقاب پوش چہرے ان کے سامنے آئے۔ اور ان کے دل و دماغ کو ''تجربہ گاہ'' بناتے گئے۔ انہوں نے کتنے ہی بناوٹی فائدوں کو بے نقاب کیا اور ''اصل'' تک پہنچنے کی اس طرح کوشش کی :۔

غافل ہے زباں سے اسے جاہل کہئے ☆ تہذیب کا اس شخص کو قاتل کہئے
جس قوم میں ایسوں کی ہو بہتات ☆ اس قوم کو کس طور سے قابل کہئے

اور وہ جب حقیقت شناس ہو گئے تو انہوں نے خود شناسی کا اعلان اس طرح کر دیا :

حل کرتے رہے ہم تو ہمیشہ مشکل ☆ طوفان میں موجود ہے اپنا ساحل
دنیا کی کسی بھیڑ میں شامل نہ ہوئے ☆ ہے سب سے الگ راہ الگ ہے منزل

یہی وہ مقام ہے جہاں اشک کی فکر منفرد بن کر اس طرح ابھری اور انہوں نے ''دل والوں'' اور ''نادانوں'' میں تمیز کرنا شروع کر دیا :

مت پوچھ مرے فکر و ہنر کی تفسیر ☆ ہر لفظ نئے تاج محل کی تعمیر
جذبات یہ سمجھے گا کوئی دل والا ☆ ناداں کے لئے جیسے ہو پتھر کی لکیر

ان کا فکری ارتقا مضبوط تر ہوتا دکھائی دیتا ہے۔ وہ مسائل حیات کو سمجھنے اور حالات زمانہ پر گہری نظر رکھتے ہیں۔ اور ان ذرائع کو تلاش کر لیتے ہیں جو حالات کی تلخی کو بھی کم کرنے کا سبب بن سکتے ہیں۔ ان میں تذکرۂ عشق ان کے ذہن کو جس طرح تر و تازہ کر دیتا ہے اس کا برملا اظہار وہ اس طرح کرتے ہیں :

- محبوب کی تحریر بنا بیٹھا ہوں ☆ میں عشق کی تفسیر بنا بیٹھا ہوں
  بس گو نجتا رہتا ہے سراپا میرا ☆ نغمات کی تصویر بنا بیٹھا ہوں
- اونچا ہے بہت عشق کا سب سے معیار ☆ لکھتا ہے یہی عشق نرالے شاہ کار
  جلوہ ہے اسی عشق کا دنیا بھر میں ☆ رکھتا ہے یہی عشق جہاں کو بیدار

ہر آن نیا شوق کا عالم دیکھا ☆ سو رنگ میں یہ ایک ہی موسم دیکھا
تم عشق کی کیا بات کرو ہو صاحب ☆ یہ جذبہ کسی سے بھی نہیں کم دیکھا

دوست کا ''سراپا'' بھی انھیں وجہ سکون دل نظر آتا ہے :

صحرا میں جو گل کا ری نظر آتی ہے ☆ تصویر شہر یاری نظر آتی ہے
اس برگ بنفشہ کی جھلک میں ہم کو ☆ اس لب کی اداکاری نظر آتی ہے

انھیں محبوب کی قربت میں کیا کیا نظر آتا ہے ملاحظہ کیجئے :

شاہوں میں رہو شاہ ، گدائی نہ کرو ☆ مجبور ہے کوئی ، خدائی نہ کرو
گھُل مل کے رہو پھول میں خوشبو جیسے ☆ محبوب سے دم بھر بھی جدائی نہ کرو

ابراہیم اشک نے فکری بلندیوں تک پہنچ کر جن رباعیات کی تخلیق کی ہے ان کی چند مثالیں ملاحظہ کیجئے :

لوگوں کی شرافت بھی بدل جاتی ہے ☆ چہروں کی حقیقت بھی بدل جاتی ہے
جب وقت بدلتا ہے کسی انساں کا ☆ اپنوں کی محبت بھی بدل جاتی ہے

ابراہیم اشک کے ذہن میں اختراعی عمل ہمیشہ تر و تازہ رہا ہے چنانچہ انھوں نے اس کا اظہار اپنی رباعیات میں بھی کیا ہے اور ایسی رباعیات کا عنوان ''تجرباتی رباعیات'' دے کر طویل ردیف اور مختصر ترین قافیہ کا استعمال کر کے ان میں جدّت اور حُسن پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ چند رباعیات دیکھئے :

- سر درد محبت میں مزا دیتا ہے ☆ ہر درد محبت میں مزا دیتا ہے
  یہ درد بری چیز ہے مانا ہم نے ☆ پر درد محبت میں مزا دیتا ہے
- گھُل جائے تو ہر رنگ نیا لگتا ہے ☆ کھُل جائے تو ہر رنگ نیا لگتا ہے
  یا مہندی لگا رنگ بھرے ہاتھوں سے ☆ ڈھل جائے تو ہر رنگ نیا لگتا ہے
- مستی بھی محبت کی نرالی دیکھی ☆ ہستی بھی محبت کی نرالی دیکھی
  ہے ہمیں سے جدا اشک بلندی اس کی ☆ لیتی بھی محبت کی نرالی دیکھی

اس نوع کی تقریباً بیس رباعیات کی تخلیق کر کے اشک نے اپنے اختراعی ذہن کے ثبوت بہم پہنچائے ہیں۔ خوبی یہ ہے کہ اس نوع کی رباعیات کو انھوں نے ''حشو و زوائد'' سے محفوظ رکھا ہے۔ مجھے یقین ہے اشک اپنے اس اختراعی ذہن کے سفر کو اسی اعتدال پسندی کے تحت جاری رکھیں گے۔ اور کسی ایسے ادبی ہنگامہ سے دو چار نہیں ہوں گے جو ان کی ذہنی رفعت اور فکری بلندی کے لئے فدغن ثابت ہو۔

45 ، شالیمار کالونی ، کھجرانہ ، اندور 452016 (ایم ۔ بی ۔)

© جملہ حقوق بحقِ مضمون نگار محفوظ

IBRAHEEM ASHK:
TAJARIBA KAR RUBAI GO

Edited by

Dr. Manazir Aashiq Harganvi

Year of Edition 2008
ISBN 81-8223-371-2
Price Rs. 200/-

نام کتاب	:	ابراہیم اشک: تجربہ کار رُباعی گو
مرتب	:	ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی
سنِ اشاعت	:	۲۰۰۸ء
قیمت	:	۲۰۰ روپے
مطبع	:	عفیف آفسیٹ پرنٹرس، دہلی

Published by

EDUCATIONAL PUBLISHING HOUSE

3108, Gali Vakil, Kucha Pandit, Lal Kuan, Delhi-6(INDIA)
Ph: 23216162,23214465 Fax : 0091-11-23211540
E-mail : info@ephbooks.com,ephdelhi@yahoo.com
website: www.ephbooks.com

پروفیسر خالد حسین خاں

ابراہیم اشک تنقید سے رُباعی تک

ابراہیم اشک کی شخصیت اور ان کی ہمہ رنگ قلمکاریاں، اردو ادب کے لئے باعث رحمت و برکت ہیں ، اشکؔ صاحب کے یہاں ایک نئی نظر ہے، نکتہ سنجی ہے، تجدّد ہے، انحراف ہے، بے باکی ہے، حق گوئی ہے، تنقید و تحقیق کا جذبۂ صادق ہے، ادبی شعور ہے، تاریخی بصیرت ہے، ان ہی خوبیوں کے سبب ابراہیم اشک کی ہر تنقیدی، تبصراتی، تشریحی، توضیحی، تردیدی اور تخلیقی کاوش و کاہش ہمارے عصری ادب کی تاریخ میں ایک تازگی، تابناکی، تجرباتی اور تحیّراتی اضافہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ بالخصوص میدانِ تنقید و تحقیق میں میرؔ، غالبؔ اور اقبالؔ کی تازہ کار تشریحی تفسیر و تعبیر میں انہوں نے نظرِ شاہین کی جو کارفرمائی، کارگذاری اور کارِ آگہی کا ثبوت پیش کیا ہے وہ لائقِ طمانیت اور سزاوارِ تحسین ہے۔ اس کے علاوہ ان کی ہمتِ مردانہ اور جرأت انداز کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ انہوں نے عصرِ جدید کے دوطویل قامت سومناتی بتوں کے خیالات، تصریحات، تشریحات، تفسیرات اور توضیحات پر دن کی روشنی میں ''شب خون'' مارا ہے اور صرف زبانی یا انعامی جمع خرچ سے نہیں، تیر بہدف دلائل، براہین، شواہد، ثبوت اور اپنی فکرِ رسا کو نہایت استدلال و استدراک سے ''دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی'' الگ کیا ہے! حق تو ہے کہ ابراہیم اشک کی باتیں، گھاتیں، تاویلیں، ہمارے دلوں کو مرتعش اور دماغوں کو منقل اور شعور کو وفورِ سرور عطا کرتی ہیں!!

ابراہیم اشک کا ایک ایک فقرہ، ایک ایک جملہ ناقابلِ تردید ہے۔ ان کے تیشۂ نقد نے اردو کے نہ جانے کتنے فرسودہ، مفروضہ اور مفقولہ خیالات، اظہارات اور اشتہارات کو، مرزا یاس یگانہ چنگیزی کے بعد، منسوخ ہی نہیں باطل بھی ثابت کیا ہے۔ انہوں نے بہت سے مسلم الثبوت نیز مروجہ ادبی رجحانات، نظریات اور خیالات سے بھی اختلاف کیا ہے۔ ان کا غیر جانبدارانہ رویہ، ان کی سب سے بڑی خوبی ہے۔ ایمانداری، سچائی، نیکی، خلوص، محبت اور نئے ڈھنگ سے سوچنے اور اپنے خیالات نیز اپنے مطمحِ نظر کو سادہ و سلیس لیکن مدلل طریقے سے پیش کرنے کی صلاحیت ان میں بدرجہ اتم موجود ہے۔ غرضیکہ ابراہیم اشک کو ایک چلتی پھرتی انسائیکلوپیڈیا کہا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا۔

ابراہیم اشک کے یہاں ایک مقصد ہے اور اسی مقصد کے پیشِ نظر انہوں نے اپنی تنقیدی نثر میں پوری ایمانداری، مہارت اور صلاحیت کا ثبوت دیا ہے۔ ان کے یہاں تشریح ہی نہیں، تصریح بھی ہے،

تنقیص ہی نہیں، تنقید بھی ہے، توضیح ہی نہیں، ترسیل بھی ہے، تشہیر ہی نہیں، تعبیر بھی ہے، تکذیب ہی نہیں، تصدیق بھی ہے! ایسی ہی بامقصد تحریریں یا تخلیقات، قارئین کے ذہنوں دلوں اور خیالوں میں زندہ رہتی اور یاد رکھی جاتی ہیں۔

درحقیقت، ادب، تخلیق، تنقید، تحقیق، کسی بھی زبان کی کیوں نہ ہو، وہ حقیقت کا پرتو ہوتی ہے۔ اس میں زندگی و زمانے کی عکاسی، معیشت و معاشرے کی آئینہ گری اور عصری حسیت کی تصویر پوری طرح نمایاں ہوتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں، جب کسی حساس، جی دار اور پختہ کار قلمکار کے دل کی دھڑکن اور دماغ کی الجھن، نوکِ قلم پر آکر آنسو اور آہ کی شکل اختیار کر لیتی ہے یا کوئی قطرۂ خون، موٹے قلم سے ڈھل کر لفظوں کا جامہ اختیار کر لیتا ہے، تب ہی وہ تحریر و تخلیق، ادب پارہ کہلاتی ہے۔ اشک صاحب ایسے ہی ناقد ہیں، ایسے ہی ادبی سالک ہیں اور ایسے ہی تحقیقی عارف ہیں! اسی لئے ان کی تحریریں، ان کی تشریحیں ہمارے ذوقِ مطالعہ اور شوقِ والہانہ کا سامان بنتی ہیں اور ان کے رشحات کو پڑھ کر ہمارا دل و دماغ ہی نہیں روح کو بھی تسکین و تشفی ملتی ہے۔

ریاکاروں کی عیاری، امیروں کی عیاشی، غریبوں کی بے بسی، سیاست دانوں کے بے رخی اور خود ساختہ اردو مافیاؤں کی دادا گیری کی حرکتوں، کرتبوں اور کرتوتوں کو انہوں نے بے نقاب کیا ہے۔ اپنے اس مشن میں انہوں نے اردو نثر کے باوصف اردو شاعری سے بھی خوب کام لیا ہے۔ مثلاً غزل، نظم، مرثیہ، مثنوی، گیت، سلام، دوہا، قصیدہ، ماہیا غزل، لعلن اور چہارن جیسی ان گنت اصنافِ سخن میں انہوں نے ہمارے معاشرے کی سفاکیوں اور بوالعجبیوں کو بڑے باوقار اور پُر اعتماد انداز میں اجاگر کیا ہے۔

ابراہیم اشک کی خوبی و خاصیت یہ ہے کہ وہ شاعری، مضمون، تنقید اور تحقیق میں سہل و سلیس، سادہ و نفیس اسلوب و انداز میں گفتگو کرتے ہیں اور قاری کو اپنا ہم نوا و ہمراز بنا لیتے ہیں۔ ان کے یہاں سلامت، نفاست، نزاکت، اظہاریت اور اعتباریت کے اوصاف، ان کی تخلیقی ندرت و قوت اور ترسیلی و تنقیدی علمیت و اہلیت کے سبب ہی، ہر شخص کو اپنی جانب مائل و متوجہ ہی نہیں کرتے اپنا ہم خیال بھی بنا لیتے ہیں۔ ان کی تخلیقی اُپج نے ہی، ان کو تازہ دم و تازہ کار رکھا ہے اور وہ شاعری، نثر نگاری اور دوسری اصناف میں اپنی خداداد صلاحیت اور تخلیقی قوت کو بروئے کار لاتے ہوئے نت نئے گل بوٹے کھلا رہے ہیں اور اصنافِ سخن میں نئی نئی بحریں بھی ایجاد کر رہے ہیں۔

اس وسیع تناظر میں ہم ابراہیم اشک بحیثیت ''رباعی نگار'' ان کے مقام و مرتبے کا تعین کرینگے۔ رباعی پر قلم اٹھانا، پل صراط پر چلنے یا گیہوں پر بسم اللہ لکھنے کے مرادف ہے۔ اسی لئے عہد قدیم میں بھی رباعی نگار

داہنے ہاتھ کی انگلیوں میں شمار کئے جاتے تھے اور عصر حاضر میں بھی گنتی کے چند قلمکاروں نے ہی اس وادیٔ پرخار میں سیاحی کا حوصلہ دکھایا ہے۔ ان جیالوں میں ایک نمایاں نام ابراہیم اشک کا بھی ہے۔ ان کے یہاں ہماری روزمرہ زندگی و زمانے کے احوال و افکار کی مرقع کشی ہے، لاینحل عقدوں، چیستانی معموں اور اقلیدس کے مشکل حلوں کی عکاسی نہیں ہے۔ ان کا تجربہ، تجزیہ، تبصرہ، تہلکہ، تموّج اور اظہاریت میں ذات سے کائنات، فرد تا سماج اور ماضی و حال تک، سب کی سمائی اور بھرپائی ہے۔ ان کی رباعیوں میں پوری زندگی کا محاسبہ، محاصرہ، معانقہ اور مشاہدہ ہے۔ ابراہیم اشک نے بھی اپنے پیش رو اور ہم عصروں کی مانند، اپنی رباعیوں میں انسانیت، اخلاقیت، اشراقیت، اخلاصیت، اخوت اور محبت کا پیغام دیا ہے۔

چونکہ اشک صاحب کے مزاج و مذاق میں، خود اعتمادی، خودداری، بے باکی اور انانیت کا سیلِ رواں جاری و ساری ہے، اس کی جھلک و جھنکار ان کی رباعیوں میں بالکل واضح انداز میں سنائی دیتی ہے مثلاً :

- گنجینۂ معنی کا ہنر لایا ہوں ☆ الفاظ میں اندازِ گہر لایا ہوں
  اے ظلمتِ تاریخ ادب تیرے لئے ☆ دامن میں رباعی کے سحر لایا ہوں
- ایک قطرۂ دریا ہے تو دریا ہو جا ☆ اِک ذرۂ صحرا ہے تو صحرا ہو جا
  اس طرح گزرا اشک حدوں سے اپنی ☆ اِک شخص اگر تو ہے تو دنیا ہو جا

رُباعی کی تعریف، توضیح اور تشریح و تصریح کے ذیل میں ابراہیم اشک یوں نغمہ سنج ہیں :

ہر لفظ میں معنی کو بسانا ہوگا ☆ کوزہ میں سمندر کو چھپانا ہوگا
لاحول ولا قوۃ اِلاّ با اللہ ☆ یہ بحر رباعی میں نبھانا ہوگا

یہاں اس امر کی وضاحت ضروری ہے کہ ''بحر'' چونکہ صیغۂ تانیث ہے، اس لئے نبھانا کے ساتھ فعل ''ہوگا'' محل نظر ہے!

بہرنوع! ابراہیم اشک نے مخلص مشورہ، مفید خیال اور معنی خیز ہدایت کے لئے درج ذیل رباعیوں میں جس طرح اپنے خیالات پیش کئے ہیں، لائق مطالعہ ہیں :

تخلیقِ ادب میں نہ ملاوٹ اچھی ☆ باتوں میں نہ شاعر کی لگاوٹ اچھی
ہے کارگہہ شیشہ گری اشک یہ فن ☆ فن کار کے فن میں نہ گراوٹ اچھی
اڑنا ہے تو پرواز کی حد کیا رکھنا ☆ نغمہ ہے تو آواز کی حد کیا رکھنا
ہر لطف ہے بس حد سے گزر جانے میں ☆ فنکار کے انداز کی حد کیا رکھنا

اشک صاحب کی مذکورہ رباعیاں اپنے بطون میں، اپنے درون میں اور اپنے فنون میں، ایک گنجۂ

جہانِ معنی ہیں اور اس کے بین السطور میں ابراہیم اشک کا اعتماد، اجتہاد، انفراد، اختیار، اعتبار کے علاوہ بلند حوصلگی، اولوالعزمی، جرأتِ رندانہ اور اظہارِ بے باکانہ بھی ہے اور یہ تمام اعلانات، اظہارات، احساسات اس امر کے بھی غماز ہیں کہ ان رباعیوں کا شاعر، خالق اور مالک یک فتا نہیں، یک رخا نہیں بلکہ ہر فنِ مولیٰ اور مملکت رباعی کا مختار بھی ہے، گرچہ، یہ خوبی و مجبوری، ابراہیم اشک سے بہت پہلے بھی انیسؔ، دبیرؔ، رواںؔ، اقبالؔ، حالیؔ، اکبرؔ اور امجدؔ حیدر آبادی کے یہاں بھی ہے اور انانیت بھی! ابراہیم اشک کے تیور و تیزی، خودی اور خودداری اور تگ و تاز، انیسؔ و دبیرؔ اور اقبالؔ و امجدؔ کے سلسلہ کی ایک کڑی کہی جاسکتی ہے۔ چند مزید رباعیوں کو بھی دیکھئے :

- جس قوم کا معیار نہیں ہوتا ہے ☆ اس قوم کا کردار نہیں ہوتا ہے
  جو قدر نہیں کرتا ہے فنکاروں کی ☆ اس ملک میں شاہکار نہیں ہوتا ہے
- ہم اپنی زباں اپنا ادب رکھتے ہیں ☆ اس راہ میں ندرت کی طلب رکھتے ہیں
  اردو کے لئے اشکؔ ہے اپنی یہ حیات ☆ جینے کے لئے بس یہ سب رکھتے ہیں

محولہ رباعیوں میں ہر نوع کا وافر مال دستیاب ہے، ہر طرح کے خیالات میسر ہیں اور ہر جہت کی نشاندہی موجود ہے۔ مثلاً اصلاحِ قدم، فلاحِ انسانیت، سخن و ادب کی تعریف، دل کی باتیں، تہذیب کی آہیں، کردار کی پروازیں، معیار کی بوچھاریں، وراثت کی مداحیں، غرض کہ ابراہیم اشکؔ نے اپنی تخلیقی قوت اور شعری جدت، رباعیوں کے وسیلے سے خوب اجاگر کردی ہیں۔

ابراہیم اشک کی شعری جہات، متنوع ہی نہیں، منفرد بھی ہیں۔ وہ بیک وقت شاعر، نثر نگار، تنقید نگار، تحقیق نگار، مبصر، مفسّر، مدیر، مصلح اور محبِ وطن ہیں۔ ان کے یہاں جمال و جلال، فکر و کمال، رنج و ملال اور خودی و خودداری کے عناصر چہار سو اپنی تازگی و تابانی سے ہمیں اپنی جانب مائل و متوجہ کرتے ہیں۔ وہ اپنے شعروں کے حوالے سے ہمارے دلوں کو گرماتے، شعور کو تڑپاتے اور خوابیدہ ذہنوں کو برماتے بھی ہیں!

ابراہیم اشک کی مختلف شعری کیفیات اور ان کی وسعتوں کو اجاگر کرنا آسان نہیں کیونکہ ان کی شاعرانہ حدود، قیود کے حصار سے باہر ہیں۔ فنِ شاعری، اشکؔ صاحب کے لئے صرف من کی موج، جذباتی آسودگی یا دماغ کا بہلاوا نہیں بلکہ ایک وسیلہ، ایک قرینہ، ایک وطیرہ، ایک مقصد، اور ایک معیار ہے۔ ان کا پیغام، ان کا رجحان اور ان کا فرمان، ایک تخلیقی مقصد و مدعا ہے جو وہ اپنی جینوئن نسل اور اپنے عصر کو دینا چاہتے ہیں۔ ابراہیم اشکؔ کی کارگزاریوں اور کارناموں سے قطع نظر، ہمیں یہاں صرف ان کا مرتبہ بحیثیت رباعی گو متعین کرنا ہے۔

ابراہیم اشکؔ کے یہاں حسن وعشق، سرخوشی وسرمستی، لب ورخسار، لیل ونہار اور زلفِ یار یا رنگین جہانوں کی سیر، اپنے ہم عصروں کے برخلاف، کم کم ہے۔ اس کے برخلاف، ان کے یہاں خودی، خودداری، تگ وتاز، جاں بازی وجاں سوزی، قوتِ عمل، کردار واخلاق اور انسانیت واشرافیت، حب الوطنی، معیار ادب، علم وحلم کا درس ہی نہیں، تاکید وتائید بھی ہے، شعری طنطنہ، ہمہمہ، غلغلہ اور تنبیہ بھی ہے، شاعری اور فنِ شاعری کے ادب وآداب، ملک وملّت کے اطوار اور اخلاق وکردار کی مرقع کشی بھی ہے!

ابراہیم اشک کی رباعیاں، مینارۂ بابل کی طرح بلند ہی نہیں، بلیغ بھی ہیں۔ ابراہیم اشکؔ نے اردو کو پکڑ رکھا ہے اور اردو نے انہیں جکڑ رکھا ہے : اس باہمی ربط وضبط نے اشکؔ صاحب کو اور ان کی شاعری کو زلفِ پیچاں کی طرح ''یک جاں دو قالب'' بنا دیا ہے۔ شہرت ان کا مقدر، شہامت ان کا مقصد اور شاعری انکا محور بن چکی ہے! ان کی رباعیاں، زمینی قربتوں، سیاسی حرکتوں، اخلاقی گراوٹوں اور تخلیقی بصیرتوں سے ہمیں روبرو اور روشناس کراتی ہیں، ان رباعیوں کے آئینے میں زندگی اور زمانے کے سارے نشیب وفراز دیکھے جا سکتے ہیں۔ سفید وسیاہ، خوب وزشت، خیر وشر اور نیکی وبدی کے رنگا رنگ اور خوش آہنگ مناظر ومظاہر بھی ہمیں متوجہ کرتے ہیں۔

بہت پہلے ارضِ دکن کے باسی، امجدؔ حیدر آبادی، جو عجز وانکسار، مرنجا مرنج اور کنج عافیت کے متلاشی تھے، وہ رباعی کے بیاض اور اس راہ کے بڑے راہی بھی تھے، ان کی رباعیوں میں بھی تصوف کے رموز ونکات، قرآنی آیات، احادیث، کردار، اخلاق، دنیا کی بے ثباتی اور نصیحت کی تبلیغ وترسیل کی بہتات ہے، اس ضمن میں، ابراہیم اشک کا پایہ، ان معنوں میں رفیع وقیع ہے کہ ابراہیم اشکؔ نے مذکورہ صفات عالیہ کے علاوہ، انسانیت، انانیت، خودی، خودداری، خودشناسی، خداشناسی، عصری آگہی، سیاست، مفاقت، عیاری، مکاری، ریاکاری جیسے بہت سے تازہ بہ تازہ موضوعات کو اپنی رباعیوں میں پیش کیا ہے، بحیثیت رباعی نگار اشکؔ کی اہم صفات وخصوصیات، عقابی نظر اور شاہینی نظریہ، پختگی شعور، پروازِ تخیل، قدرتِ الفاظ اور انتخابِ لفظ، اصطلاحات، علامات اور تشبیہات وتلمیحات پر قدرت، جوش کے باوجود اسلوب بیان میں ہوش، تسلسل و تازگی، تصور و وجدان کی بلندی، فصاحتِ بیان اور بحور پر عبور، سے عبارت ہیں۔ اور یہ ابراہیم اشکؔ کا اختصاصی فن ہے کہ انہوں نے رباعی کے فن کو آفاقی حیثیت دیدی ہے۔ ان کے یہاں مذکورہ خصائص موجود ہیں، مثالوں کے انبار لگانے سے قطع نظر، اشک کی چند منتخب رباعیاں پیش ہیں، تاکہ آپ بھی ان کی خوبیوں سے لطف اندوز ہوسکیں :

- تخلیق ادب اور سخن کی باتیں ☆ لگتی ہیں اب یہی من کی باتیں

تکیے میں دبا رکھی ہے دنیا ہم نے ☆ ہم سے نہ کرے کوئی بھی دھن کی باتیں

- تہذیب پہ یلغار کا مطلب کیا ہے ☆ تو اپنی جڑوں سے تو نہیں اکھڑا ہے
  سبزے کی ادا سیکھ لے جینے کے لئے ☆ آندھی کے جسے اشکؔ نہیں پروا ہے
- پرواز تو افلاک کی رکھنی ہوگی ☆ بات اپنی تہہ خاک کی رکھنی ہوگی
  چٹخے گی کلی علم و ادب کی اس دم ☆ تصویر دل چاک کی رکھنی ہوگی
- تہذیب و تمدن کی وراثت مت چھوڑ ☆ نادان سرابوں کے پیچھے مت دوڑ
  جس روز جڑوں سے تو اکھڑ جائے گا ☆ اس روز بہت مہنگی پڑے گی یہ دوڑ

ابراہیم اشکؔ کی اکثر رباعیوں میں حال کی اشارت، مستقبل کی بشارت اور ماضی کی صراحت، اپنی نیرنگیاں بکھیرتی نظر آتی ہیں۔ ان احوال و اذکار کے لئے ان کا قلم اور ان کا ذہن کہیں مبالغہ سے، کہیں اختراع سے اور کہیں قیافہ سے کام لیتا ہے۔ مبالغہ کی جمال آرائی، اختراع کی حسن افزائی اور قیافہ کی سنگینی و رنگینی کے طفیل ابراہیم اشکؔ کی رباعیاں، قاری کو تیر نیم کش کے درد و داغ سے مرغِ بسمل بنا دیتی ہیں، انھوں نے جوش کے باوجود، نظم و ضبط، خرد و خودداری اور شعری محاسن کو کہیں بھی مجروح ہونے نہیں دیا۔ یہ کمال ہے ان کی سخنوری کا، یہ خوبی ہے ان کی ہنروری کا اور یہ مرتبہ و اعزاز ہے ان کی جولانی طبع کا!

ازل تا ابد، از ابتدا تا انتہا، یہ کائنات، یہ دنیا رنگ و روش بدلتی رہے گی۔ مثلاً لیل و نہار کی گردش، اشرف المخلوقات میں رنگ و نسل، فطانت و فراست اور مزاج و مذاق نیز عادت و اطوار ایک دوسرے سے جدا ہوتے ہیں گویا اس کائنات ارض میں ہر ذی روح کی ایک جداگانہ شناخت اور انفرادی اہلیت ہے، اس تناظر میں، ابراہیم اشکؔ بھی اپنے ہم قبیلوں، ہم عصروں اور قلمکاروں سے ان معنوں میں بہت مختلف ہیں کہ ان کی جدّت پسند طبیعت اور اجتہادی روش، صرف اور صرف فضلِ ربی کی دین ہے اور یہ خوبی ان کو انفرادی تخلیق کار کہنے، لکھنے اور سمجھنے پر ہمیں مجبور کرتی ہے!

فن پارے کی تخلیق صرف الہام، وجدان اور رجحان کی مرہون منت نہیں ہوتی بلکہ اس میں ریاضت، ذہانت اور فطانت کی تثلیث ضروری ہے، ابراہیم اشکؔ نے اس جوہر کو پالیا ہے۔

گرچہ، یہ عمومی وطیرہ ہے کہ کم مایہ، کم فہم، کم ذہانت اور کم فطانت کے قلمکاروں کی بہتات اور افراط، ہر عہد اور ہر زمانے میں ہوتی ہے اور قارئین بھی ان کی کاوشوں، کاہشوں، تجربوں اور تحریروں سے عصری ادب کی مجموعی صورتِ حال کا اندازہ لگانے کی غلطی کے مرتکب ہو جاتے ہیں لیکن ان عمومی تخلیق کاروں کے جمِ غفیر میں، چند ایسے باشعور اور فکر و دانش سے بہرہ مند فنکار کے رشحاتِ قلم ہمیں فی القدر اور بے محابا اپنی جانب متوجہ کر

لیتے ہیں نیز اس نوع کے ادیب وشاعر کے یہاں عصری حسیت وآ گہی کی کارفرمائی بھی جلوہ گر ہوتی ہے۔ مزید یہ کہ، ایسے قلمکار کا ادب اس کی شاعری، ماورائے عصر بھی ہوتا ہے۔ یہی اوصاف، یہی امتیازات اور یہی اجتہادات اس کے ادب وشعر کو شہرتِ عوام اور بقا کے دوام بھی عطا کرتے ہیں، اس سیاق میں ابراہیم اشک کی رباعیات کا بغایت وبغور مطالعہ کرنے پر ہمیں مذکورہ خصائص کا اندازہ ضرور ہوتا ہے۔ ذہین اور دوررس شاعر، جسے ہم عظیم نہ سہی، مقبول اور بڑا شاعر بھی کہہ سکتے ہیں وہ سدا اپنے عہد سے آگے کی سوچ اور اپروچ رکھتا ہے اور وہ زیادہ حساس اور دانائے شعر وادب بھی ہوتا ہے، ابراہیم اشکؔ میں بڑے شاعر بننے کی تمام صلاحیتیں موجود ہیں :

ابراہیم اشک نرے شاعر ہی نہیں ہیں بلکہ وہ خوددار بھی ہیں، انا پسند بھی ہیں، بے باک بھی ہیں اور سب سے اہم یہ کہ وہ شاعری کے رموز داں اور راز دار بھی ہیں! ان کے شعری جہات، فنی نکات، فکری ابعاد اور تخلیقی اسرار اتنے متنوع ومنفرد ہیں کہ ان کے موضوعاتِ کلام اور ان کی رباعیوں کی دید ودریافت میں، ان کے فکروفن کے رموز ونکات کا سراغ پانا، کارِمحال ہے۔ ابراہیم اشکؔ کی رباعیاں صفحۂ گیتی کے تمام انسانوں کے لئے ہیں۔ ان کا ضمیر بالیدہ اور ان کا ضمیر پاکیزہ، دراصل، اس آب وگل سے تیار ہوا ہے، جس میں دین و مذہب، اخلاق وانسانیت، شرافت اور حق وحقانیت، کی جبلت، خدائے قدوس نے ان کے مزاج ومذاق میں بغایت شامل کردی ہیں :

اپنے آپ کو سنبھالنا، نبھانا، برقرار رکھنا اور اپنی صلاحیت وشہرت کو قائم ودائم رکھنا، مشکل امر ہے اور اس کے لئے شعور وفور کو ہمیشہ کارگر وکاربند رکھنا بھی ضروری ہے۔ اس نکتہ کو ابراہیم اشک اپنی دانشوری سے جان چکے ہیں، تبھی وہ یوں کہتے ہیں ۔

اک عمر صرف ہوئی اشک تب کہیں جانا ☆ مقامِ میرؔ ہے کیا عظمتِ اسدؔ کیا ہے

ابراہیم اشک کے علم، مطالعے، مشاہدے اور شاعری کی یہی پہچان وپرکھ نے ہی ان کو بے خطر، بے خوف اور جرأتِ فرزانہ سے، فاروقی صاحب کی تشریحی خیالات کو غلط گردانا ہے۔ انہوں نے کس حد تک رباعی میں اپنے جوہرِ سخن دکھائے ہیں؟ اور کہاں تک وہ اس فن میں کامران ہوئے ہیں؟ اور ان کا بحیثیت رباعی نگار کیا مقام ومرتبہ ہے؟ ان تمام اہم سوالوں کے جواب، اردو کے معتبر اور برق رفتار ادیب، پروفیسر مناظر عاشق ہرگانوی کے خیالات پیش ہیں :

''اپنی رباعیات میں وہ (ابراہیم اشکؔ) ذات وکائنات کو وحدت کے روپ میں دیکھتے ہیں اور پوری زندگی کا محاسبہ کرتے ہوئے براہِ راست ہم سے ہم کلام ہوتے

ہیں اور صورت حال کو ناگزیر سمجھ کر قبول کرتے ہیں، ساتھ ہی قلبی احساس اور فنی ادراک کی یاوری سے اس مقام پر نظر آتے ہیں جو انسانی عظمت کی معراج ہے۔''

پروفیسر مناظر عاشق ہرگانوی کے خیالات کی توسیع وتفہیم اور تائید وتمثیل کے لئے ابراہیم اشکؔ کی رباعیوں میں سے چند مزید نمونے درج ذیل ہیں :

- پیغام کی منزل سے گزر آیا ہوں ☆ ابہام کی منزل سے گزر آیا ہوں
  ہے اس نئی آہٹ کا تقاضہ کچھ اور ☆ الہام کی منزل سے گزر آیا ہوں
- ہر موڑ پہ بس مائلِ پرواز رہے ☆ چپ رہ کے بھی ہم وقت کی آواز رہے
  ٹوٹا ہے کئی بار یہ دل بھی لیکن ☆ یہ کم تو نہیں ہے کہ جہاں ساز رہے
- کچھ لوگ ستائش کے لئے جیتے ہیں ☆ کچھ لوگ نوازش کے لئے جیتے ہیں
  اے اشکؔ ہمیں فکرِ حصول مقصد ☆ ایسے بھی ہیں خواہش کے لئے جیتے ہیں
- ضیالوں کی براتیں لکھ رہے ہیں ☆ ادب کی کائناتیں لکھ رہے ہیں
  فرشتوں سے کہو، برسائیں موتی ☆ ہم اپنے دل کی باتیں لکھ رہے ہیں
- غافل ہے زباں سے اسے جاہل کہئے ☆ تہذیب کا اس شخص کو قاتل کہئے
  جس قوم میں ایسوں کی ہو بہتات ☆ اس قوم کو کس طور سے قابل کہئے

ابراہیم اشکؔ کی رباعیوں میں اخوت، محبت، انسانیت، عزتِ نفس، تہذیب سے غفلت، حصولیابی، جبہ سائی، جیسے متنوع خیالات کا پیغام ہے، ان کی رباعیوں کے مطالعے سے قاری کے دلوں میں بھی اخلاق، انسانیت، محبت، ملک وقوم سے پریم کے جذبات موجیں مارنے لگتے ہیں، ان کی انانیت بھی ان کی رباعیوں میں گاہے گاہے نظر آتی ہے۔ ان کی شاعری میں اعتماد، اعتبار، اجتہاد اور خودی وخودداری بھی نمایاں ہیں، ان کی رباعیوں میں غزل کا جمال اور نظم کا وقار بھی ہے، ان کی رباعیات، عقیدے اور عقیدت، دونوں کی مظہر ہیں۔

بحیثیتِ مجموعی، ابراہیم اشکؔ کی ''رباعیاں'' بقائے دوام اور حیات مدام کی حامل رہیں، اس کے لئے راقم مضمون، بصمیم قلب دعا گو ہے، ان کی رباعیاں شعر وادب کے صحرانوردوں اور اردو ادب کے شیدائیوں اور اشکؔ کے فدائیوں کو اپنی کشش وتپش، رنگینی ورعنائی، دلکشی ودل آسائی، خوب صورتی وخوب سیرتی اور مشک بیزی کے انچھروں، عشوؤں، اداؤں، ناوکوں اور نزاکتوں سے قارئین کو مست وبے خود ضرور کریں گی اور تاریخ رباعی میں ابراہیم اشک ایک ثروت مند، ہوش مند، طاقتور، سخن ور اور ہنرور کے بطور سدا یاد رکھے جائیں گے !!

۲۷/۱۰، شاستری نگر، میرٹھ ۲۵۰۰۰۳ (یو.پی.)

ڈاکٹر کمال احمد صدیقی

ابراہیم اشک کی رباعیات کا مرکزی موضوع

مجھے رُباعی کے حوالے سے ابراہیم اشک کا تعارف کرانا ہے۔لیکن میری مشکل یہ ہے کہ تعارف اُس کا کرانے میں آسانی ہوتی ہے اور مزہ بھی آتا ہے جو معروف نہ ہو۔ابراہیم اشک کوئی چوتھائی صدی سے اردو اور ہندی زبان و ادب کے حلقوں میں بہت جانا پہچانا اور مقبول نام ہے۔درجن بھر کتابوں کے مصنف ہیں جن میں شاعری کے علاوہ تنقید اور افسانے کے میدان میں بھی انہوں نے پیش رفت کی ہے۔ان کی مقبولیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ ایک درجن سے زیادہ انعامات اور اعزازات ان کی ادبی، علمی اور فلمی تخلیقات پر مل چکے ہیں۔ان کا ذہن ایک باشعور مفکر اور انسانی قدروں کی پامالی پر احتجاج کرنے والے دانشور، شاعر کا ذہن ہے۔میں نے کوئی اٹھارہ برس پہلے جب ان کا پہلا شعری مجموعہ الہام منظرعام پر آیا تھا، اُن کی شاعرانہ صلاحیت کے بارے میں اپنے تاثر کا اظہار کچھ اس طرح کردیا تھا :

قطرے میں دجلہ دکھائی نہ دے اور جزو میں کُل ☆ کام لڑکوں کا ہوا دیدۂ بینا نہ ہوا

جزو اور کل اپنے لغوی معنی سے کچھ زیادہ قیمت رکھتے ہیں کیونکہ یہ تصوف کی اصطلاحیں ہیں..... شعر کے لئے تھوڑا سا تصوّف ضروری سمجھا جاتا ہے۔ہماری شاعری کے اُس حصے میں جسے ادب عالیہ میں شمار کیا جاتا ہے صوفیانہ مضامین کی بڑی اہمیت ہے.....اردو شاعری کو تصوّف میراث کے طور پر فارسی شاعری سے ملا ہے۔اس میراث میں ایک طرف جلال الدین رومؔی ہیں جن کی مثنوی معنوی اقبالؔ کی فکر کے اہم سرچشموں میں سے ہے تو دوسری طرف حافظ شیرازی کی سرمستی ہے۔حافظ کو بھی تصوّف کا ایک ستون سمجھا جاتا ہے.....۔

دراصل شاعری کی زبان کلاسیکی روایت کے مطابق استعاراتی ہوتی ہے۔استعاراتی زبان کے ساتھ تصوّف کی ایک روایت اردو کو فارسی سے ملی اور تصوّف کی دوسری روایت کبیرؔ اور نانک سے۔پہلی روایت میں خالق کائنات کی وحدانیت اور معرفت بنیادی ہے اور دوسری روایت میں انسان (یعنی اشرف المخلوقات) کی معرفت اور وحدانیت۔

ان تمام باتوں کا خیال ابراہیم اشکؔ کا شعری مجموعہ ''الہام'' پڑھ کر آیا جس میں صوفیانہ اور قلندرانہ مضامین کے جلوے صاف طور پر محسوس کئے جاسکتے ہیں.....کم از کم زبان کے استعمال کے سلسلے میں انہوں نے کبیرؔ داس اور نانک کا اتباع کیا ہے۔اشک میں اچھی شاعری کی بڑی صلاحیتیں ہیں.....اشک بے تکلف بات کہتے ہیں۔یہی ان کے فن کی پہچان ہے۔میں ان کی شاعری کی طرف سے پُر امید ہوں اور یہ

واضح کردوں کہ ہر طرح کی تحسین سے اشک کی شاعری بلند ہے۔ برسوں پہلے کہی گئیں یہ باتیں سچ ثابت ہوئی ہیں۔ کئی اصناف سخن کو نکھارنے سنوارنے کے بعد ادھر انہوں نے رُباعی کے مشکل میدان میں بڑی سنجیدگی سے قدم رکھا ہے اور نئے نئے تجربات سے اس صنفِ سخن کو مالا مال کرنے میں لگے ہوئے ہیں۔

ان کی زبان ترسیل کی زبان کا اچھا نمونہ ہے۔ اس کی وجہ شاید یہ ہے کہ وہ اردو کی لسانی روایت کے پاسدار ہیں۔ لیکن ان کا ذہن لسانی عصبیت سے یکسر پاک ہے۔ ان کے ذہنی کینواس وسیع ہیں۔ اقبالؔ، غالبؔ، حافظؔ، مرزا بیدلؔ، مولانا آزاد، فراقؔ گورکھپوری کے علاوہ کئی اہم موضوعات پر بھی انہوں نے لکھا ہے۔ ہندی میں ایم اے ہیں لیکن فارسی کا اچھا ذوق رکھتے ہیں۔ اور اردو ان کی مادری زبان ہے جو بہ یک وقت اردو بھی ہے اور ہندی بھی اور دونوں کھری۔ نکسالی فلموں میں ان کے کئی گانے زبان زدِ خاص و عام ہو چکے ہیں۔

ابراہیم اشک کی رُباعیات کا مرکزی موضوع انسان ہے۔ اور اس عہد کا انسان، جس کے سامنے زندگی کے ہزاروں مسائل ہیں۔ انہوں نے بڑی مہارت کے ساتھ ان مسائل کو اپنی رُباعیوں میں ڈھالا ہے اور رُباعی کے روایتی موضوعات سے ہٹ کر نئے تجربات کرتے ہوئے منفرد انداز میں اپنی بات کہی ہے اور سلامت روی سے رُباعی کے آہنگ کو برتا ہے۔ فلمی دنیا میں رہتے ہوئے ان کے جیسی ادب کی چوکھی خدمات کرنے والا دوسرا کوئی نہیں۔ ان کے اس حوصلے کی جتنی داد دی جائے کم ہے۔ مجھے پوری امید ہے کہ ابراہیم اشک اپنی منفرد رُباعیات کے حوالے سے ہمیشہ ادب میں یاد رکھے جائیں گے۔ ان کی یہ رُباعیاں ملاحظہ ہوں :

- سچائی مرے شعر کا جو ہر ٹھہری ☆ جو بات کہی میل کا پتھر ٹھہری
  اس ناز سے کرتا ہوں میں گفتارِ سخن ☆ عظمت مرے افکار کا تیور ٹھہری
- ذرّہ ہے اگر! مہر درخشاں ہو جا ☆ قطرہ ہے اگر! خونِ شہیداں ہو جا
  آیا ہے جو دنیا میں تو خوبی سے گذر ☆ انساں ہے اگر! عظمتِ انساں ہو جا
- بہتا ہوا دریا ہوں مچلتا جاؤں ☆ موجوں کی طرح رنگ بدلتا جاؤں
  ہے ساتھ ہواؤں کے سفر یہ اپنا ☆ آگے میں زمانے سے نکلتا جاؤں

اے ۲۹۵۰- نیو فرینڈس کالونی، نئی دہلی-۱۱۰۰۲۵

☆☆☆☆☆

☆☆☆

ترتیب

❖ گفتنی	ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی	۵
❖ ابراہیم اشک کی تجرباتی رباعیاں (منظوم)	ڈاکٹر عبدالمنان طرزی	۸
❖ ابراہیم اشک کی رباعیات اور عالمی موضوعات	فاروق جائسی	۱۰
❖ ابراہیم اشک کی رباعی گوئی	ڈاکٹر عزیز اندوری	۱۶
❖ ابراہیم اشک تنقید سے رُباعی تک	پروفیسر خالد حسین خاں	۲۰
❖ ابراہیم اشک کی رباعیات کا مرکزی موضوع	ڈاکٹر کمال احمد صدیقی	۲۸
❖ ابراہیم اشک کی رباعی نگاری	پروفیسر افتخار اجمل شاہین	۳۰
❖ ابراہیم اشک کی رباعیاں: ایک مطالعہ	ڈاکٹر محمد محفوظ الحسن	۳۶
❖ ابراہیم اشک: اختراع کار رباعی گو	ڈاکٹر فراز حامدی	۴۴
❖ ابراہیم اشک کے قابلِ قدر تجربے صنف رباعی میں	ڈاکٹر اسلم حنیف	۴۹
❖ ابراہیم اشک رباعیات کے آئینے میں	شارق بلیاوی	۵۵
❖ ابراہیم اشک کی رباعیات میں خیامیت	ڈاکٹر عبدالرحمٰن رند	۵۹
❖ ابراہیم اشک: کوملتا اور رباعی	فرحت سپنا	۶۸
❖ ابراہیم اشک: آبروئے رباعی	ڈاکٹر عبیدالرحمٰن	۷۲
❖ ابراہیم اشک کی قابل رشک رباعیاں	مختار ٹونکی	۷۸
❖ ابراہیم اشک کی شاہکار رُباعیاں	کمال جعفری	۸۸

پروفیسر افتخار اجمل شاہین

ابراہیم اشک کی رباعی نگاری

رباعی کہنا ایک مشکل فن ہے مگر میں یہ لکھ رہا ہوں کہ اس مشکل فن کی طرف اردو کے شعراء کشاں چلے آرہے ہیں۔ مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ ہر دور میں کچھ رباعی گو شعراء موجود رہے ہیں۔ رباعی گو کے حوالے سے جب بات کی جاتی ہے تو لوگوں کی نظر رودکی کی طرف جاتی ہے جو فارسی غزل کا بھی ایک اچھا شاعر تھا۔ بہت سے لوگ رباعی کی ایجاد کا سہرا بھی اسی کے سر باندھتے ہیں اور اس سلسلے میں یعقوب صفار کے کم سن بچے کا واقعہ پیش کرتے ہیں۔ وہ بچہ اخروٹوں سے کھیل رہا تھا، ایک آخروٹ لڑھکتا لڑھکتا گڈھے میں جا گرا تو اس کی زبان سے بیساختہ نکلا کہ ''غلکاں غلکاں می رود تا لب گو۔'' اس میں می اور همی پر لوگوں کا اختلاف ہے۔ یعقوب کو یہ کلام موزوں پسند آیا اور کہا جاتا ہے کہ تین اور مصرعے لگا کر رودکی نے اس کو رباعی کی شکل دے دی۔ (اس واقعہ کے سلسلے میں اختلاف پایا جاتا ہے) مگر اس روایت یا اس واقعہ کی طرف اشارہ کرنے کا فی الحال میرا مقصد یہ ہے کہ رباعی اہل عجم کی ایجاد ہے نہ کہ اہل عرب کی۔ بعض لوگوں کو اس کے عربی نام ہونے کی وجہ سے دھوکا ہوتا ہے کہ رباعی عربی سے فارسی میں آئی۔ صرف عربی نام ہونے سے کسی صنف کو عربی صنف سخن نہیں کہہ سکتے۔ اسی طرح سے جیسے کہ اردو ایک ترکی کا لفظ ہے تو اردو کو ترکی نژاد نہیں کہہ سکتے۔ یا عربی نام رکھنے سے کوئی عرب نہیں ہو جاتا۔ رباعی کے سلسلے میں رودکی کا ایک اور حوالہ بنتا ہے۔ رودکی کے ایجاد کردہ چوبیس اوزان رباعی کا ذکر ڈاکٹر محمد طاہر رزاقی نے اپنے مجموعہ کلام میں ''رتیں'' کے آخر میں کیا ہے اور رودکی کے اوزان کا شجرہ رقم کیا ہے۔ میں اس سلسلے میں سردست یہی کہنا چاہتا ہوں کہ رباعی فارسی سے اردو میں آئی ہے اور بڑے بڑے شاعر نے اس صنف سخن میں اپنا کمال دکھایا ہے۔ اس طرح رباعی کے اوزان ہی میں نئے تجربے نہیں ہوتے بلکہ موضوعات کے لحاظ سے آج رباعی کا دامن وسیع تر ہو گیا ہے۔ مگر موضوعات کے سلسلے میں شمس الرحمٰن فاروقی نے کوثر صدیقی مدیر ''کاروان ادب'' کے حوالے سے لکھا ہے ''رباعی کی نظری تنقید میں یہ ایک کمی رہ گئی ہے کہ رباعی کے موضوعات کا یقین نہیں کیا گیا ہے لہذا بہت سے لوگ رباعی کو غزل کی طرح استعمال کرتے ہیں۔ یعنی اس کے موضوعات میں کوئی قید روا نہیں رکھتے۔ فارسی کے بڑے شعراء نے رباعی کو چند ہی موضوعات تک محدود رکھا ہے۔'' مجھے فاروقی صاحب کی رائے سے سخت اختلاف ہے۔ ان سے میرا یہ سوال ہے کہ کیا غزل، نظم، افسانہ اور ناول کے موضوعات کو محدود رکھا گیا ہے یا ان کے موضوعات کو محدود رکھنا مناسب ہے۔ اس طرح رباعی گو شعراء کو وہ لکیر کا فقیر بنا کر رکھنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ کیا اردو غزل آج اسی

طرح لکھی جارہی ہے جیسی کہ حافظ، سعدی، خسرو اور میر و غالب نے لکھی تھی۔ اب غزل کی تنگ دامانی کی لوگوں کو شکایت نہیں رہتی۔ کیا اس کے موضوع کو ''حرف زدن با زنان'' تک محدود کر دیا جائے۔ نہیں ایسا کبھی نہیں ہوسکتا۔ علامہ اقبال نے تو غزل کے موضوعات میں وہ تنوع اور وسعت پیدا کی کہ ان کی بال جبریل کی غزلوں کو اردو غزل کی نشاۃ ثانیہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اب غزل میں ہر طرح کے خیالات کو آسانی، کامیابی اور عمدگی کے ساتھ پیش کیا جارہا ہے۔ کیا فاروقی صاحب کے محبوب شاعر ظفر اقبال ویسی غزلیں کہہ رہے ہیں۔ وہ شعر کے مضحک ہونے کو عیب نہیں سمجھتے۔ اپنے مضمون ''تبدیلی کی ہوائیں پھکڑ پن اور برقع پوش غزل'' (سہ ماہی آئندہ، کراچی، پاکستانی ادب نمبر شمارہ ۴۱) جنوری تا مارچ ۲۰۰۶ء میں لکھتے ہیں کہ :

''کلیم الدین احمد نے غزل کو نیم وحشی صنف سخن قرار دیا تھا جب کہ میں تو اسے ایک بیہودہ صنف سخن کا نام دے چکا ہوں کہ یہ محض ذہنی عیاشی اور ایک غیر شریفانہ طرز عمل ہے۔''

ناطقہ سر بہ گریباں ہے اسے کیا کہئے۔ آمدم بر سر مطلب۔ بات رباعی اور اشک کی رباعی کی ہو رہی تھی اشک نے بھی رباعیات میں موضوعات کی پابندی نہیں کی ہے اور اپنے گیتوں کی طرح اس میں بھی ہر طرح کے موضوعات کو شامل کرنے کی کوشش کی ہے۔ انہوں نے حمدیہ رباعیات بھی کہی ہیں اور نعتیہ بھی۔ بزرگانِ دین کا بھی ذکر ہے اور قرآن کی عظمت کا بھی اظہار کیا ہے۔ عصری مسائل کو بھی اپنی رباعیات میں پیش کیا ہے۔ ابھی ماں کی عظمت کا سال منایا جارہا تھا۔ مناظر عاشق ہرگانوی نے ایک مجموعہ جس میں صرف ماں سے متعلق منظومات ہیں شائع کی ہیں۔ انہوں نے بھی دو رباعیات ماں کے سلسلے میں لکھی ہیں۔ فن کا ذکر آگے آئے گا۔ انہوں نے اپنی رباعیوں میں حافظ، مولانا روم، سعدی اور خیام کا ذکر کیا ہے۔ ان شعراء کی جہاں عظمت کا اظہار کیا ہے وہاں ان سے استفادے کا بھی ذکر کیا ہے۔ گویا۔

تتبع زہر گوشہ یافتم

میرے پاس اشک کی ۱۰۵ رباعیات ہیں ان کی ابتدا حمدیہ اور نعتیہ رباعیات سے ہوتی ہے :

- پتوں میں ہوا ہے تو خدا بھی ہوگا ☆ پتھر میں صدا ہے تو خدا بھی ہوگا
  جگنو میں چمک پھول میں خوشبو دیکھی ☆ ہر شئے میں ادا ہے تو خدا بھی ہوگا
- اللہ ہمارا ہے ہمارا اللہ ☆ قرآن ہمارا ہے ہمارا وللہ
  اسلام ہمارا ہے ہمارا ایمان ☆ آغاز ہمارا ہے اشک بسم اللہ

ان کے بعد دو نعتیہ رباعی دیکھئے، کس سادگی سے اپنی عقیدت کا اظہار کرتے ہیں :

- بر چشمۂ ایمان ہیں حالات رسول ☆ گنجینۂ دوراں ہیں کلمات رسولؐ
  انسان کی عظمت کو بڑھانے والے ☆ ظلمت میں چراغاں ہیں بیانات رسولؐ

- سیرت پہ محمدؐ کی جو قربان ہوئے ☆ اخلاص و محبت سے انسان ہوئے
وہ لوگ مثالی ہیں زمانے کے لئے ☆ آداب وفا سے جو مسلمان ہوئے

اس طرح اسلام کی دیگر بزرگ اور روحانی ہستیوں کا ذکر بھی اپنی رباعی میں خلوص و عقیدت کے ساتھ کرتے ہیں :

- مظلوم نہ بے کس تھے حسینؓ ابن علی ☆ بے آس نہ بے بس تھے حسینؓ ابن علیؓ
مفہوم شہادت کا بتانے والے ☆ ہر حال میں چوکس تھے حسینؓ ابن علیؓ
- دکھلا دیا جوان عزم کسے کہتے ہیں ☆ سنوایا کہ اسلام اسے کہتے ہی
فرمایا محمدؐ نے خالدؓ ہیں یہی ☆ اللہ کی تلوار جسے کہتے ہیں

ابراہیم اشک کسی فرقے، مسلک پر یقین نہیں رکھتے۔ وہ اسلام کی بنیادی باتوں پر یقین رکھتے ہیں۔ اگر چہ اس طرح کے خیالات ان سے پہلے کے شعراء نے بھی پیش کئے ہیں۔ چند اشعار دیکھئے :

جنگ ہفتاد دو ملت ہمہ را عذر بند ☆ چوں ندید ند حقیقت رہ افسانہ زدند
(حافظ شیرازی)

ہم موحد ہیں ہمارا کیش ہے ترک رسوم ☆ ملتیں جب مٹ گئیں اجزائے ایماں ہو گئیں
(مرزا غالب)

حرم پاک بھی اللہ بھی قرآن بھی ایک ☆ کچھ بڑی بات تھی ہوتے جو مسلمان بھی ایک

فرقہ بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں ☆ کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں

گئے برہمن کے پاس لے کر جو اپنے قصے کو شیعہ سنّی
بگڑ کے بولا کہ جاؤ بھاگو ملکش تم بھی ملکش وہ بھی
بڑھی جو تکرار تو وہ لے کر انہیں فرنگی کے پاس پہنچا
وہ بولا بس دور ہو یہاں سے کہ تم بھی نیٹو ہو وہ بھی نیٹو

ان اشعار کے بعد اب میں ابراہیم اشک کی رباعی پیش کرتا ہوں جس میں کچھ اسی قسم کے خیالات کا ذکر انہوں نے کیا ہے :

ہے دیں نہیں حاصل ایماں نکلا ☆ توحید کا دل میں لئے ارماں نکلا
شیدائی محمدؐ کا خدا کا بندہ ☆ سنّی نہ شیعہ اشک مسلماں نکلا

اسی طرح دوسری رباعی میں بھی اپنے اسی عقیدے اور خیال کا اظہار کیا ہے۔

ایمان کی دولت سے مسلمان رہو ☆ ادراک و ذہانت سے مسلمان رہو

فرقوں کی اسیری سے رہو تم آزاد ☆ کردار کی عظمت سے مسلمان رہو

اور وہ قرآن کی عظمت کا بیان اس طرح کرتے ہیں اور قرآن مجید کو انسان کے لئے فلاح کا ذریعہ اور نیکی کا سرچشمہ بتاتے ہیں۔ اور اسے صرف مسلمانوں کے لئے نہیں بلکہ سارے عالم کے لئے خیر و فلاح کا ذریعہ بتاتے ہیں :

انسان کا آئین جہاں ہے قرآں ☆ اللہ کی دراصل زباں ہے قرآں
نازل جو محمدؐ پہ ہوا ہے لوگو! ☆ اسلام کا وہ زندہ نشاں ہے قرآں

میں نے شروع میں ذکر کیا ہے کہ وہ حافظ، خیام، سعدی اور مولانا رومی سے بھی متاثر ہیں بلکہ ان سے فیض بھی اٹھایا ہے۔ اس قبیل کی چند رباعیوں کے مطالعے سے اس بات کا اندازہ ہو جائے گا :

- اب اور نہ آلام کی باتیں کیجئے ☆ رنگین ہے شب جام کی باتیں کیجئے
  زندہ ہو غزل اور رباعی یا رو ☆ کچھ حافظ و خیام کی باتیں کیجئے
- سعدی کی ذہانت نے لبھایا ہے مجھے ☆ افکار نے رومی کے رجھایا ہے مجھے
  خیام نے مئے نوش بنا کر چھوڑا ☆ حافظ نے غزل کہنا سکھایا ہے مجھے

ان رباعیات میں دو رباعیات ''ماں'' سے متعلق بھی ہیں جہاں تک مجھے علم ہے ماں پر میں نے کہیں اور رباعی نہیں دیکھی :

- سوچو تو کوئی پھول کی ڈالی ہے ماں ☆ بچوں کے چمن زار کی مالی ہے ماں
  قدموں میں جو جنت کو لئے پھرتی ہے ☆ رتبے میں زمانے سے نرالی ہے ماں
- ماں جیسی محبت نہ ملے گی یارو ☆ ماں جیسی عنایت نہ ملے گی یارو
  مل جائے گی ہر چیز جہاں میں لیکن ☆ ماں جیسی حقیقت نہ ملے گی یارو

اشک کی رباعی میں آگے بڑھنے کی تلقین بھی ملتی ہے۔ وہ لوگوں کو باعزم رہنے، آگے بڑھنے اور ترقی کرنے کا پیغام دیتے ہیں۔ کیا وہ اس معاملے میں اقبال کے ہم خیال یا ان کے خیال کی پیروی کرتے ہوئے نظر نہیں آتے :

زشر ستارہ جوئم ز ستارہ ماہتابے (آفتابے)
سر منزل ندارم کہ بمیرم از قرارے (اقبال)

اک قطرۂ دریا ہے تو دریا ہو جا ☆ اک ذرّہ صحرا ہے تو صحرا ہو جا
اس طرح گذار اشک حدوں سے اپنی ☆ اک شخص اگر تو ہے تو دنیا ہو جا

جمیل مظہری نے کچھ اسی طرح کا خیال اپنے ایک شعر میں پیش کیا ہے :

موتی بن کر کیا حاصل جب اپنی حقیقت ہی کھودی ☆ قطرے کے لئے یہ لازم تھا قلزم ہوتا دریا ہوتا

ابراہیم اشک نے بڑا معصوم اور فطرت شناس دل و دماغ پایا ہے۔ وہ پرندوں اور یہاں تک کہ ذرّوں سے بھی باتیں کرنے کی خواہش رکھتے ہیں :

چڑیوں سے ملے، پھول سے باتیں کرلیں ☆ راہوں میں پڑی دھول سے باتیں کرلیں
ہم لوگ ہیں دیوانے اگر یاد آئی ☆ اپنی ہی کسی بھول سے باتیں کرلیں

ان کی اس رباعی سے ان کی معصومیت اور نادانی کی تصویر بھی دیکھتے چلئے :

دنیا کے ستم دیکھ کے حیران ہے دل ☆ ہر شام و سحر اور پریشان ہے دل
آیا ہے اچانک جو خیال محبوب ☆ خوش ہونے لگا دیکھئے نادان ہے دل

'اے روشنیٔ طبع کہ برمن بلاشدی' کی بھی ایک مثال دیکھئے :

انجان ہی رہتے تو بہت اچھا تھا ☆ بے دھیان ہی رہتے تو بہت اچھا تھا
دوڑایا بہت علم و ہنر نے ہم کو ☆ نادان ہی رہتے تو بہت اچھا تھا

اشک کو اپنی تہذیب و تمدن بہت ہی پیارا ہے اور وہ چاہتے ہیں کہ لوگ اپنی تہذیب اور اپنے تمدن سے بیگانہ نہ ہو جائیں :

تہذیب و تمدن کی وراثت مت چھوڑ ☆ نادان سرابوں کے پیچھے مت دوڑ
جس روز جڑوں سے تو اکھڑ جائے گا ☆ اس روز بہت مہنگی پڑے گی یہ دوڑ

عصری مسائل کی جھلک اس رباعی میں صاف نظر آتی ہے :

ہتھیار نئے ہم جو بنا کر آئے ☆ خود اپنی تباہی کو بڑھا کے آئے
کس درجہ نئے دور میں ہم آگے بڑھے ☆ تلوار گئی بم کے دھماکے آئے

اور اس رباعی میں عشق و رومان کی جھلک نظر آئے گی :

وہ صبح ہوئی بھور کا تارا ٹوٹا ☆ ہاتھوں سے مرے ماہ کا دامن چھوٹا
مرجھائی ہوئی سیج پہ ڈالی جو نظر ☆ رنگ اس کا کھلا جیسے کہ بوٹا بوٹا

''بخال ہندوش بخشم سمرقند و بخارا کا ذکر بطور دیگر اس رباعی میں دیکھئے :

آجانِ وفا تجھ کو صدا دیتا ہوں ☆ اس ناز سے میں داد وفا دیتا ہوں
اک تل پہ سمرقند و بخارا کیا ہیں ☆ میں دونوں ہی عالم کو لٹا دیتا ہوں

یہ رباعی بھی اپنے انداز میں قاری کو اپنی طرف کھینچتی ہے۔ اس رباعی میں فراق گورکھپوری کی بھی آواز جیسے شامل ہوگئی ہو :

پایل وہ بجی ہاتھ کے کنگن کھنکے ☆ احساس میں جیسے کئی گھونگھرو چھنکے

الفاظ سے پھر میں نے بنائی تصویر ☆ وہ آئے تصور میں رباعی بن کے

اوراس کے بعد اس رباعی پر بھی نظر ڈالئے اس میں بھی وہی شوخی کا انداز ہے :

چنچل ہے بہت اور بہت ہے نٹ کھٹ ☆ بجلی کی چمک ہے کہ آتش کی لپٹ
دن رات کی آہٹ ہے اسی کے دم سے ☆ یہ چاند یہ سورج ہیں کروٹ کروٹ

ان رباعیات کو پڑھ کر یہ اندازہ ہوتا ہے کہ وہ فراق گورکھپوری کی رباعیات سے بہت زیادہ متاثر ہیں اوران کے رنگ اوران کے انداز کو اپنانے کی کوشش کی ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ فراق نے اردو رباعی کو نیا رنگ اور روپ دیا ہے اوران کی رباعیوں کے مجموعہ "روپ" سے اس حقیقت کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ میں یہ کہنے میں ذرا ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتا کہ فراق کی رباعیاں اردو رباعیوں میں ایک نئی اور خوش آئند آواز ہے۔

فراق کے رنگ میں اشک کی چند اور رباعیات کا مطالعہ کیجئے :

- یہ دھیمے سروں میں جو بجتا ہے ساز ☆ آتی ہے کہیں دور سے اس کی آواز
  دل ایسے مرا اک بار دھڑک جاتا ہے ☆ کھل جائے کبھی جیسے انجانا راز
- بورائی ہوئی جیسے کہیں امرائی ☆ بہتی ہوئی مدہوش کہیں پروائی
  جو بن ہے کہ انگ انگ کھلا ہی جائے ☆ ہر ایک ادا اُس کی نئی انگڑائی
- سینے کے ابھاروں میں مہتاب ہیں بند ☆ وہ مست سراپا ہے شرنگار کا چھند
  اک بار گزر جائے وہ جس رستے سے ☆ اس راہ کے ذرّوں میں بس جائے سگند
- کنگن کہیں کھنکا کبھی چوڑی کھنکی ☆ دل نے سنی آواز ترے گنجن کی
  محسوس ہوا ڈالی گلے میں باہیں ☆ پوری ہوئیں کچھ یوں بھی مرادیں من کی

ان موضوعات کے علاوہ انہوں نے موجودہ مسائل پر رباعیات کہی ہیں۔ جن میں عراق اور کارگل کا بحران اور مسئلہ شامل ہے۔ ان کی رباعیوں میں انسانی ہمدردی اور اخلاقیات کے موضوعات بھی ملتے ہیں۔ بعض رباعیوں کو پڑھ کر یہ گماں گزرتا ہے کہ ان میں ایک آنچ کی کمی رہ گئی ہے۔ بہرحال ان کی رباعیوں کے مطالعے سے یہ بات عیاں ہوجاتی ہے کہ رباعی کہہ لینے کا فن ان کو آتا ہے اوراس کے موضوعات میں انہوں نے بھی خاطر خواہ اضافہ کیا ہے۔

فلیٹ نمبر۔ G-09 ۔ صائمہ کلاسکس ۔ گلشن اقبال ۔
بلاک 10-A ۔ راشد منہاس روڈ ۔ کراچی ۔ 75300 (پاکستان)

ڈاکٹر محمد محفوظ الحسن

ابراہیم اشک کی رباعیاں: ایک مطالعہ

رباعی عربی کا لفظ ہے۔ اس کا مادہ 'ر ب ع' ہے۔ ربع کے معنی چوتھائی، چار، وغیرہ ہوتے ہیں۔ ادب میں رباعی شاعری کی ایک صنف ہے، ایسی صنف جو چار مصرعوں پر مشتمل ہو، اس شرط کے ساتھ کہ اس کا پہلا، دوسرا اور چوتھا مصرعہ ہم قافیہ وہم ردیف ہو، چاروں مصرعوں کا وزن اور بحر ایک ہی ہو۔

بحر و وزن کی بات آ گئی ہے تو یہ عرض کرتا چلوں کہ عروض دانوں نے اس صنف کے لئے بحر مخصوص کر دی ہے اور وزن بھی (یعنی رباعی بحر ہزج کی زحاف میں ہی کہی جا سکتی ہے اور اس سلسلے میں بحر ہزج کی ۲۴ رزحانات مخصوص ہیں، بعضوں نے اس کی تعداد سینکڑوں تک بتائی ہے) میں عروض سے اتنا واقف نہیں مگر جو تھوڑی بہت نصابی شد بد حاصل ہے اس کی بنا پہ کہنے پر مجبور ہوں کہ عروضیوں کی اس زیادتی نے اس صنف میں شاعروں کے لئے تجربات کے دروازے اپنے طور پر بند کر دیئے ہیں۔ اس طرح ان کی اختراعی قوت پر قدغن لگا دی گئی ہے کہ اگر کسی عالی ظرف فنکار اور عظیم شاعر نے اس حد بندی کو نامنظور کرتے ہوئے اپنے فکری وفنی اجتہاد کا ثبوت دیتے ہوئے دوسری شرائط کی پابندی کرتے ہوئے، بحر و وزن کی پابندی سے انحراف کرتے ہوئے اس صنف میں طبع آزمائی کی ہے تو اسے صنف رباعی ماننے سے ہی انکار کر دیا گیا ہے۔ واضح ہو کہ رباعی کے لئے ہزج کی سالم بحروں کے استعمال کی بھی اجازت عروضیوں نے نہیں دی ہے۔ جب شاعری کی دوسری اصناف مثلاً قصیدہ، غزل، مرثیہ، مثنوی وغیرہ کے لئے کسی مخصوص بحر و وزن کی قید نہیں تو پھر رباعی کا شاعر اس قید و بند کی صعوبت کیوں برداشت کرے؟ اس آزادی کے زمانے میں جب غزل آزاد ہو گئی، نظم آزاد ہو گئی حتی کی نثری ہو گئی۔ رباعی کا شاعر لکیر کا فقیر ہی بنا رہے؟

ابھی حال ہی میں ڈاکٹر محمد منصور عالم نے اقبال کی رباعیوں پر گفتگو کرتے ہوئے اس سلسلے میں اچھی گفتگو کی ہے۔ وہ عروضیوں کی طے کردہ حد بندی کو توڑنے کی جرأت رندانہ کو فنکارانہ ہنرمندی۔ اجتہادفنی اور تجربات کے اختراعی امکانات کی تلاش سے تعبیر کرتے ہوئے رباعی گو شاعر کو بھی آزاد فضا میں سانس لینے کی وکالت بڑی خوبی سے کی ہے۔ میرا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ ہر رباعی گو شاعر اس حد بندی کو توڑنے پر کمر بستہ ہو جائے۔ میری مراد صرف یہ ہے کہ جب دوسری اصناف سخن کو کسی مخصوص بحر و وزن تک ہی محدود نہ رکھنے کی آزادی حاصل ہے تو پھر رباعی کا کیا قصور ہے کہ اسے ایک کوزے میں بند کر دیا جائے اور ایک چوکٹھا اس کے بنا کر انچ ٹیپ لے کر اس کی ناپ شروع کر دی جائے۔ ہر بحر میں بے دھڑک کود جانے اور تیرنے کی آزادی

اسے بھی نصیب ہونی چاہئے اور ہر وہ تجربہ جو چار مصرعوں میں کیا جائے اور جن کا پہلا، دوسرا اور چوتھا مصرع ہم قافیہ وہم ردیف ہو، ہم وزن ہو اسے رباعی مان لیا جانا چاہئے خواہ اس کی بحر کوئی بھی ہو۔ یا نہیں تو کم از کم ہزج کی مختلف سالم بحریں ہی ہوں۔ یہ کیا ضروری ہے کہ ''لاحول ولاقوۃ الا باللہ'' یا پھر ''غلطاں غلطاں ہمی رود تا لب گو'' کا وزن و بحر ہی رباعی کے لئے مختص ہو، اگر فن عروض کے موجد خلیل بصری نے ہی یہ وزن طے کر دیا ہے تو مجھے کچھ نہیں کہنا ہے اور اگر اس نے یہ قید نہیں لگائی ہے تو پھر ہمیں یہ حق کیسے مل گیا اور کس نے دیدیا؟ میں پہلے ہی عرض کر چکا ہوں کہ مجھے عروض کا علم نہیں ہے۔ اور یہ میری بالکل ذاتی رائے ہے کہ میں اس کے ماننے پر کسی کو مجبور نہیں کر رہا ہوں کہ میں ایسا کر بھی نہیں سکتا اور نہ مجھے اس کا حق حاصل ہے۔ مگر ساتھ ہی ساتھ کسی کو یہ حق بھی حاصل نہیں کہ وہ مجھے اپنی رائے کے اظہار سے روکے۔

بہر کیف یہ تو ایک جملہ معترضہ تھا۔ دراصل میرا مقصد ابراہیم اشک کی رباعی پر گفتگو کرنا ہے۔ یہیں میں یہ واضح کر دوں کہ میں اپنی گفتگو میں اس کے وزن و بحر پر کوئی گفتگو نہیں کروں گا، اس گفتگو میں میرا مدعا صرف یہ دیکھنا ہوگا کہ جن مضامین و موضوعات کو شعری قالب میں ڈھالا گیا ہے ان کی پیش کش میں اصطلاحی تعریف کا خیال رکھا گیا ہے یا نہیں؟ اور یہ کہ کیا کہا گیا ہے اور کیسے کہا گیا ہے، یعنی موضوعات و مضامین کے بیان میں فکری اور اسلوبی نیا پن ہے یا نہیں؟ یہ مانگے کا اجالا ہیں یا ان میں فنکار کا اپنا لہو بھی شامل ہے۔

رباعی کے مضامین و موضوعات محدود نہیں، مگر عام طور پر سنجیدہ، متین، اخلاقی، فلسفیانہ، متصوفانہ، مضامین کی پیشکش رباعی میں زیادہ کی گئی ہے۔ ہاں خمریات بھی بعض شاعروں کا پسندیدہ موضوع رہا ہے۔ یہ شراب، شراب معرفت بھی ہو سکتی ہے اور انگور کی بیٹی بھی، مگر ایسا نہیں کہ اس کے علاوہ مضامین و موضوعات کی پیش کش سے رباعی کا دامن خالی ہے۔ رباعی میں بھی، گھر آنگن، آس پاس، سماجی و معاشرتی، سیاسی و مذہبی، ملکی و بین الاقوامی زندگی کی ترجمانی کی پوری گنجائش ہے اور شعرا نے ایسا کیا بھی ہے۔

ہاں تو میں کہہ رہا تھا کہ رباعی چار مصرعوں پر مشتمل شعری صنف ہے۔ پہلے تین مصرعے شاعر اپنی بات کہنے کے لئے عقبی زمین کے طور پر تیار کرتا ہے اور چوتھا مصرعہ اس کے مدعا کا با مقصد اختتام ہوتا ہے۔ رباعی کا شاعر اپنی بہترین تخلیقی صلاحیتوں کا استعمال کرتے ہوئے فکر و فن پر اپنی گرفت اور قدرت اظہار و بیان پر عبور کا ثبوت فراہم کرتا ہے۔ رباعی میں کمال کا حصول بے حد دشوار ہے۔ اس صنف میں کامیابی اسے ہی حاصل ہوتی ہے جس کا مطالعہ گہرا اور ہمہ گیر ہوتا ہے، جس کے اندر حکیمانہ بصیرت ہوتی ہے۔ جس کا مشاہدہ تیز، ادراک و شعور پختہ اور دل حساس اور بیدار، تجربات کی دنیا متنوع اور رنگا رنگ ہوتی ہے۔

ابراہیم اشک نے غزلوں پر بھی طبع آزمائی کی ہے اور گیت بھی لکھے ہیں، فلموں میں بھی ان کے نغموں

کا رنگ و نور بکھرا ہے اور شہرت و مقبولیت ان کے ہم رکاب رہی ہے۔ میرے سامنے اس وقت ان کی رباعیاں ہیں اور مجھے ان پر ہی گفتگو کرنی ہے۔ رباعیوں پر کسی گفتگو سے پہلے میں یہ چاہتا ہوں کہ چند رباعیاں آپ کی نذر کروں کہ ان ہی رباعیوں کو بنیاد بنا کر آگے گفتگو کی جائے گی۔

- گنجینہ معنی کا ہنر لایا ہوں ☆ الفاظ میں انوار گہر لایا ہوں
  اے ظلمت تاریخ ادب تیرے لئے ☆ دامن میں رباعی کے سحر لایا ہوں
- تخلیق ادب میں نہ ملاوٹ اچھی ☆ باتوں میں نہ شاعر کی لگاوٹ اچھی
  ہے کار گہہ شیشہ گری اشک یہ فن ☆ فن کار کے حق میں نہ گراوٹ اچھی
- اللہ کی بخشش ہے ہمارا یہ قلم ☆ کرتے ہیں محبت کو ہر دل پہ رقم
  گرنے نہ دیا ہم نے معیار سخن ☆ تہذیب و تمدن کا رکھا ہے بھرم
- اجداد سے پہچان نہیں ہے میری ☆ بخشی ہوئی ہر گز نہ زمیں ہے میری
  ہر ذرہ درخشاں ہے میری کوشش سے ☆ روشن مرے سجدوں سے جبیں ہے میری

ان رباعیوں سے جو باتیں عیاں ہوتی ہیں وہ یہ کہ اس فن میں انہوں نے کسی کی پیروی نہیں کی ہے۔ یہ عطیہ خداوندی ہے۔ کسی کی نقل محض یا تقلید نہیں۔ یہ فن کار گہہ شیشہ گری ہے اس لئے ہر ہر قدم سنبھل کر اٹھایا گیا ہے اور معیار سخن کو برقرار رکھنے کی کوشش کی گئی ہے۔ الفاظ کا انتخاب ناپ تول کر کیا گیا ہے اس لئے دن میں گنجینہ معنی کا ہنر صاف جھلکتا ہے۔

مضامین و موضوعات اور اسلوب و انداز بیان کے تعلق سے اشک کے اس بیان کو آپ چاہیں تو نقلی (جس کی شاعر کو اجازت ہے) بھی مان سکتے ہیں۔

میرے پیش نظر جو رباعیاں ہیں ان کے مطالعہ سے یہ بات بہر حال واضح ہوتی ہے کہ ممکن ہے مضامین و موضوعات کے انتخاب میں، ان کی پیشکش میں، اظہار و بیان میں اشک کے اپنے تجربات و مشاہدات سموئے گئے ہوں مگر جہاں تک پیمانہ کے انتخاب کا تعلق ہے اشک نے اگلوں کی روایت کو ہی دہرایا ہے۔ یعنی ان کے یہاں بھی شروعات حمد و نعت و منقبت سے ہی ہوئی ہے۔ اور یہ بات ہے کہ ان کا انداز جدا ہے۔ چند رباعیاں ملاحظہ ہوں۔

- اللہ ہمارا ہے ، ہمارا اللہ ☆ قرآن ہمارا ہے ہمارا واللہ
  اسلام ہمارا ہے ہمارا ایماں ☆ آغاز ہمارا ہے اشک بسم اللہ
- سر چشمہ ایمان ہیں حالات رسول ☆ گنجینہ دوراں ہیں کلمات رسول

انسان کی عظمت کو بڑھانے والے ☆ ظلمت میں چراغاں ہیں بیانات رسول

- سیرت پہ محمد کے جو قربان ہوئے ☆ اخلاص و محبت سے انسان ہوئے
  وہ لوگ مثالی ہیں زمانے کے لئے ☆ آداب وفا سے جو مسلمان ہوئے
- دکھلا یا جواں عزم کسے کہتے ہیں ☆ منوایا کہ اسلام اسے کہتے ہیں
  فرمایا محمد نے کہ خالد ہیں یہی ☆ اللہ کی تلوار جسے کہتے ہیں
- روشن ہے زمانے میں کردار حسین ☆ ہے سچا مسلمان طرفدار حسین
  اے اشک سنور جائے مقدر اس کا ☆ ہو جائے جسے خواب میں دیدار حسین
- مظلوم نہ بیکس تھے حسین ابن علی ☆ بے آس نہ بے بس تھے حسین ابن علی
  مفہوم شہادت کا بتانے والے ☆ ہر حال میں چوکس تھے حسین ابن علی

آپ نے محسوس کیا ہوگا کہ حمد ہو یا نعت، سیرت صحابہ ہو، فلسفہ شہادت ان پر اشک کی نظر نہ صرف گہری ہے بلکہ ان پر روشنی بھی انہوں نے اپنے مخصوص انداز میں ڈالی ہے۔ نہ مظلوم نہ بے بس نہ آس نہ بیکس بلکہ ہر حال میں چوکس رہ کر شہادت کا مفہوم بتانے کہہ کر اشک نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے کردار کی اس بلندی اور عظمت کی طرف اشارہ کیا ہے جس کی بنا پر انہیں اہل جنت کا سردار کہا گیا ہے، عقیدت سے پرے تاریخی حقائق کی روشنی میں علوئے فکر و خیال کے ساتھ لطف زبان و بیان کے لحاظ سے گنجینۂ معنی کا ہنر اور الفاظ میں انوار کے گہر کے مترادف ہے۔

آیئے اب یہ بھی دیکھیں کہ دوسرے مضامین و موضوعات کے برتاؤ میں اشک کا رویہ کیا ہے۔ اشک کی رباعیوں کا مطالعہ یہ بتاتا ہے کہ رباعیوں میں انہوں نے ہر طرح مضامین و موضوعات کو سمونے کی کوشش کی ہے۔ اس میں عصری، سماجی و معاشرتی زندگی بھی ہے اور دلوں کی دھڑکن بھی، محبت کی لہریں بھی ہیں اور شراب کی مہک و چمک بھی۔ انسانی عظمت و رفعت کا نغمہ بھی ہے اور دنیا کی ناپائداری کا بیان بھی بدلتے سیاسی منظر نامے پر بھی ان کی نگاہ ہے اور ملکی و ملی مسائل بھی ان کی نظروں سے پوشیدہ نہیں۔

ابراہیم اشک کو اپنی تہذیبی اقدار بہت عزیز ہیں۔ وہ تہذیب جسے مشرقی تہذیب کہا جاتا ہے۔ اشک کی پرورش و پرداخت میں اس تہذیبی ورثے نے بڑا اہم رول ادا کیا ہے۔ مشرقی تہذیب میں ماں کو بڑی اہمیت حاصل ہے محض اس لئے نہیں کہ مذہب نے ماں کے تقدس کا درس دیا ہے بلکہ اس ہندوستانی ہونے کے ناطے بھی جہاں عورت بذات خود مقدس تصور کی جاتی ہے اشک نے ماں کی ممتا کا جو بے مثال روپ دیکھا ہے اس نے انہیں یہ کہنے پر مجبور کیا ہے کہ :

❖ ابراہیم اشک اور فنِ رباعی	شبیر احمد	۹۳
❖ ابراہیم اشک: کارگہِ شیشہ گری کا رباعی گو	فراغ روھوی	۹۸
❖ ابراہیم اشک بحیثیت رباعی نگار	ڈاکٹر سیفی سرونجی	۱۰۴
❖ ابراہیم اشک: مقبول رباعی گو	ڈاکٹر محمد نوشاد عالم آزاد	۱۰۹
❖ ابراہیم اشک: نئی نسل کا نمائندہ رباعی گو	محمد متین ندوی	۱۲۲
❖ ابراہیم اشک: اُردو رباعی کا ایک اہم اشاریہ	مشتاق انجم	۱۲۶
❖ ابراہیم اشک اور رباعی کا فن	رفیق جعفر	۱۲۹
❖ ابراہیم اشک: خیام سے بہتر رباعی گو	قمر برتر	۱۳۴
❖ ابراہیم اشک: تازہ کار رُباعی گو	اصغر ویلوری	۱۳۸
❖ ابراہیم اشک: مجتہد و منفرد رُباعی گو	رفیق شاہین	۱۴۲
❖ ابراہیم اشک کی چھ رباعیات اور چوبیس اوزان	معراج احمد معراج	۱۴۶
❖ ابراہیم اشک: اور رباعی کا فن	ڈاکٹر افضال عاقل	۱۵۳
❖ ابراہیم اشک کی رباعی میں تخلیق توانائی	ڈاکٹر آفاق عالم صدیقی	۱۶۱
❖ ابراہیم اشک کی تجرباتی رباعیاں	ڈاکٹر محمد شفیع مہوبوی	۱۶۵
❖ ابراہیم اشک: منفرد رباعی گو	ضیا فاروقی (سندیلوی)	۱۷۱

☆☆☆

- سوچو تو کوئی پھول کی ڈالی ماں ہے ☆ بچوں کے چمن زار کی مالی ماں ہے
  قدموں میں جو جنت کو لئے پھرتی ہے ☆ رتبے میں زمانے سے نرالی ماں ہے
- ماں جیسی محبت نہ ملے گی یارو ☆ ماں جیسی عنایت نہ ملے گی یارو
  مل جائے گی ہر چیز جہاں میں لیکن ☆ ماں جیسی حقیقت نہ ملے گی یارو

آج جب مغربی تہذیب کی چمک دمک، چکا چوند اور نقالی نے باپ کو خبطی اور ماں کو بے کار محض تصور کرانے میں کوئی کسر باقی نہیں چھوڑی ہے۔ ایسے حالات میں اشک کو ماں کا زمانے سے نرالی نظر آنا، بچوں کے چمن زار کا مالی بتانا، اسے پھولوں کی ڈالی کے بغیر کرنا، ہر چیز کی دستیابی کے مقابلے میں ماں کی عدم دستیابی کا احساس کرانا اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ اشک کو اپنی تہذیب و ثقافت اور کلچر، روایت و وراثت سے نہ صرف پوری واقفیت ہے اور اس وراثت کو وہ نہ صرف سینے سے لگائے رکھنا چاہتے ہیں بلکہ دوسروں کو بھی وہ یہی بتانا چاہتے ہیں کہ وہ اپنے اس قیمتی اثاثے کو ضائع نہیں ہونے دیں :

تہذیب و تمدن کی وراثت مت چھوڑ ☆ نادان سرابوں کے پیچھے مت دوڑ
جس روز جڑوں سے تو اکھڑ جائے گا ☆ اس روز بہت مہنگی پڑے گی یہ دوڑ

. ابراہیم اشک نے عام رباعی گوئی کی روایت کا احترام کرتے ہوئے جہاں اپنی رباعیوں میں اخلاقی، متصونامہ، فلسفیانہ اور سنجیدہ مضامین کو پیش کیا ہے۔ وہیں انہوں نے اس بات کا بھی خیال رکھا ہے کہ ان کا اسلوب و لہجہ واعظانہ یا ناصحانہ نہ ہو۔ وہ کام کی باتیں نہایت ہی سادہ انداز میں بڑے سلیقے سے کر جاتے ہیں۔ چند رباعیاں ملاحظہ ہوں۔

- مغرور نہ ہو عقل یہ اپنی ناداں ☆ کیوں شہرت و عزت پہ ہوا ہے نازاں
  جھونکے سے ہوا کے تو بکھر جائے گا ☆ چٹکی ہے بس خاک کی، کیا ہے انساں
- وہ حسن دو آئینہ امکان ہوا ☆ ہر ذرہ بصد مہر کی پہچان ہوا
  پھر بھی نہ ملا مرتبہ علم و شعور ☆ حقدار ہوا اس کا تو انسان ہوا
- کس بات پہ اتراتا پھرے ہے یہ مرد ☆ ہر سمت ہے دنیا میں بکھرا ہو درد
  پوچھے گا نہیں شہر خموشاں میں کوئی ☆ رہ جائے گی اڑتی ہوئی اپنی یہ گرد
- جب تک نہ ہو شگفتہ غنچہ حیات ☆ پوشیدہ رہے اس کی ہستی کا حجاب
  جس لمحہ سر موج وہ کھل جاتا ہے ☆ اے اشک بکھر جاتا ہے سانسوں کا حساب

آپ نے محسوس کیا ہوگا کہ ان رباعیوں میں کوئی نئی بات نہیں کہی گئی ہے۔ مگر جو بات بھی کہی گئی ہے

اُس کا انداز نیا ہے اشک کا اپنا ہے۔ اور یہی اشک کی کامیابی کی دلیل ہے۔

اشک کی آنکھیں کھلی ہیں، دنیا کے منظر نامے پر ان کی نگاہ ہے۔ انسان ترقی، سائنس کی جلوہ گری اگر انسانوں کے فائدے کے لئے ہے تو کوئی بات نہیں، مگر اگر اس کا استعمال، انسانوں کی ہلاکت کا سبب ہے تو یہ انسانیت کے نام پر بدنما داغ کہا جائیگا۔ تاریخ ایسے اقدام کو نا قابل معافی جرم کے طور پر ہمشہ ہمیشہ کے لئے محفوظ کر لے گی۔ مگر آج کا انسان، انسانیت کے نام پر وحشت و بربریت کا ننگا ناچ دکھا رہا ہے۔ بموں کے دھماکے کے لئے کائنات کے نظام کو عدم استحکام کی طرف لے جانے پر آمادہ ہے۔ یہ عہد اس لحاظ سے پوری انسانی آبادی کے لئے بڑا صبر آزما ہے۔ شاعر بہت متفکر ہے، وہ عقل انسانی پر متحیر بھی ہے۔ اسے یہ سمجھ میں نہیں آرہا ہے کہ یہ کیسے رہبر ملک وقوم ہیں جو بارود کے ڈھیر پر بیٹھ کر حکمرانی عالم کا خواب دیکھ رہے ہیں :

- سوچا نہ جسے وہ انہونی دیکھی ☆ ہر اک کی سمجھ ہم نے بونی دیکھی
  منظر جو ہوا صاف تو معلوم ہوا ☆ ملکوں کی سیاست بھی گھنونی دیکھی
- سچ بات کوئی کہنے کو تیار نہیں ☆ اجلاس میں دنیا کی صلح کار نہیں
  ملکوں کی سیاست کا عجب ہے نا ٹک ☆ کمزور کا کوئی بھی طرفدار نہیں
- ہتھیار نئے ہم جو بنا کے آئے ☆ خود اپنی تباہی کو بڑھا کے آئے
  کس درجہ نئے دور میں ہم آگے بڑھے ☆ تلوار گئی بم کے دھماکے آئے
- سامان تباہی کا لئے بیٹھے ہیں ☆ سب جنگ کا اعلان کئے بیٹھے ہیں
  ایٹم بموں کی ہوڑ لگی ہے ایسی ☆ سر موت کے جبڑے میں دیئے بیٹھے ہیں

مشاہدہ حق کی گفتگو کا بادہ و ساغر کہے بغیر نہ بنتا کہہ کہ غالب نے شاعری میں استعارہ تلمیح، علامت سازی، پیکر تراشی کی اہمیت وافادیت کی طرف نہ صرف نشان دہی کر دی ہے بلکہ ان کے استعمال سے اپنی شاعری کو علوئے فکر اور، بلندی خیال کی انتہائی منزل تک پہنچا دیا ہے۔

دوسرے شعرا نے بھی اس کا سہارا لے کر اپنی شاعری کے حسن میں اضافہ کیا ہے۔ ابراہیم اشک کی رباعیوں کے مطالعہ سے یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ انہوں نے جہاں عصری عالمی منظر نامے پر نگاہ رکھی ہے۔ انسانی عظمت کے ترانے گائے ہیں وہیں یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ ان کا دل بھی کسی کی اداؤں سے گھائل ہوا ہے۔ کسی کی یاد ان کے دل میں بھی مچلتی ہے اور ایک عجیب قسم کی رومانی آنچ کا احساس کراتی ہے۔ کسی کے دل کے دھڑکنے کی صدا وہ بھی محسوس کرتے ہیں اور ان کے دل میں میٹھے میٹھے درد کا احساس ہوتا ہے اور یہ احساس اس وقت اور بڑھ جاتا ہے جب مدہوش مدماتی جوانی کا کنگن کھنکتا ہے، چوڑی کھنکتی ہے، سینے کا ابھار

نہیں مہتاب بند نظر آتا ہے۔ تشبیہات وعلائم واستعارات کے استعمال اور جس بصری، سمعی پیکروں کے ذریعہ انہوں نے اپنی رباعیوں میں ایک سحر کارانہ لطف پیدا کر دیا ہے۔ الفاظ کی بندش، تراکیب کی چستی، نئے خیالات کی ادائیگی میں بے پناہ حسن ولطافت پیدا کر دیا ہے :

- آنکھوں میں بسی رہتی ہے کوئی تصویر ☆ پاؤں میں پڑی رہتی ہے کوئی زنجیر
  آباد ہی رہتے ہیں محبت والے ☆ ارمانوں کی ہوتی ہے دلوں میں جاگیر
- سو رنگ دکھاتی ہے تری ایک ادا ☆ اس ایک ادا پر ہیں کئی لوگ فدا
  دنیا سے جدا ہوتی ہے فطرت جن کی ☆ وہ صورتیں کم کم ہی بناتا ہے خدا
- بھولے سے تری یاد جو آجاتی ہے ☆ اک اجڑے ہوئے قصر کو چمکاتی ہے
  پالیتا ہوں دم بھر میں زمانے کی خوشی ☆ جنت مرے قدموں میں چلی آتی ہے
- کنگن کوئی کھنکا کبھی چوڑی کھنکی ☆ دل نے سنی آواز ترے گجن کی
  محسوس ہوا ڈال گلے میں بانہیں ☆ پوری ہوئیں کچھ یوں بھی مرادیں من کی
- مسکان وہ آنکھوں میں حیا سی زیور ☆ ہر ایک ادا میں نیا اک تیور
  ہے نور سے پر نور سراپا اس کا ☆ ہر نقش قدم جیسے جہاں کا محور
- وہ روپ کا مدہوش چھلکتا ساگر ☆ سوندھی سی مہک جسم چھلکتا گاگر
  جی چاہے کہ ادھروں پہ ادھر رکھ کے کبھی ☆ پی جاؤں سراپا میں اسے لہرا کر
- سینے کے ابھاروں میں مہتاب ہیں بند ☆ وہ مست سراپا ہے شرنگار کا چھند
  اک بار گذر جائے وہ جس رستے سے ☆ اس راہ کے ذروں میں بس جائے سگند
- بورائی ہوئی جیسے کہیں امرائی ☆ بہتی ہوئی مدہوش کہیں پروائی
  جوبن ہے کہ انگ انگ کھلا ہی جائے ☆ ہر ایک ادا اس کی نئی انگڑائی

اشک اپنی ایک رباعی میں دعوی کرتے ہیں :

صوفی ہوں قلندر ہوں خدا والا ہوں ☆ میں عظمت انساں کی ادا والا ہوں
جو اہل نظر ہیں وہ سمجھتے ہیں مجھے ☆ اک بندۂ بے دام و فا والا ہوں

اشک کیا کیا ہیں اس سلسلے میں میں تو کچھ نہیں کہہ سکتا۔ مگر اتنا ضرور کہہ سکتا ہوں کہ اشک محبت کی اہمیت کو نہ صرف سمجھتے ہیں بلکہ محبت سے نباہ کی خاطر وہ زمانے بھر کا بوجھ اٹھانے کو تیار رہتے ہیں :

رشتے کئی ایسے بھی نبھائے ہم نے ☆ بے حال ہوئے زخم بھی کھائے ہم نے

اک بوجھ محبت کا اٹھانے کے لئے ☆ سو بوجھ زمانے کے اٹھائے ہم نے

اشک نے کلاسکی شاعری سے فیض حاصل کیا ہے۔ وہ شاعری کی تہذیب اور تاریخ دونوں سے واقف ہیں۔ وہ غزل کی روایت سے بھی آگاہ ہیں اور رباعی کی وراثت کے حامل بھی ہیں۔ ان کے خیال میں، رومی، سعدی، حافظ، خیام کے مطالعہ کے بغیر غزل و رباعی کی اہمیت کو نہ تو سمجھا جا سکتا ہے اور نہ ہی ان اصناف میں کمال حاصل کیا جا سکتا ہے۔ وہ ان شعرا کے شاعرانہ مرتبہ کو پہچانتے ہیں وہ ان کے فکر و فن کو سلام کرتے ہیں :

- اب اور نہ آلام کی باتیں کیجئے ☆ رنگین ہے شب جام کی باتیں کیجئے
  زندہ ہو غزل اور رباعی یارو ☆ کچھ حافظ و خیام کی باتیں کیجئے
- سعدی کی ذہانت نے لبھایا ہے مجھے ☆ افکار نے رومی کے رجھایا ہے مجھے
  خیام نے مے نوش بنا کر چھوڑا ☆ حافظ نے غزل کہنا سکھایا ہے مجھے
- ہے سب سے نرالی تری ہستی حافظ ☆ دل کش ہے تری بادہ پرستی حافظ
  کیوں عشق نہ ہو جائے تری غزلوں سے ☆ ہر شعر میں ہے عشق کی مستی حافظ

اشک کی رباعیوں کا یہ سرسری مطالعہ بتاتا ہے کہ اشک میں رباعی گوئی کی صلاحیتیں موجود ہیں۔ بعض ہندی کے کریہہ الفاظ کے استعمال سے بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاید انہیں مناسب اردو لفظ نہیں ملے، مگر رکئے، ہوڑ، اُدھر، بوراتی، امرائی، چھند، سگند وغیرہ الفاظ جو ان کی رباعیوں میں ملتے ہیں وہ اتنے موقع اور محل کے مطابق ہیں کہ ان الفاظ کی تبدیلی معنی کی ترسیل میں ناکامی کے المیہ سے دوچار کرا دے گی۔ اس لئے اگر ہم یہ کہیں کہ انہیں زبان و بیان پر قدرت ہے تو بیجا نہ ہوگا۔ مضامین و موضوعات کے انتخاب میں اشک نے تنوع کا ثبوت فراہم کیا ہے۔ مگر جہاں تک رباعی کے فن کا تعلق ہے انہوں نے رباعی کے مقررہ اوزان سے (میرے محدود مطالعہ عروض کی روشنی میں) انحراف کی کوئی شعوری یا غیر شعوری کوشش نہیں کی ہے۔

اردو رباعی گویوں کی فہرست میں ان کا نام کہاں ہوگا اور رباعی کی تاریخ میں ان کی کیا جگہ ہوگی یہ تو وقت ہی بتائے گا۔ میں اس سلسلے میں کوئی رائے نہیں دے سکتا۔ ہاں اتنا ضرور کہہ سکتا ہوں کہ اشک کی رباعیاں اپنے منفرد لہجے، لفظیات اور تیور کی وجہ سے مطالعے کی دعوت ضرور دیتی ہیں۔ ان کو پڑھ کر زبان و بیان دونوں کا لطف اٹھایا جا سکتا ہے۔

حمید منزل، روڈ نمبر -۲، نیو کریم گنج، گیا (بہار)

ڈاکٹر فراز حامدی

ابراہیم اشک: اختراع کار رباعی گو

ابراہیم اشک فلمی دنیا کے ایک کامیاب اور نامور نغمہ نگار ہیں۔ لیکن ادبی دنیا میں بھی ان کی حیثیت مسلّم ہے۔ عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ فلمی نغمہ نگار ادبی دنیا سے دور ہی رہنا پسند کرتے ہیں۔ جبکہ ابراہیم اشک ابتدا سے ہی ادبی دنیا سے اپنا رشتہ بنائے ہوئے ہیں۔ اردو اصناف پر انکی مشقِ سخن جاری ہے اور ان کی نگارشات مؤقر رسائل و جرائد میں اشاعت پذیر ہوتی ہیں۔ ان کے کئی شعری مجموعے منظر عام پر آکر شائقینِ ادب سے خراجِ تحسین وصول کر چکے ہیں۔

ابراہیم اشک صرف شاعر نہیں افسانہ نگار بھی ہیں، مکالمہ نگار بھی ہیں اور ناقد و محقق بھی ہیں۔ وہ اپنے تنقیدی مضامین کا مجموعہ ''تنقیدی شعور'' بھی اردو دنیا کو پیش کر چکے ہیں جس کی خاطر خواہ پذیرائی ہوئی ہے اور اس فلمی نغمہ نگار کا بحیثیت ایک بالغ نظر نقاد کے اردو دنیا میں پہچان قائم ہو چکی ہے۔ ابراہیم اشک نے اردو شاعری کی بیشتر اصناف میں اپنا زورِ قلم صرف کیا ہے اور اردو دنیا سے اپنا لوہا منوایا ہے۔

ابراہیم اشک شاعری میں تجربے بھی کرتے آئے ہیں، ''لعلن چہارن'' جیسی صاف ستھری صنفِ سخن کی ایجاد کا سہرا انہی کے سر بندھا ہے۔ وہ اپنی اس صنف کو اردو والوں سے متعارف کرانے میں حتی المقدور کوشاں رہے ہیں۔ علاوہ ازیں انہوں نے صنفِ غزل میں بھی تجربہ کیا ہے اور صنفِ غزل سے اپنی والہانہ محبت کا اظہار کیا ہے۔

ابراہیم اشک اپنی ہی ایجاد کردہ اصناف کے فروغ میں پیش پیش نہیں رہتے بلکہ دیگر کئی اصناف کو فروغ دینا بھی ان کے ادبی مقاصد میں شامل ہے۔ لہٰذا دوہا غزل، دوہا گیت، دوہا نظم، ٹنکا، رینگا کے فروغ میں بھی ان کی خدمات قابلِ ستائش ہیں۔ تخلیقی سطح پر ان اصناف کو انہوں نے بہت سلیقے سے برتا ہے اور اپنی قادر الکلامی کا ثبوت دیا ہے۔

جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ ابراہیم اشک اردو کے قدیم و جدید اصناف میں خاصی دلچسپی رکھتے ہیں۔ گزشتہ دس پندرہ سالوں سے صنفِ رباعی بھی ان کے اظہار میں شامل ہے اور جلد ہی وہ اپنی رباعیات کا مجموعہ منظرِ عام پر لانے کا مصمم ارادہ کئے ہوئے ہیں۔ موصوف ان دنوں اس صنف کے فروغ میں پیش پیش نظر آتے ہیں۔

جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ رباعی فارسی زبان وادب کی دین ہے اور ایران میں یہ صنف ابتدا سے ہی مقبول خاص وعام رہی ہے۔ یہاں کی ادبی محفلوں میں رباعی سننے اور سنانے کا چلن عام تھا لیکن اردو دنیا میں داخل ہونے کے بعد رباعی کو وہ مرتبہ حاصل نہیں ہو سکا جو ایران میں تھا۔ لیکن اردو شعرا نے اس صنف کا بھرپور خیر مقدم کیا ہے اور اس پر خصوصی توجہ دی ہے۔ ہر عہد میں اردو کے معتبر شعرا اس صنف سے جڑتے رہے ہیں اور آج بھی یہ سلسلہ جاری وساری ہے۔

ابراہیم اشک عہد حاضر کے رباعی گو ہیں اور اس صنف سے ان کی وابستگی لائق ستائش ہے۔ انہوں نے اس صنف کو برتنے میں بڑی دانشوری سے کام لیا ہے۔ ان کی رباعیات کے مطالعے سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ رباعی کے فن سے کماحقہ واقف ہیں۔ وہ اس کے محاسن ومعائب پر بھی خاصی قدرت رکھتے ہیں۔

ابراہیم اشک اپنے مواد وموضوع کو ایجاز واختصار کے ساتھ رباعی کے چار مصرعوں میں سمیٹنے کے تخلیقی ہنر سے واقف ہیں۔ ان کی رباعی کے چاروں مصرعے مربوط اور شعریت سے بھرپور ہوتے ہیں۔ چونکہ رباعی آسان لفظوں کی متقاضی ہوتی ہے لہٰذا ابراہیم اشک کی رباعیات سے اس بات کی تصدیق ہو جاتی ہے۔ انہوں نے اپنی رباعیات میں ثقیل لفظیات کا استعمال کرنا قطعاً پسند نہیں کیا۔ ان کی رباعیات کی بندش چست ہے۔ ان کی رباعیاں غنائیت سے بھرپور ہیں۔ ویسے بھی بحیثیت ایک نغمہ نگار موصوف لفظوں کی مناسب ترتیب سے غنائیت پیدا کرنے کا کمال رکھتے ہیں۔

ابراہیم اشک نے مختلف عنوانات کے تحت متعدد رباعیاں کہی ہیں جن سے ان کی رباعیات کی رنگارنگی وتنوع کا اندازہ بآسانی لگایا جا سکتا ہے۔ یعنی ایک رباعی گو کی حیثیت سے انہوں نے اپنے قلم کی جادوگری سے رباعی کے شائقین کو اپنی جانب متوجہ کر لیا ہے۔ ویسے بھی موصوف کی فکری وفنی صلاحیتوں کے پیش نظر ناقدینِ ادب نے بہت کچھ لکھا ہے جو مختلف رسائل وکتب میں شاملِ اشاعت ہیں۔

ابراہیم اشک کی ذیل میں درج رباعیاں بطور تمثیل ملاحظہ کریں :

- اِک نغمۂ دلدار بھی سُن لیتا ہوں ☆ باتوں کی وہ تکرار بھی سُن لیتا ہوں
  تنہائی میں آتا ہے کوئی جب چھم سے ☆ پازیب کی جھنکار بھی سُن لیتا ہوں
- سنگیت کا جادو بھی عجب ہوتا ہے ☆ ہر سُر میں کوئی جشنِ طرب ہوتا ہے
  دل چھوتی ہے آواز کسی کی جب بھی ☆ لگتا ہے بہت پاس میں رب ہوتا ہے
- حالات سے دوچار، پریشان بھی ہیں ☆ ہیں شک کی نگاہوں میں، پشیمان بھی ہیں
  لیکن یہ وفاداری کے زندہ ہیں ثبوت ☆ کرگل کے شہیدوں میں مسلمان بھی ہیں

کہا جاتا ہے کہ رُباعی ایک مشکل صنف ہے جسے چاول کے دانے پر قل ھواللہ لکھنے کا فن کہا جاتا ہے اور جس کی تخلیق کے لئے شاعر کا عمر رسیدہ اور پختہ کار ہونا ضروری ہوتا ہے۔ اس افواہ سے آج کے اردو شعرا بھی متاثر ہیں اور رباعی کے میدان میں اُترنے سے کتراتے ہیں۔ ہاں رباعی پہ طبع آزمائی کے لئے ایک مشاق شاعر کا ہونا ضروری ہے۔ ظاہر ہے کہ جب ایک شاعر مختلف اوزان و بحور میں غزلیں کہہ سکتا ہے تو اسے رباعی کے اوزان میں اپنے احساسات و جذبات کو شعری جامہ پہنانا کوئی دشوار کام نہیں ہے۔ ہاں، رباعی کہنے کے لئے شاعر میں ہمت اور حوصلے کا ہونا ضروری ہوتا ہے۔

ابراہیم اشک ایک کہنہ مشق شاعر ہیں جن میں ذہانت بھی ہے، جسارت بھی ہے، ہمت اور حوصلہ بھی لہذا اس صنف پر خاصا عبور حاصل کر چکے ہیں اور رباعی گو کی حیثیت سے وہ اپنا نام عہدِ حاضر کے رباعی گو شعرا کی پہلی صف میں لکھوا چکے ہیں۔

اردو شعری اصناف میں رباعی ہی ایک ایسی صنف ہے جس پر فنی اور عروضی بحث و مباحثے ہوتے رہتے ہیں۔ اس چار مصرعی صنف کو کثیر الاوزان ثابت کرنے کی کوششیں جاری رہی ہیں۔ ان میں سے کچھ دانشوروں نے اپنے تاثرات کا اظہار اس طرح کیا ہے :

نجم الغنی نے رباعی کے ۸۲ ہزار نو سو چوالیس اوزان پر زور دیا ہے۔ تو ڈاکٹر عنوان چشتی نے رباعی کے ایک لاکھ چوبیس ہزار چار سو سولہ اوزان بتائے ہیں۔ اسی طرح ڈاکٹر کرامت علی کرامت رباعی کے تین لاکھ اکتیس ہزار سات سو چھہتر اوزان کے قائل ہیں۔ لیکن ان اوزان سے بہت کم لوگوں کو اتفاق ہے۔ ہاں، رباعی کے چوبیس اوزان سے سبھی اتفاق رکھتے ہیں۔

علاوہ ازیں ماہر عروض رام چندر بھٹا گر المعرف بہ علام سحر عشق آبادی (میرٹھ کا پرانا نام عشق آباد تھا) کے بارہ اوزان اور ان کے شاگردِ رشید اوم پرکاش اگروال جو اردو دنیا میں زار علامی کے نام سے جانے پہچانے جاتے ہیں کہ اٹھارہ اوزان کو بھی دانشوروں نے تسلیم کیا ہے۔ اس طرح رباعی کے چون اوزان ہمارے سامنے آتے ہیں۔ زار علامی اپنی معرکتہ الآراء کتاب ''کلید عروض'' میں رقمطراز ہیں :

''ان چون اوزان کے بعد رباعی کے مزید اوزان تلاش کرنا بے معنی ہے۔''

اس کے باوجود شعرائے کرام رباعی کے چوبیس اوزان کو ہی تسلیم کرتے ہیں بلکہ ان میں کچھ کا کہنا ہے کہ رباعی جیسی مختصر نظم کے لئے یہ چوبیس اوزان بھی زیادہ ہیں۔ کچھ اس بات کے قائل ہیں کہ رباعی کے لئے وہی اوزان مناسب ہیں جن میں عملی افادیت برقرار ہے اور رباعی کا رنگ و آہنگ مجروح نہ ہو۔

ابراہیم اشک چوبیس اوزان سے اتفاق رکھتے ہیں۔ چونکہ وہ ایک باکمال نغمہ نگار بھی ہیں لہٰذا لے

اور آہنگ سے ان کا رشتہ گہرا ہے۔ وہ اپنی رباعیات میں آہنگ کا فقدان پسند نہیں کرتے۔ وہ انہیں اوزان میں رباعی کہنا پسند کرتے ہیں جس میں لے اور آہنگ برقرار رہے :

- کردار بنا کوئی ہوا ہے برتر ☆ معیار بنا جوہر کس کے بَل پر
  رکھ جو بھی انداز نرالا لیکن ☆ دل روشن ، دل روشن، دل روشن کر
- مِل جائے تیرا ساتھ مزا ہے بھرپور ☆ نزدیک ترے یہ دل رہتا مسرور
  مستی میں سرشار ہوا لے کر آئے ☆ ہر منظر ہر منظر ہر منظر چور

ابراہیم اشک صرف لعلن چہارن کے موجد ہی نہیں بلکہ صنفِ رباعی میں بھی ان کے تجربے قابلِ قبول ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ ان کی اختراعات کی اردو شعرا تقلید کریں گے۔

ابراہیم اشک نے بے نقوط رباعیات بھی لکھی ہیں، ملاحظہ ہو :

- ہاں علم و عمل کام ہمارا ٹھہرا ☆ دکھ درد کا حل کام ہمارا ٹھہرا
  احوال ہمارا ہے عالم عالم ☆ اس طور اٹل کام ہمارا ٹھہرا
- احساس کی وادی ہے ہر اور ہے درد ☆ عالم کی ہر اک راہ گرد ہی گرد
  محسوس ہوا دل کو لحہ لحہ ☆ اس راہ کا ہر اور موسم ہے سرد
- احوال کہا اُس سے رو رو کے کہا ☆ رومال سے لہو دھو دھو کے کہا
  ہلکا ہوا دردِ دل کسے ہے معلوم ☆ رُک رُک کے حواس کھو کھو کے کہا

ابراہیم اشک کا یہ تجربہ بھی ملاحظہ فرمائیں جس میں انہوں نے صرف قافیہ و ردیف سے اپنی رباعی کو مکمل کیا ہے :

- سر درد محبت میں مزا دیتا ہے ☆ ہر درد محبت میں مزا دیتا ہے
  یہ درد بری چیز ہے مانا ہم نے ☆ پر درد محبت میں مزا دیتا ہے
- ہو جائے محبت تو دِوانہ کردے ☆ کھو جائے محبت تو دِوانہ کردے
  یا ہم سے گلے مل کے اکیلے میں کہیں ☆ سو جائے محبت تو دیوانہ کردے

اس تجرباتی رباعی میں ابراہیم اشک صاحب نے دو قافیوں اور ردیفوں کا استعمال کیا ہے :

گھر چھوڑ کے فرزانے نکل جاتے ہیں ☆ در چھوڑ کے مستانے نکل جاتے ہیں
دنیا کے لئے دار و رسن پر اپنے ☆ سر چھوڑ کے دیوانے نکل جاتے ہیں

ایک اور تجرباتی رباعی دیکھیں جس میں ابراہیم اشک کی فنکاری اور حسن کاری بخوبی جھلکتی ہے :

انکار ہے، اقرار ہے، تکرار ہے حسن ☆ سنگھار ہے، گلزار ہے بلہار ہے حسن
دلدار ہے، فنکار ہے، خوددار ہے عشق ☆ اس پار نہ اُس پار ہے منجدھار ہے حسن

یہ تجربہ بھی دیکھیں کہ جس میں اشک صاحب نے تکرار لفظی سے اپنی رباعی کو متنوع بنایا ہے :

اے جانِ وفا، جانِ وفا، جانِ وفا ☆ ہے خوب ادا، خوب ادا، خوب ادا،
بس یونہی سلامت تجھے اللہ رکھے ☆ یہ میری دعا، میری دعا، میری دعا

الغرض ابراہیم اشکؔ نے صنفِ رباعی کو بڑی سنجیدگی، ذمہ داری اور احتیاط سے برتا ہے، انہوں نے اس کے رنگ و آہنگ میں مزید دلکشی پیدا کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے اور اس چار مصرعی صنف میں تجربے بھی کئے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ رباعی جیسی قدیم صنفِ سخن میں ان کے تجربوں کو ادبی دنیا میں سراہا جائے گا اور اس صنف سے دلچسپی رکھنے والے شعرائے کرام ان کے تجربوں کی تقلید بھی کریں گے۔

123 جے بی کالونی سیکٹر نمبر-۱ امانی شاہ روڈ شاستری نگر
جے پور 302016 (راجستھان)

☆☆☆☆☆
☆☆☆

ڈاکٹر اسلم حنیف

ابراہیم اشک کے قابلِ قدر تجربے صنف رباعی میں

آٹھویں دہے کے جن نوجوان فنکاروں نے اردو ادب میں قائم تحریکوں کے وجود اور تخلیق کے محدود وضائف کے خلاف عملی سطح پر لاتحریکی ادب کی بنیادوں کو لاشعوری طور پر مستحکم کرنے میں پیش رفت کی ہے ان میں ابراہیم اشک کا نام بھی قابل ذکر ہے۔

ابراہیم اشک ایک امتزاج پسند فنکار ہیں اور ان کا فکری اور عملی میدان محدود نہیں ہے۔ بحیثیت شاعر انہوں نے اردو میں مروج مختلف اصناف پر طبع آزمائی کر کے اپنے ہمہ جہت فنکار ہونے کا ثبوت فراہم کیا ہے۔ غزل، آزاد و معرا موشحات علاوہ دوہا، دوہا غزل، ماہیا، ماہیا غزل، پابند نظم وغیرہ سے قطع نظر انہوں نے رباعی کی تخلیق پر خاص توجہ مرکوز کی ہے اور اس میں کئی اہم تجربات بھی کئے ہیں۔

اردو شاعری میں رباعی ہی واحد ایسی صنف سخن ہے جو ابتداء ہی سے غزل کے شانہ بہ شانہ زندہ رہی ہے جب کہ دیگر اقسام کے لئے بحر و ارکان کا مخصوص ہونا غیر ضروری ہے۔ مگر رباعی کی تخلیق اپنے مقررہ اوزان کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ رباعی کے ارکان بحر ہزج سے مشتق ہیں۔ رودکی نے مخصوص زحافات اور اصول سبب پے سبب است وتد پے وتد است کی روشنی میں ان کی تعداد چوبیس مقرر کی ہے۔ سحر عشق آبادی نے حشو دوم میں مفاعلن لانے کو از روئے عروض درست ثابت کیا ہے اور یوں بارہ نئے اوزان اصولی طور پر جائز ہو جاتے ہیں۔ لیکن زار علامی صدر و ابتداء کے ارکان مفعول اور مفعولن کی جگہ فاعلن لا کر مزید اٹھارہ اوزان کا اضافہ کرتے ہیں جن سے رباعی کا لحن مجروح ہو جاتا ہے۔ اس لئے میں انہیں درست تسلیم نہیں کرتا اور نہ ان لوگوں سے متفق ہوں جو رباعی کے اوزان کی تعداد ہزاروں تک پہنچا دیتے ہیں۔ یہاں رباعی کے اوزان پر بحث ہمارا مقصد نہیں ہے البتہ یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ رباعی کہنے کے لئے جس عروضی فہم کی ضرورت ہے وہ ہر شاعر کو نصیب نہیں ہوتا اس کے باوجود ہر دور میں رباعی گو پیدا ہوتے رہے ہیں جسکی وجہ سے یہ صنف بھی زندہ رہی ہے۔

یہاں اس حقیقت کا اظہار بھی ضروری ہے کہ تحریکوں اور حلقہ ارباب ذوق نے کئی نئی اصناف کو اردو میں مروج بھی کیا اور انہیں اپنی شناخت کا حوالہ بھی بنایا۔ تحریکوں سے باہر کے فنکاروں کا اہم کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے تحریکوں کی مسترد کردہ کئی روایتی اصناف کے تخلیقی سلسلوں کو فنا ہونے سے بچانے میں نمایاں کردار بھی ادا کیا اور ساتھ ہی تجربوں کی اہمیت کو بھی نئی نسل کے مزاج کا حصہ بنانے کی عملی کوششوں کو قائم رکھا۔ یہ

گفتنی

عظیم فنکار کے ضمیر پر یا ان کے آئینۂ وجدان میں ان کی شخصیت پہلے منعکس ہوتی ہے۔ پھر وہ اسی آئینہ خانہ سے نکل کر بیرون خانہ بھی آنا چاہتی ہے۔ اس کی پرورش و پرداخت چونکہ فنکار کے شعور و وجدان کے ہمہ کارانہ عمل اور ردِ عمل سے ہوتا ہے اس لئے فنکار خود اس جوش و جدان کی کیفیت و کمیت کو سمجھتا ہے۔ وہ اس کے ظہور کی تحریکات سے بے خبر نہیں ہوتا اور اس پر روک بھی نہیں لگاتا اور نہ ایسا کرنے میں کامیاب ہو سکتا ہے۔ تب یہ شخصیت کبھی جھلک اٹھتی ہے، کبھی مہک اٹھتی ہے، کبھی چھلک اٹھتی ہے اور کبھی گونج بن کر لہک اٹھتی ہے۔ بر عظیم کے فنکاروں کے یہاں یہ خوبی یکساں طور پر پائی جاتی ہے۔ لیکن ظہور کی سطح پر یکساں نہیں رہتی۔ مختلف پیرایۂ فن اور مختلف فنکاروں کے ذریعہ اس کا ظہور مختلف روپ دھارن کر لیتا ہے اور ہر فنکار کے یہاں یہ وجہ امتیاز بن کر ابھرتی ہے اور فنکار کی نمائندہ اور ترجمان بن جاتی ہے۔

ابراہیم اشک کے تجربات میں اصلیت ہے۔ انہیں الفاظ، نقوش اور اوزان پر قدرت حاصل ہے۔ ان کے الفاظ میں نمکینی، زبان میں رنگینی، سخن میں شیرینی اور خوش بیانی ہے۔ ان کا کمال ہے کہ موضوع اور مواد کو خواب رنگ بنا کر نیرنگیاں پیدا کر دیتے ہیں۔

ابراہیم اشک رباعی گو بھی ہیں۔

عروض دانوں نے رباعی کے چوبیس اوزان مقرر کئے ہیں جو بحر ہزج سے مخصوص ہیں۔ ان کی دو شاخیں..... ہزج اخرم اور ہزج اخرب ہوتی ہیں :

ہزج اخرم : مفعول، مفاعیل، مفاعیل، مفعول

ہزج اخرب : مفعول، مفاعیل، مفاعیل، فعول

ان میں شجرہ اخرب کے اوزان شجرہ اخرم سے منسلک ہیں۔ ان دونوں شجروں یا دائروں کے اوزان چار مصرعے میں لکھے ہوتے ہیں۔ ''بحر الفصاحت'' کے اعتبار سے اس آزادی کے باعث کم سے کم بیاسی ہزار نو سو چوالیس شکلیں پیدا ہوتی ہیں۔ سحر عشق آبادی نے یہ گوشہ نکالا ہے کہ اگر رباعی کے حشو دوم میں رکن مکفوف کی جگہ، مقبوض رکھ دیا جائے تو رباعی کے بارہ نئے اوزان حاصل ہو سکتے ہیں اور اگر اسے تسلیم کر لیا جائے تو اوزان رباعی چوبیس سے بڑھ کر چھتیس ہو جائیں گے۔ اور پھر اشکال و عروض کی مجموعی تعداد بھی بڑھ کر ایک لاکھ چوبیس ہزار ہو جائے گی۔

بحث ایک مستقل موضوع کی متقاضی ہے۔ البتہ اس سلسلے میں متعدد اہم شخصیات سے قطع نظر جناب ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی کی شخصیت کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ مناظر صاحب جدیدیت کے عہد کے قد آور لاتحریک ناقد و فنکار ہیں۔ انہوں نے نام و نمود کے لئے نہ ترقی پسندوں میں شامل ہونا گوارہ کیا اور نہ جدیدیت کو مشعل راہ تسلیم کیا بلکہ اپنی راہ خود متعین کی جو ادب میں امتزاجیت کے واضح نقوش کو منور کرتی ہے۔ ان کے لاتحریکی تنقیدی عمل ہی نے ان کے اندر مختلف زبانوں کی اصناف کے احیاء اور نت نئے شعری تجربات کے فروغ کے جذبات کو متحرک کیا جس کے نتیجے میں انہوں نے اپنے جریدہ ''کوہسار جرنل'' کو اسی فریضہ کی ادائیگی کے لئے وقف کر دیا اور ان کی نمائندگی میں نئے اور پرانے قلم کاروں نے قدیم اور متروک اصناف کی ترویج کے علاوہ شعری اختراعات اور ہیئتی تجربات سے ہم عصر شاعری کے دامن کو مالا مال کر دیا ہے۔ مسرت کی بات یہ ہے کہ نئی نسل کے بعض فنکاروں نے اس کثرت سے اختراعات و تجربات کا سلسلہ کشادہ کیا ہے کہ اس کی مثال تحریکوں کے ادوار میں دستیاب نہیں کی جا سکتی۔

تازہ کار لاتحریک نسل کے تشخص کے لئے اختراعات و تجربات کے سلسلے کو طاقت ور بنانے والوں میں ابراہیم اشک بھی پیش پیش رہے ہیں۔ ان کی اجتہادی کاوشوں میں زیر بحث صنف ''رباعی'' بھی شامل ہے۔ رباعی کی فارم کیوں کہ نا قابل تغیر ہے اس لئے اس میں کسی ہیئتی یا فنی تجربہ کا ذکر یقیناً نا قابل یقین معلوم ہوتا ہے لیکن حقیقت یہی ہے کہ رباعی میں تجزیے کی گنجائش موجود ہیں۔

فارسی کے کئی شعراء نے چھ رباعیوں میں چوبیس اوزان کا استعمال کیا ہے۔ اردو میں اس طرح کا تجربہ میری نظر سے نہیں گزرا اس لئے میں نے ایسی چھ رباعیاں تخلیق کیں جن میں مروجہ چوبیس اوزان استعمال کئے گئے ہیں۔ چونکہ خواجہ حسن قطان نے رودکی کے متعینہ اوزان کو شجرۂ اخرب اور شجرۂ اخرم میں بانٹ دیا ہے اور بعض ماہرین عروض اس بات کے قائل ہیں کہ ان شجروں کے اوزان کو تخلیقی سطح پر مخلوط نہیں کرنا چاہئے۔ میں نے رودکی اور سحر عشق آبادی کے پیش کردہ ارکان میں تخلیق کردہ چھبیس اوزان کی رباعیات میں اگر چہ شجروں کو مخلوط کرنے میں احتیاط نہیں برتی ہے البتہ متذکرہ چھ رباعیوں میں تین رباعیات میں مفعولن سے شروع ہونے والے ارکان کو برتا ہے اور تین رباعیوں میں مفعول سے شروع ہونے والے بارہ ارکان پورے کئے ہیں اور بعد کے چھ شعروں میں مفعولن سے شروع ہونے والے بارہ ارکان کو بروئے کار لایا گیا ہے۔ قطع نظر اس کے میرے بعد جن شعراء نے چھ رباعیوں میں چوبیس ارکان کو برتنے کا کارنامہ انجام دیا ہے ان میں طہور منصوری نگاہ اور ابراہیم اشک کے نام سامنے آتے ہیں۔ طہور منصوری نگاہ اور ابراہیم اشک نے شجروں کے ارکان کو مخلوط انداز میں ہی برتا ہے۔ ابراہیم اشک کی رباعیات مع تقطیع ذیل میں تحریر کر رہا ہوں :

(۱)

افسوس وفادار نہیں یار ملا — مفعول مفاعیل، مفاعیل، فعل
پھر یار کہاں اے دل، دلدار ملا — مفعول مفاعیلن، مفعول، فعل
اب جا کر محسوس ہوا ہے یہ ہمیں — مفعولن مفعول، مفاعیل، فعل
دل دے کر، دل لیکر آزار ملا — مفعولن مفعولن، مفعول، فعل

(۲)

ہر یار ترے گیت سنائے یہ دیار — مفعول مفاعیل، مفاعیل فعول
ہر موج تری لیکر دو لے ہے شرار — مفعول مفاعیلن مفعول فعول
تیری ہی پُر جوش ادا پر ہے نثار — مفعولن مفعول مفاعیل، فعول
من بھاون، بنجارن مدہوش بہار — مفعولن مفعولن مفعول فعول

(۳)

کردار بنا کون ہوا ہے برتر — مفعول مفاعیل مفاعیلن فع
معیار بنا جو ہر کس کے بل پر؟ — مفعول مفاعیلن مفعولن فع
رکھ جو بھی انداز نرالا لیکن — مفعولن مفعول مفاعیلن فع
دل روشن، دل روشن، دل روشن کر — مفعولن مفعولن مفعولن فع

(۴)

مل جائے ترا ساتھ مزا ہے بھرپور — مفعول مفاعیل مفاعیلن فاع
نزدیک ترے یہ دل رہتا مسرور — مفعول مفاعیلن مفعولن فاع
مستی میں سرشار ہوا لیکر آئے — مفعولن مفعول مفاعیلن فاع
ہر منظر، ہر منظر، ہر منظر چور — مفعولن مفعولن مفعولن فاع

(۵)

انسان ترے تئیں صفائی نہ رہی — مفعول مفاعلن مفاعیل فعل
دل سے ترے کوئی برائی نہ گئی — مفعولن فاعلن مفاعیل فعل
مغرور تری سمجھ کہاں ہے اب یہ — مفعول مفاعلن مفاعیلن فع
سمجھا ہے نا سمجھ خدائی اپنی — مفعولن فاعلن مفاعیلن فع

بھرپور ترا بدن جھلک پھول گلاب　　مفعول مفاعلن مفاعیل فعول
جلووں کا ہے چمن ترا خوب شباب　　مفعولن فاعلن مفاعیل فعول
مدہوش کرے چلن ترا بعدِ ناز　　مفعول مفاعلن مفاعیلن فاع
لگتی ہے جانِ من تری صورت خواب　　مفعولن فاعلن مفاعیلن فاع

چھ رباعیوں میں چوبیس اوزان کو بروئے کار لانا عروض سے گہری دلچسپی اور زبان و بیان پر قدرت کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ رباعیات کی تقطیع سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ابراہیم اشک نے رباعی کے مروجہ ارکان کو برتنے میں کسی قسم کی غلطی نہیں کی ہے۔

ابراہیم اشک نے غیر منقوط رباعیات بھی تخلیق کی ہیں۔ صنعتِ غیر منقوط کو صنعت عاطلہ یا مہملہ یا تعطیل بھی کہتے ہیں۔ فیضی نے غیر منقوط تفسیر لکھ کر اپنے باکمال ہونے کا مظاہرہ کیا ہے۔ اردو شاعروں کے یہاں اسکی بکثرت مثالیں موجود ہیں۔ انشاء اللہ خاں کا ایک دیوان اسی صنعت پر مشتمل ہے جس کا پہلا شعر یہ ہے۔

اور کس کا آسرا ہو سر گروہ اس راہ کا ☆ آسرا اللہ اور آلِ رسول اللہ کا

بعض معاصر شعراء نے غزل، حمد اور نعت وغیرہ میں اس صنعت کو فروغ عطا کیا ہے لیکن رباعیات میں صنعت عاطلہ کا استعمال ابراہیم اشک ہی کے حوالے سے ہوا ہے جس کی مثال اردو رباعی میں دستیاب نہیں ہوتی۔ بطور نمونہ ذیل کی رباعیاں ملاحظہ کیجئے جس میں تمام حروف مہملہ ہیں :

- ہاں علم و عمل کام ہمارا ٹھہرا ☆ دکھ درد کا حل کام ہمارا ٹھہرا
  احوال ہمارا ہے عالم عالم ☆ اس طور اٹل کام ہمارا ٹھہرا
- ہے گرد ہر اک راہ ہمارے دم سے ☆ ہے سرد ہر اک آہ ہمارے دم سے
  احساس کا عالم ہے صحرا ہرا اور ☆ ہے درد کی واہ واہ ہمارے دم سے

دوسری رباعی میں زیر بحث صنعت کے استعمال کے ساتھ صنعتِ ذوقافیتین کو بھی برتا گیا ہے۔ صنعتِ ذوقافیتین بھی صنعتِ منقوط و غیر منقوط کی طرح علم بدیع کے تحت صنائع لفظی میں شمار کی جاتی ہے۔ صنائع کا استعمال شعر کے خارجی و معنوی حسن میں اضافے کا سبب بنتا ہے۔ جو شاعر علم بیان پر قادر ہوتا ہے وہ صنائع لفظی کو بھی آہنگ کا اس طور پر جزو بنا دیتا ہے کہ اس سے کلام میں معنوی حسن بھی پیدا ہو جاتا ہے اور شعر کی زائد خوبی باطنی آہنگ کو پُر لطف اور دلکش بنا دیتی ہے۔ ابراہیم اشک نے رباعی میں قوافی کے جو تجربات پیش کئے

ہیں انہیں ذیل میں ملاحظہ کیجئے :

- سر درد محبت میں مزا دیتا ہے ☆ ہر درد محبت میں مزا دیتا ہے
  یہ درد بُری چیز ہے مانا ہم نے ☆ پر درد محبت میں مزادیتا ہے
- کب لوگ ملے دل کو لبھانے والے ☆ اب لوگ ملے دل کو لبھانے والے
  افسوس کہ ہم قدر نہیں کر پائے ☆ جب لوگ ملے دل کو لبھانے والے

ان دونوں رباعیات میں صدر وابتدا کے رکن کی جگہ قوافی کو لایا گیا ہے جس کی وجہ سے مصرعوں کے طویل حصے ردیف بن گئے ہیں۔ اسے ہم طویل ردیف کا خوشگوار تجربہ کہہ سکتے ہیں جو قافیہ کے استعمال کی وجہ سے معرضِ وجود میں آتا ہے۔

صنعت ذوقافیتین کے تحت دو سے زائد قوافی بھی لائے جاسکتے ہیں۔ ابراہیم اشک کی یہ رباعیات اسی سلسلے کی توسیع کرتی ہیں :

انکار ہے، اقرار ہے، تکرار ہے حسن ☆ سنگھار ہے، گلزار ہے بلہار ہے حسن
دلدار ہے، خوددار ہے، فنکار ہے عشق ☆ اس پار نہ اُس پار ہے منجھدھار ہے حسن

رباعی کے پہلے اور دوسرے مصرعوں کی طرح اگر چوتھا مصرع بھی موزوں کیا جاتا تو یہ رباعی صنعت ذوقافیتین مع الحاجب کے زمرے میں شامل ہوسکتی تھی لیکن ذیل کی رباعیوں میں قوافی کے درمیان ردیف موجود ہے اس لئے ان رباعیات کو صنعتِ ذوقافیتین مع الحاجب کو بروئے کار لانے کا کامیاب تجربہ قرار دے سکتے ہیں :

- گھر چھوڑ کے فرزانے نکل جاتے ہیں ☆ در چھوڑ کے مستانے نکل جاتے ہیں
  دنیا کے لئے دار و رسن پر اپنے ☆ سر چھوڑ کے دیوانے نکل جاتے ہیں
- غم دیدہ ہوں، نم دیدہ ہوں، رنجیدہ ہوں ☆ شوریدہ ہوں، بوسیدہ ہوں، خوابیدہ ہوں
  پژمردہ ہوں افسردہ ہوں یادوں میں تری ☆ سنجیدہ ہوں، سنجیدہ ہوں، سنجیدہ ہوں

پہلی رباعی میں گھر، در اور فرزانے، مستانے جیسے دو قافیہ موجود ہیں اور ''چھوڑ کے'' نیز ''نکل جاتے ہیں'' جیسی دو ردیفیں استعمال کی گئیں ہیں۔ دوسری رباعی میں تین قافیوں کے استعمال کے ساتھ 'ہوں' کی ردیف کو بھی تین بار ہی استعمال کیا گیا ہے۔ محاسن شعری میں Internal Rhyming کی اہمیت مغربی شاعری میں بھی تسلیم کی جاتی ہے۔ لفظ، حرف یا قافیہ کی تکرار قرأت کے وقت لے میں سحر انگیز کیفیت کو دوبالا کر دیتی ہے۔ شاعری کے مقاصد میں جہاں فکر کو متحرک کرنے کی قوت کو بھی اہمیت حاصل ہے وہیں حظ وانبساط

کے عناصر بھی شاعری کے لئے بے حد ضروری قرار دئے جاسکتے ہیں۔ جمالیات کا تعلق شعر کی معنویت سے بھی ہے اور الفاظ و آہنگ سے بھی۔ الفاظ کی موزوں ترتیب کے بغیر معنی آفرینی ممکن ہے اور نہ خوشگوار آہنگ پیدا ہو سکتا ہے۔ لفظ، صوت و معنی کا مرکب ہوتا ہے اور قافیہ بحیثیت لفظ کے اس خصوصیت سے معرا نہیں ہوتا بلکہ اسکی مخصوص صوتی حیثیت شعر کے خارجی اور باطنی حسن میں اضافہ کر دیتی ہے۔ قافیہ پر بحث کرتے ہوئے عبدالرحمٰن دہلوی نے بڑے پتے کی بات تحریر کی ہے :

''شعر میں اس کا وہی مرتبہ ہے جو راگ میں تال کا۔ اسی لئے اس کا محل وقوع عروض میں ضرب کہلاتا ہے۔'' (مراۃ العروس ۶۲)

اور جب مختلف الصوت قوافی کلام میں موسیقی کی تال کی طرح تکرار کے ساتھ وارد ہوں تو نغمگی اپنے کمال کو پہنچ سکتی ہے بشرطیکہ شاعر نے قوافی کے اصوات کو شعر کے لحن میں خوبصورتی کے ساتھ پرویا ہو۔ ابراہیم اشک کی مذکورہ بالا رباعیات اس خصوصیت سے عاری نہیں ہیں جس کی وجہ سے تجربات کی اہمیت بڑھ جاتی ہے۔

ابراہیم اشک کے تجربات کی خصوصیت یہ ہے کہ ان سے رباعی کی مخصوص ہیئت، لحن اور اسکے فنی تقاضے مجروح نہیں ہوتے بلکہ اس صنف کے امکانات مزید روشن ہو جاتے ہیں۔ تجربات کی یہی پختگی ابراہیم اشک کو ایک کامیاب اختراع کار کہلانے کا مستحق بنا دیتی ہے۔

گنور، بدایوں - 202522 (یو۔پی۔)

☆☆☆☆☆

☆☆☆

شارق بلیاوی

ابراہیم اشکؔ رباعیات کے آئینے میں

رباعی کی صنف بھی غزل کی طرح اپنا ایک دائرہ کار رکھتی ہے۔ یہ صنف بھی عربوں کی ایجاد ہے تاہم فارسی میں یہ اپنی جاہ جلال کے ساتھ متنوع ہو کر سامنے آئی۔ فارسی شعراء نے اسے مختلف نام سے برتا، ترانہ یا دوبیتی کے نام سے لکھا۔ تاہم رباعی کے معروف نام سے ہمہ گیریت کی حامل ہوئی۔ یوں تو رباعی کی کل چوبیس بحریں، بارہ اخرب + بارہ اخرم کے نام سے موسوم ہیں۔ یعنی مفعول سے شروع ہونے والی بحر اخرب اور مفعولن سے ابتدا ہونے والی بحر کو اخرم کہا جاتا ہے۔ ان چوبیس بحروں میں سے (جو کل دس ارکان بحر ہزج سے بنی ہیں) اخرب سے آٹھ اور اخرم سے چار یعنی کل بارہ بحریں ہی زیادہ مستعمل ہیں۔ رباعی کی بحروں میں ایک سہولت یہ بھی ہے کہ اسکے چاروں مصارع مختلف اوزان رباعی میں سے ہو سکتے ہیں۔ یعنی شاعر کو اختیار ہے کہ چاروں مصرعوں کو چار اوزان میں لکھے۔ لہذا بعض اوقات رباعی کی بحروں کو صحیح یا غلط گردانا مشکل امر ہوتا ہے۔ یہ ایک ماہر بحور ہی سمجھ سکتا ہے۔ عام قاری بالکل نہ سمجھ پائیگا اور وہ یہی سمجھے گا کہ فلاں مصرع، بحر میں نہیں ہے جبکہ وہ بحر میں ہوگا۔ خیر یہ دو چند جزیات تھیں اصل مدعا ابراہیم اشک کی رباعیات پر بحث کرنا اور انکی معنویت و معیار کا پتا لگانا ہے۔ رباعی ویسے ہے مشکل صنف اور بہت کم اساتذہ نے بھی اس پر سخن آزمائی کی ہے، مگر جنھوں نے کی ہے اچھی کاوش کے ساتھ اچھے معنوی تاثر پیدا کئے ہیں جو بہت مقبول ہوئیں۔ ایک بات ضرور ہے کہ جس طرح غزل کے اچھے اشعار زبان زد عوام ہو جاتے ہیں رباعی کے مصرعے بھی یعنی رباعی بھی قاری کے ذہن و دل کو متاثر کرتی ہے اور یاد ہو جاتی ہے۔ جوش ملیح آبادی نے اچھی رباعیاں کافی مقدار میں کہی ہیں۔ ادھر پاکستان میں عبدالقیوم خار صاحب مسلسل رباعیات کہہ رہے ہیں۔ جس طرح غزل کے ہر شعر کو فکر کی وسعت اور خیال آفرینی کے رموز حاصل ہوتے ہیں رباعی میں بھی بلند پروازی فکر اور خیال بندی کے جوہر دکھائے جاسکتے ہیں۔ رباعی کا دائرہ عمل بھی غزل کے دائرہ کار کی طرح پھیلاؤ رکھتا ہے۔ فلسفہ، فکر، سماجیات، نفسیات، عشق کے معاملات، واردات قلب معروضی ہوں یا موضوعی یعنی زندگی کی رویہ عمل ہر جہت کا احاطہ بہ احسن کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ اس مشکل صنف میں طبع آزمائی کرنا دل گردے کا کام ہے۔ ہر کس و ناکس کے بس کا روگ نہیں۔ دس بیس رباعیات کہہ لینا کوئی کارنامہ نہیں لیکن اپنی فکری اظہار کا ذریعہ بنالینا اور ہر قسم کے خیال کو رباعی کا پیکر عطا کرنا مشکل امر ہے۔ رباعی میں خیال اور نفس الامر یا مقصدیت کا ظہور لسانی

جمالیات کے ساتھ واقع ہونا ہی کامیابی ہوتی ہے۔صرف چار مصرع گھڑ لینے اور معنوی سطحیت کے حصار سے باہر نہ نکلنا رباعی کی روح کو مجروح کرنا ہے۔ یہ ایک مشکل فن ہے اور کافی مشق ومزاولت کے ساتھ خرد افروزی اور جگر سوزی چاہتا ہے۔ ابراہیم اشک کی کل ایک صد پانچ رباعیات مرے سامنے ہیں۔ ابراہیم اشک نے اپنے طور پر بھرپور کوشش کی ہے اور کافی حد تک مقصد ومطالب کی منزلِ دشوار کو پالیا ہے اور یہ خوش آئند بات ہے۔ شاعر جو کچھ کہنا چاہتا ہے اپنے فن کے ذریعہ ہی کہتا ہے اور اگر اسکی سوچ کا ابلاغ زخمی نہیں ہوتا پھر کامیاب ہے۔ ابراہیم اشک نے اپنی رباعیات میں زندگی کی ترجیحات کو سامنے رکھا ہے۔ انہوں نے رباعیوں میں حمدیہ، نعتیہ، نیز عاشقانہ اور معاشرتی احساسات کو ہی جگہ دی ہے۔ اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اُنھوں نے رُباعیاں شوقیہ نہیں بلکہ اپنی فطری رجحان سے مغلوب ہوکر کہی ہیں اسی لئے ہر موضوع کو چھیڑا ہے۔ اور میرا جہاں تک خیال ہے اُنھوں نے صنف رباعی کو اپنا ترجیحی لائحۂ عمل بنالیا ہے۔ آیئے چند رباعیات پر غور کریں۔ حمدیہ۔

پتوں میں ہوا ہے تو خدا بھی ہوگا ☆ پتھر میں صدا ہے تو خدا بھی ہوگا
جگنو میں چمک پھول میں خوشبو ☆ ہر شئے میں ادا ہے تو خدا بھی ہوگا

نعتیہ : ۔ سیرت پہ محمدؐ کی جو قربان ہوئے ☆ اخلاص ومحبت سے انسان ہوئے
وہ لوگ مثالی ہیں زمانے کے لئے ☆ آداب وفا سے جو مسلمان ہوئے

انھوں نے منقبت بھی کہی ہے۔ خدا اور رسول سے قلبی تعلق کے ساتھ خدا کے برگزیدہ بندوں کا بھی ادب واحترام رکھتے ہیں۔ اسکے علاوہ فارسی کے شہرۂ آفاق شعراء سے بھی کافی متاثر نظر آتے ہیں۔ ایک رباعی:

سعدی کی ذہانت نے لبھایا ہے مجھے ☆ افکار نے رومی کے رجھایا ہے مجھے
خیام نے مئے نوش بنا کر چھوڑا ☆ حافظ نے غزل کہنا سکھایا ہے مجھے

اس قسم کی اور بھی رباعیاں ہیں جو شاعر کی دلی کیفیات اور محسوسات کی عکاس ہیں۔ ایک اور رباعی جو کامل حسیاتی ہے ملاحظہ فرمائیں :

چڑیوں سے ملیں پھول سے باتیں کرلیں ☆ راہوں میں پڑی دھول سے باتیں کرلیں
ہم لوگ ہیں دیوانے ! اگر یاد آئی!! ☆ اپنی ہی کسی بھول سے باتیں کرلیں

انسانی کشمکش اور انسان کی فطری حسیاتی سوچ کی آئینہ دار یہ رباعی خوب ہے۔ ابراہیم اشک نے ڈھیر سارے موضوعات کو اپنی رباعیات کی زینت بنایا ہے۔ شاعر اپنے اردگرد کے حالات سے بے خبر نہیں ہوتا۔ احساسات جس نوع کے ہوں قلم بند کردیتا ہے۔ اس سے اسکی حساسیت کا پتا چلتا ہے۔ انسان جیسا بھی ہو عشق و

محبت اسکی فطرت کا حصہ ہوتے ہیں۔محبت کی نوعیت کچھ بھی ہو، ہوتی ہر دل میں ہے۔لہذا ابراہیم اشک نے بھی عشقیہ رباعیاں کہی ہیں :

- جُز عشق کوئی کام نہیں کرتا ہوں ☆ اک پل کو بھی آرام نہیں کرتا ہوں
  کیوں اسکے ستم سے ہو سروکار مجھے ☆ میں یار کو بدنام نہیں کرتا ہوں
- نکلے ہیں محبت کے سفر پر یارو ☆ اک عمر ہوئی ایک نظر پر یارو
  منزل ہے کہاں کوئی نہیں جان سکا ☆ ہم تم ہیں سبھی راہ گزر پر یارو

زندگی کی بے ثباتی پر ایک فکریہ رباعی ملاحظہ فرمائیں :

وہ دن بھی گئے یہ بھی گذر جائیں گے ☆ جو بوجھ ہیں کاندھوں پر اُتر جائیں گے
اک روز وہ منزل بھی چلی آئیگی ☆ ہم گرد کی مانند بکھر جائیں گے

انسان کی زندگی کا یہی سب سے بڑا المیہ ہے۔کانچ جیسا یہ پیکر ایک دن ٹوٹ کر بکھر جاتا ہے اور ہست و بود کا یہ کھیل اپنے انجام کو جا لگتا ہے۔ابراہیم اشک نے عصری حالات پر بھی رباعیات کہی ہیں۔بہ حیثیت انسان انکے سینے میں بھی حساس دل ہے جو خطرات و خدشات کا ادراک رکھتا ہے :

ہتھیار نئے ہم جو بنا کے آئے ☆ خود اپنی تباہی کو بڑھا کے آئے
کس درجہ نئے دور میں ہم آگے بڑھے ☆ تلوار گئی، بم کے دھماکے آئے

غرض ابراہیم اشک نے عصری حالات، عشقیہ معاملات، پند و نصائح سے لیکر تعلیمی فکری تاثرات تک کو موضوع سخن بنایا ہے۔میں نے پہلے لکھا ہے کہ رباعی کہنا بڑی مشکل ہے۔چاروں مصرعوں کو ہم آہنگ رکھنا اور مربوط کرنا نہایت مشکل کام ہے۔

لہذا ابراہیم اشک نے بھی بعض رباعیوں میں ستم چھوڑا ہے اور لغزشیں بھی کھائی ہیں۔تھوڑی بہت خرابیاں ان کی جلد بازطبیعت کی وجہ سے ہوئی ہیں۔اگر یہ بھر پور کوشش کے ساتھ رباعیات کہنے پر توجہ مرکوز کردیں تو میں سمجھتا ہوں صنف رباعی میں اچھا نام پیدا کر سکتے ہیں۔ابراہیم اشک رباعی نگار کی صورت میں آئے ہیں یہ ایک اچھا سگون ہے لہذا ہم انکی کاوش کو سراہتے ہیں۔ہزاروں شعراء میں کتنے ہیں جو رباعی پر طبع آزمائی فرمارہے ہیں۔چند رباعیات اور پڑھ لیجئے جو مختلف موضوعات پر ہیں :

- جس قوم کا معیار نہیں ہوتا ہے ☆ اس قوم کا کردار نہیں ہوتا ہے
  جو قدر نہیں کرتا ہے فنکاروں کی ☆ اس ملک میں شہکار نہیں ہوتا ہے
- پرواز کوئی دور کی بھر جا پیارے ☆ یا گہرے سمندر میں اُتر جا پیارے

وہ دن کہ تجھے وقت مٹائے آ کر☆ دنیا میں کسی حد سے گذر جا پیارے

- ایمان کی دولت سے مسلمان رہو ☆ ادراک و ذہانت سے مسلمان رہو
فرقوں کی اسیری سے رہو تم آزاد ☆ کردار کی عظمت سے مسلمان رہو
- اک قطرۂ دریا ہے تو دریا ہو جا ☆اک ذرۂ صحرا ہے تو صحرا ہو جا
اس طرح گذرا شک حدوں سے اپنی ☆ اک شخص اگر تو ہے تو دنیا ہو جا

اس طرح کی اچھی معنویت سے پُر رباعیاں کافی ہیں اور انکی شعوری فکر کی غماز ہیں!

B-7 · امتیاز اسکوائر · بلاک ۔6· گلشن اقبال ·
کراچی 75300 (پاکستان)

☆☆☆☆☆
☆☆☆

ابراہیم اشک کی رباعیات میں خیّامیت

جناب ابراہیم اشک نے بطور گیت کار ہی نہیں بطور شاعرِ رباعیات بھی اُس گلستان کی آبیاری کی ہے جسے اردو ادب کے نام سے جانا اور پہچانا جاتا ہے۔ گو کہ رباعیات بیشتر شعراء نے کہی ہیں مگر عوام الناس کے ذہن میں ''رُباعی'' لفظ فی الغور عمر خیّام کی تصویر آویزاں کر جاتا ہے۔ بلفظ دیگر رباعی اور عمر خیّام ایک دوسرے کے مترادف الفاظ ہو کر رہ گئے۔ اس لحاظ سے غیر ممکن ہے کہ جہاں رباعیات کا تذکرہ ہو وہاں عمر خیام کا نہ ہو اور جہاں ''رباعی'' ہو وہاں ''خیامیت'' نہ ہو۔ اس اعتبار سے رباعی گو شاعر کا رشتہ عمر خیّام سے اور اسکی رباعیات کا رشتہ ''رباعیات عمر خیام'' سے شیر و شکر کے مانند ہے۔ اسی رشتے کا خلاصہ اشک صاحب نے اپنی ذیلی رباعیات میں کچھ اس طرح کیا ہے :

اب اور نہ آلام کی باتیں کیجئے ☆ رنگین ہے شب ، جام کی باتیں کیجئے
زندہ ہو غزل اور رباعی یارو ☆ کچھ حافظ و خیام کی باتیں کیجئے

اسی رشتے کو دو قدم اور آگے بڑھاتے ہوئے اشک صاحب فرماتے ہیں کہ اس صنفِ سخن میں اُنھیں کن اساتذہ کی رہنمائی نصیب ہوئی :

سعدی کی ذہانت نے لبھایا ہے مجھے ☆ افکار نے رومی کے رِجھایا ہے مجھے
خیّام نے مئے نوش بنا کر چھوڑا ☆ حافظ نے غزل کہنا سکھایا ہے مجھے

کیونکہ حافظ و خیّام، سعدی و رومی سے اس تعلق و نسبت کو سمجھنے کی اہلیت اہل نظر الفاظ شناس و زباں فہم حضرات ہی رکھتے ہیں لہذا اشک صاحب مذکورہ ذیل رباعی میں وضاحت کے طور پر فرماتے ہیں کہ جو اہل نظر ہیں وہی اُنہیں اس نسبت سے سمجھتے ہیں :

صوفی ہوں، قلندر ہوں، خدا والا ہوں ☆ میں عظمتِ انساں کی ادا والا ہوں
جو اہل نظر ہیں وہ سمجھتے ہیں مجھے ☆ اک بندۂ بے دام وفا والا ہوں

جو شخص صوفی ہو، قلندر ہو، خدا والا ہو، عظمتِ انساں کی ادا والا ہو اسکی ذات میں پوشیدہ خوبیے تصوف و قلندری زمانے کو نظر نہیں آتی۔ صوفیاء و اولیا اللہ کی خُو میں یہ پایا جاتا ہے کہ باطنی طور پر وہ جو کچھ ہوتے ہیں اسے ظاہر نہیں کرتے بلکہ ظاہرانہ دنیاداری نبھاتے ہیں تا کہ انکا راز عیاں نہ ہو۔ قصہ مشہور ہے کہ دلّی میں کوچہ

رباعی کے فن اور اس کے مضامین کے سلسلے میں جوش ملیح آبادی نے اس طرح اظہار خیال کیا ہے :

''یوں تو اس دائرے میں بے شمار موضوعات کو جگہ دی جاسکتی ہے لیکن درحقیقت اس صنف کی تخلیق اسی غرض سے ہوتی ہے کہ پختہ زندگی کے ژولیدہ و وسیع تجربات کو ہموار کر کے اور رسیدہ فکر کے عیب و عمق کو تربیت دے کر بیحد جگر دار الفاظ کی معرفت ایسے استادانہ اختصار اور حکیمانہ لہجے میں ادا کیا جائے کہ اس کے آستانۂ جمال پر تفصیل کا جلال سربسجود ہو جائے۔''

اردو میں مخصوص افتادِ طبع کے سہارے رباعی کو نیا رنگ و آہنگ عطا کیا گیا ہے۔

ابراہیم اشک کی رباعیاں شعری تجربے کے وہ نمونے ہیں جو امکانات حیات کی رنگینی، رنگارنگی، بوقلمونی، تنوع اور تہہ داری و پیچیدگی کے ساتھ ہوشیاری کی خبر دیتے ہیں۔ وہ اردو کے پہلے رباعی گو ہیں جنھوں نے چوبیسوں اوزان میں رباعی کا تجربہ کیا ہے۔ فارسی میں شمس الدین فقیر ایسے شاعر ہیں جنھوں نے چوبیس مصارع میں رباعی کے چوبیس اوزان کو تجربے کے خراد پر اتارا تھا۔ اردو میں میر تقی میر، ابراہیم ذوق، اسداللہ خاں غالب، شوق قدوائی، الطاف حسین حالی، مرزا محمد رفیع سودا، فانی بدایونی، جوش ملیح آبادی، فراق گورکھپوری، امجد حیدر آبادی وغیرہ ایسے رباعی گو ہیں جن کے یہاں فکر اور فن ہیں۔ لیکن رباعی میں نئے تجربے کی طرف ابراہیم اشک نے خصوصیت سے توجہ دی ہے۔ بغیر نقطے کی رباعیاں انہوں نے ہی پہلی بار کہی ہیں۔ ایک مثال دیکھئے۔

اللہ اگر ملک عدم والا ہے ☆ ہر اک کا سہارا ہے کرم والا ہے
ہے عالمِ اسرار اسی کے دم سے ☆ مالک ہے ارم کا وہ حرم والا ہے

صرف قافیہ و ردیف میں رباعی کہنے اور نیا تجربہ کرنے کی سوچ ابراہیم اشک کے ہی حصے میں آئی ہے۔

سر درد محبت میں مزا دیتا ہے ☆ ہر درد محبت میں مزا دیتا ہے
یہ درد بری چیز ہے مانا ہم نے ☆ پر درد محبت میں مزا دیتا ہے

اسی طرح انہوں نے دو قافیوں اور دو ردیفوں میں تجربہ کر کے رباعی کے دامن کو وسعت عطا کی ہے۔

گھر چھوڑ کے فرزانے نکل جاتے ہیں ☆ در چھوڑ کے مستانے نکل جاتے ہیں
دنیا کے لئے دار و رسن پر اپنے ☆ سر چھوڑ کے دیوانے نکل جاتے ہیں

تکرار لفظی سے بھی انہوں نے جھنکار، نغمی اور تنوع پیدا کیا ہے :

رحمٰن میں ایک بزرگ تھے۔ نام تھا رحمت اللہ۔ زیادہ تر اوقات گوشہ نشینی میں گزارتے۔ دن میں عام لوگوں کی طرح محنت مزدوری کرتے۔ اہل دلّی تو دُور خود کوچہ رحمٰن کے باشندوں کو بھی گمان نہ تھا کہ وہ کوئی غیر معمولی ہستی ہیں۔ شب میں اپنے حُجرے میں بند ہوتے، سہاگن کا لباس زیب تن کرتے۔ ہتھیلی میں حِنا، آنکھوں میں کاجل لگاتے اور ہاتھوں میں چوڑیاں پہنتے۔ یعنی رحمت اللہ سے ''بی بی رحمت'' سہاگن کا روپ اور اپنے پیا (معبود حقیقی) سے گفتگو میں مصروف۔ آلام کی باتوں میں وقت ضائع نہ ہو لہٰذا ''رنگین شب'' میں محبّ و محبوب جامِ محبت پینے پلانے میں مشغول رہتے۔ دنیا کی نگاہوں سے پوشیدہ۔ اُس دور میں کچھ اہل نظر بھی دلّی میں تھے یعنی ایسے اولیا اللہ کہ جنکا شہر میں شہرہ تھا اور بی بی رحمت کے راز و نیاز سے واقف بھی تھے۔ دلّی میں قحط سالی نے رعایا اور شہنشاہِ وقت کی نیند حرام کر رکھی تھی۔ پینے کے پانی کی قلت سے جان دار، چرند پرند انسان و حیوان سب ہلاک ہو رہے تھے۔ شہنشاہ و رعایا اسوقت کے مشہور ولی اللہ کی خدمت میں پہنچے اور التجا کی کہ نزولِ رحمت باراں بالخیر کے لئے دعا فرمائیں۔ ولی اللہ نے ہاتھ کھڑے کر دیے کہ یہ معاملہ انکے بس کا نہیں، ''بی بی رحمت'' کی چوکھٹ پر جائیں۔ ''بی بی رحمت'' سے کوئی واقف نہ تھا۔ لہٰذا صوفی سے اتا پتہ معلوم کیا۔ محلے والے تو اُس حُجرے کو رحمت اللہ کا حجرہ ہی گردانتے تھے۔

شہر کے مشہور صوفی ولی اللہ کے حکم کے مطابق شہنشاہ پیدل، بے تاج بسوالی بنکر شب میں چلا۔ پیچھے پیچھے رعایا۔ جس حجرے کی نشاندہی کی گئی تھی وہاں پہنچکر دستک دی۔ عاجزانہ عرض گزاری ''بی بی رحمت دروازہ کھولیے کہ در پر مصیبت زدہ سوالی حاضر ہیں۔'' التجا کے الفاظ، بی بی رحمت کے نام! بی بی رحمت مُتحیر کہ اس وقت جبکہ میں سُہاگن کا روپ دھرے اپنے پیا سنگ، پیا سے مُصر ہوں ''رنگین ہے شب جام کی باتیں کیجئے'' اور ایسے وقت میں یہ کیسا کہرام..... یہ راز کس نے عیاں کر دیا؟ ہاں دلّی میں ایک اہل نظر ہے جو سمجھتے ہیں مجھے۔ ہو نہ ہو یہ راز انہیں نے عیاں کیا ہے۔ بہرکیف دروازہ کُھلا۔ شہنشاہ نے انکا سہاگن والا رنگ روپ دیکھا محلے والوں نے بھی یہ رنگ پہلی بار ہی دیکھا تو دنگ رہ گئے کہ برسوں سے اس رنگ کی بھنک تک نہ لگی۔

فقیر بی بی رحمت کے در پر سادہ لباس میں حاضر بادشاہ وقت نے دلّی کی قحط سالی اور خلقِ خدا پر آئی تشنگی کی آفت کی دُہائی دیکر بارش کے لئے دعاء کی درخواست کی۔ ''عظمتِ انساں کی ادا'' کی پاسدار بی بی رحمت سے خلقِ خدا کی پریشانی دیکھی نہ گئی۔ فوراً چوڑیوں بھرے ایک ہاتھ میں لکڑی کا چھوٹا سا ڈنڈا اٹھایا اور چوڑیوں بھرا دوسرا ہاتھ آسمان کی طرف اُٹھا کر اپنے پیا سے کہا..... دیکھ پیا یہ تیری سہاگن اس ڈنڈے سے جُوڑا چھوڑ کر سہاگن کا جوڑا اتارنے اور رنڈاپا'' اوڑھنے کو تیار ہو گئی ہے..... حکم کر بادلوں کو کہ ابھی برسے۔ یہ کہکر ڈنڈا چُوڑے کی جانب بڑھایا تھا کہ بادل گرجے۔ بجلی چمکی، ہاتھ کا ڈنڈا جہاں کا تہاں رُکا اور موسلا دھار بارش

برسنے لگی۔ اتنی بارش کہ حاضرین کے گھٹنوں تک پانی آلگا۔ بادل برستے رہے۔ سیلاب کا اندیشہ ہوا تو حاضرین نے بی بی رحمت سے پھر التجا کی.....اب دعاء فرمایئے کہ بارش تھم جائے ورنہ شہر غرق ہو جائیگا۔

بی بی رحمت نے پھر ہاتھ میں ڈنڈا اُٹھایا۔ پیاسے کہا ''بس کر پیا اب بس کر وورنہ تیرے نام کا پہنا ہوا یہ چُوڑا پھوڑنا پڑیگا۔ سُہاگ کا جوڑا اُتار پھینکونگی۔ دیکھ ڈنڈا چوڑے پر پڑنے کو ہے۔'' جیوں ہی ہاتھ کا ڈنڈا چوڑے کی طرف بڑھا پیا نے بادلوں کو حکم دیا۔ بارش بند۔

مذکورہ بالا رباعی میں انسان کی عظمت کی اداوالے صوفی وقلندر کی کشف المحجوب والی خو کے تعلق سے ابراہیم اشک نے ظاہر کیا ہے کہ ''اک بندۂ بے دام وفا والا'' ولی اللہ دنیا کی نگاہوں سے تو اپنے اوصاف وصفات کو پوشیدہ رکھتا ہے مگر.....

''جو اہل نظر ہیں وہ سمجھتے ہیں'' اُسے

ایسا صوفی وقلندر جو سعدی کے گلستاں و بوستاں کے مکتبِ ذہانت سے درس لے، جو رومی کی مثنویات کے افکار سے وابستگی رکھے، جو حافظ کے گنجینۂ تغزل سے دُرِ نایاب حاصل کرے اور غیاث الدین ابوالفتح عمر بن ابراہیم الخیام کے جامِ تصوف سے مئے نوشی کرے بیشک اسکی زبان سے یہ کلمات ہی ادا ہونگے :

''سر چشمہ ایمان ہیں حالاتِ رسولؐ ☆ گنجینۂ دوران ہیں کلماتِ رسولؐ
انسان کی عظمت کو بڑھانے والے ☆ ظلمت میں چراغاں ہیں بیاناتِ رسولؐ

[ابراہیم اشک]

اور

''روشن ہے زمانے میں کردارِ حُسینؓ ☆ ہے سچا مسلمان طرفدارِ حُسینؓ
اے اشک سنور جایئے مقدر اس کا ☆ ہو جایئے جسے خواب میں دیدارِ حسینؓ

[ابراہیم اشک]

اشک صاحب نے اس رباعی میں خواب میں دیدارِ حسینؓ کی بات کہی ہے۔ خواب میں دیدارِ حسینؓ سے مقدر سنور جاتا ہے۔ کچھ اور آگے بڑھیے تو حقیقت میں دیدارِ حسینؓ سے دنیاء وعقبےٰ دونوں سنوار لینے کا منظر نظر آئے گا۔ تاریخ گواہ ہے کہ میدانِ کربلا میں حُر لشکرِ شیطانیت کے ساتھ آئے تو تھے حسینؓ سے جنگ کرنے کی نیت سے مگر کربلا میں دیدارِ حسینؓ سے انکے دل ودماغ کی دنیا ہی بدل گئی اور حال یہ ہوا :

ساتھ شیطانوں کے آئے پھر بھی لی عقبےٰ سنوار ☆ حُر کو بھی کیسا نوازا کاتبِ تقدیر نے

[رند مکرانوی]

اور ایسا ہوا اس لئے کہ ''عظمت انساں کی اداوالے'' بندۂ بے دام وفا والے اور خدا والے حُسینؓ کی

حقیقت کو اہلِ نظر مُر نے جان لیا۔ پہچان لیا۔ سمجھ لیا۔ (اشک صاحب کے الفاظ میں ''جو اہلِ نظر ہیں وہ سمجھتے ہیں مجھے) اشک صاحب اپنی رباعی میں :

صوفی ہوں قلندر ہوں خدا والا ہوں ☆ میں عظمتِ انساں کی ادا والا ہوں

جو اہلِ نظر ہیں وہ سمجھتے ہیں مجھے ☆ اک بندۂ بے دام وفا والا ہوں

مُر جیسے گوہر شناس اہل نظر ہی کا تذکرہ کرتے ہیں۔ ایسے گوہر شناسوں کی تعداد بہت کم ہے (پھر بھی غنیمت جانیئے کہ معدودے ہی سہی ہیں تو سہی) غور طلب ہے کہ خود عمر خیام کو سمجھنے میں صدہا ادباء نے تغافل، کور چشمی و کوتاہی کا ثبوت دیا اور خیام کو دنیاء وعیش پرست ہی سمجھا، اُسکے جام وصبو کو محدود دائرے میں ہی رکھا، دیکھا، سمجھا۔ عام قاری کی بات چھوڑیے ہندی کے مشہور و معروف کوی (شاعر) میتھلی شرن گپت کے تاثرات بھی اس معاملے میں سطحی قسم کے ہی ہیں......خیام کا قد گھٹانے کی مصلحت کے تحت (جو شعراء وادباء کی فطرت بن چکی ہے) یا نا اہلی کی بناء پر، خدا جانے۔ میتھلی شرن کے تاثرات ملاحظہ فرمائیں :

"कुछ लोगों ने उमर की चतुष्पदियों (رباعیات) में सूफियों के अद्वैतवाद की आध्यात्मिक व्याख्या खोज निकाली है। परन्तु सुरा और साक़ी की प्रशंसा में, आत्मा और ब्रहन के ऐक्य को खोजने का प्रयत्न करना हमें तो व्यर्थ जान पड़ता है। हाफ़िज़ के संबंध में अवशय यह कहा जा सकता है। समस्त परम्परागत इतिहास और स्वयम् रूबाइयों की अन्तरात्मा इस बात की साक्षी है कि उमर ने सुरा और साक़ी की प्रशंसा में, जो कुछ कहा है, वही उसका अर्थ है।"! उनका शराब का प्याला कबीर का प्रेम प्याला नहीं।"

(रूबाइयात उमर ख़य्याम (सचित्र) अनुवादक मैथिलीशरण गुप्त, प्रकाश वैध शिवनारायण मिश्र, भिषग्रत्न, प्रकाश पुस्तालय कानपुर) 1986 श्रावणी एडीशन)

مذکورہ بالا رباعی میں اشک صاحب نے ''جو اہل نظر ہیں وہ سمجھتے ہیں مجھے'' سطر میں ایک جہانِ مفاہیم مخفی اہل فکر کے لئے پیش کر دیا ہے کہ اہل خرد کی آنکھ نہ جانے کتنے ،طبقات سے باہر دیکھنے کی تجسس میں بے چین ہو جاتی ہے۔ دنیا کے صوفیاء اور اولیا اللہ اور حسینؓ تک ہی نہیں اہلِ خرد کی آنکھ اس سطر میں مخفی معانی کی جستجو میں خود خداء قدوس تک پہنچتی ہے کہ اُسے بھی ''جو اہل نظر ہیں وہ سمجھتے ہیں'' ......دیگراں کے بس کی بات نہیں ہے خدا کو 'سمجھنا' اور 'جاننا'......ہاں ''ماننا'' کا معاملہ جُدا گانہ ہے۔

حقیقت تو یہ ہے کہ لوگوں کے فہم و ادراک کی پرواز کی حدود متعین ہیں۔ جنکا مزاج و رسائی جہاں تک ہے وہیں تک انکی سوچ وفکر کی حد ہے۔ جو شخص جس رنگ میں رنگا ہوا ہے اسے ہر شئے اور ہر لفظ میں وہی رنگ

نظر آتا ہے۔ تجسس کے قدم حدود سے باہر بھی نکل کر دیکھتے ہیں مگر میتھلی شرن گپت کے قدم نے یہ جسارت ہی نہیں کی۔ ہاں قارئین حضرات ان دو رباعیات کو یکجا رکھ کر دیکھیں تو معاملہ بالکل صاف ہو جائیگا کہ عمر خیام کے جام و ساقی و مئے اور ابراہیم اشک صاحب کی ذیلی دونوں رباعیوں میں مذکورہ جام، ساقی، مئے کے معنی کچھ اور ہی ہیں :

اب اور نہ آلام کی باتیں کیجئے ☆ رنگین ہے شب جام کی باتیں کیجئے
زندہ ہو غزل اور رباعی یارو ☆ کچھ حافظ و خیام کی باتیں کیجئے

اور

سعدی کی ذہانت نے لبھایا ہے مجھے ☆ افکار نے رومی کے رجھایا ہے مجھے
خیام نے مئے نوش بنا کر چھوڑا ☆ حافظ نے غزل کہنا سکھایا ہے مجھے

یہاں آلام، رنگین شب اور جام الفاظ کا انکی لغوی معنویت سے کوئی رشتہ نہیں ہے۔ یہاں یہ الفاظ لغوی معنویت کی حدود سے بہت دور کھڑے معانی و مفاہیم کے حامل ہیں کیونکہ یہ الفاظ حافظ و خیام کے ساتھ ساتھ سعدی و رومی کی فکر و فلسفہ سے منسوب کئے گئے ہیں۔ حافظ، سعدی، رومی کی ذہانت فلسفہ تصوف جگ ظاہر ہے اور جام کے پردے میں خیام کا روح افزا پیغام سرورِ باطنی بھی۔

اشک صاحب نے ''رنگین شام'' لفظ کو لغویات و مکروہات، عیش و طرب کے جہل میں گزرتی جارہی زندگی (جہالت کی اندھیری رات) کے معنوں میں استعمال کیا ہے کہ جسکا خاتمہ صبح کی پہلی کرن کے ساتھ (یعنی بہت جلد) ہو جاتا ہے۔ لہٰذا اس رباعی کی شکل میں اشک صاحب کا پیغام قارئین کے نام پہنچتا ہے کہ عیش و طرب کی زندگی میں مشغول ہو مگر یہ زندگی جہالت کی سیاہ شب ہے کہ جسے دوام نہیں، کچھ فکر کیجئے، روح کو گرما دیجئے، قلب کو تڑپا دیجئے اور باطن کو مسرور کر دینے والے جام کی فی الفور فکر کیجئے کیونکہ بے حسی، جہالت، عشرت و بے خبری میں زندگی کے زیادہ تر لمحات تمنے بیکار ضائع کر دیئے۔ اب چند لمحات زیست جو بچ رہے ہیں ان میں آلام کی (فالتو) باتوں کے برخلاف روح کو گرما لیجئے، قلب کو تڑپا لیجئے اور اُس جام کو اٹھایئے جو یہ مقاصد پورے کر سکے۔ بلفظِ دیگر:

منھ دکھانے کا کیجئے سامان ☆ رند روزِ حساب آتا ہے (رند مکرانوی)

شیخ سعدی اپنی مشہور زمانہ تصنیف ''گلستان'' میں دنیادار کو دنیا کے مکر و فریب سے آگاہ کرتے ہوئے نصیحت آموز درس دیتے ہیں اور ان مکر و فریب سے بچکر زندگی گزارنے کے اصول بتلاتے ہیں۔ سعدی کی ذہانت سے متاثر ہو کر اشک صاحب دنیادار سے یوں مخاطب ہوتے ہیں :

چھوڑی نہ اگر تو نے خود پسندی ہرگز ☆ ہوگی نہ طرف تیرے خداوندی ہرگز
پانا ہے اگر کچھ تو کسی کا ہو جا ☆ بن اس کے ملے گی نہ بلندی ہرگز

اس رباعی کے مخفی جہان معنی میں رسائی کی غرض سے پھر صوفیائے کرام مولینا جلال الدین رومی اور بلّے شاہ کی طرف جانا ہوگا۔ اشک صاحب نے آگاہ کیا ہے دنیادار کو کہ بلندی حاصل کرنے کے لئے کچھ ہو جانا یا بن جانا ضروری نہیں۔ ضروری ہے کسی کا ہو جانا، اپنی ہستی کو مٹا دینا، کچھ ہو جانے میں ''خود پسندی کی بُو خُو شامل ہے یعنی خودی (اہم۔ میں) کی بُو جس کے متعلق مولینا رومی کی مثنوی کا یہ شعر متنبہ کرتا ہے :

''چوں خودی آمد خدا پوشیدہ شد، صد حجاب از دل بسوے دیدہ شد''

اور سائیں بلّے شاہ کے شاگردوں پر'' کچھ ہونے'' نے جو قہر برپا کیا وہ قصہ یہ ہے کہ شاہ صاحب نے اپنے شاگردوں کو ایک عرصہ خودی ترک کرنیکا درس دیا اور بطور امتحان دور دراز علاقے کی کسی بستی کو جانے کا حکم دیا۔ شاگرد اس بستی میں پہنچے۔ ان نئے چہروں کو بستی والوں نے دیکھا اور سوال کیا...... تم کون لوگ ہو؟ جواب دیا مُمن، کلّن، بنّن سادھوسنت فقیر ہیں۔ ناموں سے بستی والوں نے سمجھا اُٹھائی گیرے لُچے لفنگے ہیں لہٰذا خوب پٹائی کی تو یہ شاگرد بھاگ چھوٹے۔ گرتے پڑتے بلّے شاہ کی حضور میں آکر تمام واقعہ بیان کیا۔ بلّے شاہ نے فرمایا...... کچھ بنو گے تو یہی حشر ہوگا۔ تمہیں اس کچھ ہونے اور کچھ بننے نے ہی پٹوا دیا۔ احمقو اپنی ہستی کو ابھی تک نہیں مٹا پائے! کیوں نہیں کہہ دیا بلّے شاہ کے شاگرد ہیں۔ کچھ ہونے کے بجائے کسی کے ہو جاؤ گے تب بلندی ملیگی۔ کسی کے ہو جاؤ گے تو کچھ بن جاؤ گے بھی۔ دانہ خاک میں ملتا ہے اپنی ہستی کو مٹاتا ہے تب جا کر کچھ بنتا ہے...... آم، نیم، برگد، پیپل، ببول، بلند قامت بنتا ہے۔

جناب ابراہیم اشک نے رباعیات میں جا بجا ذہانت کا ثبوت پیش کیا ہے۔ سعدؔی کی ذہانت سے استفادہ کیا ہے۔ تمثیلی انداز میں الفاظ کو ذو معنویت بخشکر ذیلی رباعیات میں دورِ حاضر کے ایک عام کرب کو جس ذہانت کے ساتھ پیش کیا ہے وہ دیدنی ہے :

- اس دور میں احساس وفا ہے گمنام ☆ اس دور میں اندازِ حیا ہے گمنام
  کہنے کو نئی روشنی آئی ہے بہت ☆ پر طاق سے مٹی کا دیا ہے گمنام
- تہذیب وتمدن کی وراثت مت چھوڑ ☆ نادان سرابوں کے پیچھے مت دوڑ
  جس روز جڑوں سے تو اُکھڑ جائیگا ☆ اُس روز بہت مہنگی پڑیگی یہ دوڑ

ان دونوں رباعیات میں مستعمل الفاظ ''احساسِ وفا' انداز حیا، نئی روشنی۔ طاق سے مٹی کا دیا، تہذیب و تمدن کی وراثت، سرابوں کے پیچھے، جڑوں سے تو اکھڑ جائیگا'' کے استعمال میں جو گہرائی و گیرائی ہے یعنی

ذہانت ہے وہ بے مثال ہے، مشاقی سے حاصل کردہ لائق تحسین استعمال ہے۔اس دور میں عشق ومحبت میں وفا کی جگہ ہوس نے لے لی ہے، حیا کے معنی ومفاہیم ہی بدل چکے ہیں۔ ''نئی روشنی'' علم کی اور اس علم سے حاصل کردہ برقی (بجلی کے بلب کی) روشنی ہی نہیں تہذیب کے متعلق نئی سوچ فکر سے بھی ہے۔لفظ ''نئی روشنی'' ذومعنویت لئے ہوئے ہے اور طنزیہ استعمال کیا گیا ہے۔ ''طاق' ہٹی کے ''دیے'' کا مُستقر ہوا کرتا تھا اب مٹی کے دیے کی جگہ بجلی کے بلب نے لے لی ہے جسے جب چاہے، جو چاہے، جہاں چاہے فِٹ کر لے۔اس رباعی میں ''مٹی کے دیے'' سے مراد عہد حاضر کا نوجوان طبقہ (لڑکے لڑکیاں) ہے کہ جسنے تہذیب وتمدن کی وراثت چھوڑ دی ہے......سرابوں کے پیچھے دوڑنے میں اپنی جڑوں سے اکھڑتا جا رہا ہے۔اُسے یہ احساس بھی نہیں کہ اس جدید سوچ فکر نے (نئی روشنی نے) اُسے کس حد تک برباد کرڈالا ہے۔نوبت بہ ایں جا رسید کہ جینس، پتلون اور ٹی شرٹ کی اس نئی روشنی (جدیدیت) میں ان مٹی کے دیوں (نوجوان لڑکے لڑکیوں) کا کوئی مستقر ہی نہیں رہا۔اس مٹی کے دیے (نوجوان طبقے) کو اب ہم کسی گھر میں، کسی طاق میں نہیں پاتے۔یہ مٹی کا دیا بھنورے اور تتلی کی مانند اڑتا پھرتا رہتا ہے۔پتہ نہیں کس مقام پر...... کس وقت کس ہوٹل کے کمرے، کونے میں، کس باغ میں کس گُل کی گود میں کیا گُل کھلاتا رہتا ہے۔یہ اپنے دائمی مستقر (گھر۔طاق) کا قائل نہیں رہا۔

'' کہنے کو نئی روشنی آئی ہے بہت، پر طاق سے مٹی کا دیا ہے گمنام'' الفاظ میں اس نئی روشنی کی اصلیت کو بے نقاب کرنے میں اشک صاحب نے فنکارانہ ہنرمندی سے کام لیا ہے اور اس دور کے ہر ذی شعور انسان اور نوجوان طبقے کے والدین کے کرب کو جس انداز میں پیش کیا ہے وہ انداز بیان اشک صاحب کی ذہانت کا ثبوت ہے۔

اشک صاحب کی رباعیات سے متعلق اس مضمون میں خاکسار قلمکار نے جن دو رباعیات کو شروع میں نقل کیا ہے ان میں سے دوسری رباعی میں اشک صاحب کا یہ اعتراف :

خیام نے مئے نوش بنا کر چھوڑا...... سطحی فکر کے قاری کو گمراہ کرسکتا ہے اور وہ اشک صاحب کو میکش ہی نہیں میخوار سمجھنے کی خطا بھی کرسکتا ہے۔حق تو یہ ہے کہ شعراء میں سے ہر ایک شاعر نے اپنے کلام میں ساغر، جام و مئے کا تذکرہ کیا ہے۔مگر وہ مئے بازارو مئے نہیں ہے اور ان شعراء میں اکثریت انکی ہے جنھوں نے مئے کو چکھا تو کیا چُھوا بھی نہیں۔حتیٰ کہ خود خیام کے متعلق بھی اس بازارو مئے نوشی کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔مگر خیام پر یہ الزام بڑی آسانی کے ساتھ سطحی سوچ فکر کے قارئین آج تک لگاتے جا رہے ہیں۔خیام کی یہ مئے کون سی مئے ہے اسکی وضاحت کے لئے ہمیں خیام کی نوعمری و جواں سالی کے عہد میں لوٹنا پڑیگا۔

عہد طفلی میں خیام کو شہر خراسان کے مشہور و معروف فلسفی شاعر معلم امام موفق کی شاگردی نصیب ہوئی تھی۔ انکی شاگردی میں اور بھی طالب علم تھے۔ ان میں سے علی امام طوسی اور حسن بن سباح بھی تھے (حسن سباح نہیں جو مشہور صوفی گزرے ہیں) عمر خیام اور علی امام طوسی، حسن بن سباح عزیز دوست بن گئے۔ تینوں ذہین بھی تھے۔ طالب علمی کے دور میں تینوں دوستوں میں قول و قرار ہوا کہ تینوں میں سے جو بھی پہلے کسی اعلےٰ عہدے پر فائز ہو وہ باقی دونوں دوستوں کی مدد کریگا۔ قسمت سے علی امام طوسی بحیثیت وزیر ملک فارس کے نظام الملک کے عہدے پر فائز ہوئے۔ خبر ملی تو عمر خیام اور حسن بن سباح انکے پاس گئے۔ حسن بن سباح نے حکومت میں کسی عہدے کی درخواست کی جو علی طوسی کی سفارش پر بادشاہ نے قبول کر لی۔ عمر بن خیام نے اپنے دوست سے دنیاوی کوئی چیز نہیں مانگی نہ عہدہ، نہ دولت۔ مانگا تو صرف ایک گوشہ کہ جہاں بیٹھ کر دو وقت کی روٹی کی فکر سے آزاد رہ کر فکر و فن علم و ادب، شعر و سخن میں مشغول رہ سکے۔ صبر قناعت فقیرانہ خوبو کے پُتلے اس دوست پر وزیر کو حیرت ہوئی مگر دوست کی پُر خلوص درخواست قبول کر لی اور وظیفہ مقرر کر دیا کہ روٹی کی فکر علم کی حصولی میں دخل انداز نہ ہو۔ خیام نے ریاضی نجوم فلسفہ اور شعر سخن یعنی ادبی خدمات میں بے مثل کمال حاصل کیا اور تا عمر اسی تگ و دو میں مصروف و مشغول رہے، یہی ادبی و علمی تجسس خیام کی مئے ہے جسکے نشے میں خیام تا عمر مسرور رہا۔ یہی وہ مئے ہے جسکا اعتراف اشک صاحب نے ان الفاظ میں کیا ہے :

''خیام نے مئے نوش بنا کر چھوڑا''

یہی خیامیت اشک صاحب کو مسرور کرتی ہے۔ اسی خیامیت کے سرور میں اشک صاحب غزلیں، گیت اور رباعیات کہتے رہے ہیں۔ اس خیامیت کو اس رباعی میں ملاحظہ فرمائیں :

وہ روپ کا مدہوش مچلتا ساگر ☆ سوندھی سی مہک جسم چھلکتا گاگر
جی چاہے کہ ادھروں پہ ادھر رکھ کے کبھی ☆ پی جاؤں سراپا میں اسے لہرا کر

اس ذوق سخنوری کی مئے کا نشہ اشک صاحب کے ذہن رسا کو وہاں تک پرواز دیتا ہے جہاں راز و نیاز کے پیچیدہ مسائل اور یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ''وہ'' کون ہے جسے اشک صاحب نے ''روپ کے مدہوش مچلتے ساگر'' سے تشبیہ دی ہے؟ یہ ''سوندھی سی مہک'' بکھیرتا جسم کس کا جسم ہے کہ جس کے جسم سے گاگر کی مانند سوندھی سی مہک چھلکتی ہے؟ وہ رُوپ وتی کون ہے کہ جس کے ادھروں پر اپنے ادھر رکھکر اس روپ وتی کو لہرا کر سراپا پی جانے کو اشک صاحب بیتاب ہیں؟ وہ کون ہے جس کے اوصاف کے بابت اشک صاحب فرماتے ہیں :

بورائی ہوئی جیسے کہیں امرائی ☆ بہتی ہوئی مدہوش کہیں پروائی

جو بن ہے کہ انگ انگ کھلا ہی جائے ☆ ہر ایک ادا اسکی نئی انگڑائی

آخرش یہ کون ہے جسکی ہر نئی انگڑائی ایک نئی ادا کا احساس کراتی ہے؟ بجلی کا چمکنا، کڑکنا، لہرانا، بورائی ہوئی امرائی کا وجود میں آنا، پروائی کا مدہوش انداز میں چل کر روح افزا ماحول بنانا یعنی ایک ایک نئی انگڑائی کا جداگانہ انداز و ماحول! آخر وہ کون ہے کہ جسکے خرام ناز کی یہ جلوہ نمائیاں ہیں اور جو :

بادل کے بگولوں پر لکھتی ہے سلام ☆ پروائی کے جھونکوں میں دیتی ہے پیام
جب رنگ پہ آتی ہے میری تنہائی ☆ کرتی ہے تصور میں اس سے کلام

ان سوالات کا جواب ہمیں ملے گا اشک صاحب کی ذیلی رباعی میں :

"یہ دھیمے سُروں میں جو بجتا ہے ساز ☆ آتی ہے کہیں دور سے اسکی آواز
دل ایسے ہر اک بار دھڑک جاتا ہے ☆ کُھل جائے کہیں جیسے انجانا راز

دل کے ہر بار دھڑکنے سے "دھیمے سُروں میں جو ساز بے آواز (زندگی کا ساز) بجتا ہے اُسے بجانے والا کہیں دور، بہت دور سے بجا رہا ہے۔ اسکی تلاش میں سرگرم عمل رہیے، غور وفکر کیجئے تو یہ "انجانا راز" انجانا نہیں رہیگا اور اشک صاحب کی رباعیات میں موجود (مذکورہ) وہ روپ کا مدہوش مچلتا ہوا ساگر جسکے جسم سے سوندھی سی مہک، بھری ہوئی گاگر کے مانند چھلکتی ہے وہ "روپ وتی" جسکے ادھروں پر ادھر رکھکر اشک صاحب جسے سراپا پی جانے کے خواہشمند ہیں، پردۂ راز میں پوشیدہ اُس "روپ وتی" کا انجانا راز عیاں ہو جائیگا۔

ان رباعیات میں افکار و تخیلات کے جن مضامین کو اشک صاحب نے اس سلیقے اور ہنرمندی سے پیش کیا ہے کہ الفاظ کی اس پردہ داری کے پس پردہ جھانکنے میں سطحی بصیرت ناکام ہو کر رہجاتی ہے۔

اسٹنٹ ڈائرکٹر۔ انکم ٹیکس۔ روم نمبر ٥٢۔ آئیکر بھون۔
پاؤٹاسی روڈ۔ جودھپور۔ ٣٤٢٠٠١ (راجستھان)

☆☆☆☆☆

☆☆☆

ابراہیم اشک: کوملتا اور رباعی

رباعی ایسی صنف سخن ہے جس کے لئے زبان و بیان پر غیر معمولی قدرت اور فنی ریاضت کی ضرورت ہوتی ہے کیوں کہ یہ سمندر کو کوزے میں بند کرنے کا فن ہے۔ جیسا کہ صاحب تصنیف حیات الشعراء (۱۹۴۹ء) محترم مولانا محمد نعیم الحق آزاد مرحوم تحریر فرماتے ہیں کہ رباعی کے چار مصرع متفق الوزن والقوافی ہوا کرتے ہیں۔ مصرع سوم میں اگر قافیہ ہو تو بہتر اور نہ ہو تو کوئی مضائقہ نہیں۔ رباعی میں نو زحاف ہوتے ہیں۔ زحاف تغیرات کا نام ہے۔ ان تغیرات سے ۲۴ وزن بنائے گئے ہیں۔ ان میں سے ۱۲ اوزن اخرب اور ۱۲ اوزن اخرم کہلاتے ہیں۔ اکثر رباعی ''لاحول ولاقوۃ الا باللہ'' کے وزن پر ہوتی ہے۔ رباعی کا مصرع چہارم تینوں مصرعوں سے چرب اور عمدہ ہوتا ہے۔''

میں پورے وثوق سے کہہ سکتی ہوں کہ ابراہیم اشک کی رباعیاں ان پیمانوں پر پوری اترتی ہیں۔

خیالات کے بحر بیکراں کو چار مصرعوں میں بند کرنا اور پھر مخصوص بحر میں چاروں مصرعوں کے درمیان ربط قائم رکھنا اور پھر چوتھے مصرع میں اس کیفیت کو نقطۂ عروج پر پہنچانا کوئی آسان کام نہیں ہے۔

رباعی کی صنف بڑی دیدہ ریزی اور جگر کاوی کی متقاضی ہے۔ اس میں کامیابی اس وقت ہی ممکن ہے کہ شاعر رباعی کے فنی رموز و نکات سے پوری طرح واقف ہو اور مشق و ریاضت کی بھٹی سے گذر چکا ہو۔ غالباً یہ ہی سبب ہے کہ اردو میں کامیاب رباعی کہنے والے شعراء کی تعداد نہ پہلے زیادہ تھی اور نہ آج ہے۔

ابراہیم اشک نے نہ صرف رباعی کہنے کا حق ادا کیا بلکہ اس کے امکانات کو وسعت اور عمق بخشا ہے۔ رباعی کے صوری اور معنوی محاسن کو ابراہیم اشک نے نہ صرف برقرار رکھا ہے بلکہ مہمیز کیا ہے۔ ابراہیم اشک کی رباعیوں میں اس فن کی امتیازی خصوصیات پائی جاتی ہیں۔ ابراہیم اشک ایک سچے تخلیقی فنکار ہیں اس لئے جس طرح موضوع کا تنوع، بول چال کی زبان، بے باک لہجہ ان کے گیتوں کی خصوصیات ہیں اسی طرح یہ ان کی رباعیوں کو بھی جاندار اور پرکشش بناتی ہیں۔

ابراہیم اشک کی رباعیات پڑھ کر ہم ایک حیرت انگیز اور خوش گوار جمالیاتی تجربے سے گذرتے ہیں۔

- چڑیوں سے ملے پھول سے باتیں کرلیں ☆ راہوں میں پڑی دھول سے باتیں کرلیں
  ہم لوگ ہیں دیوانے، اگر یاد آئی ☆ اپنی ہی کسی بھول سے باتیں کرلیں

- فطرت ہے یہ ہی پھول کی خوشبو دے گا ☆ ہو گا جو کوئی اہل نظر سمجھے گا
لبریز وفا سے ہے اگر ساغر دل ☆ چھلکے گی محبت ہی اگر چھلکے گا

ابراہیم اشک کی رباعی میں ان کے گیت کا رنگ وآہنگ چھلکتا ہے اور کوملتا اور مدھرتا رباعی میں ابراہیم اشک کا ہی خاصہ ہے :

- اڑتے ہوئے بادل کے بگولے دیکھے ☆ برگد پہ کہیں نیم پہ جھولے دیکھے
کہتے ہوئے دیکھا یہ سہیلی سے اسے ☆ "بھیا ہمیں ساون میں بھی بھولے دیکھے؟
- کنگن کوئی کھنکا کوئی چوڑی کھنکی ☆ دل نے سنی آواز تیرے گنجن کی
محسوس ہوا ڈالی گلے میں بانہیں ☆ پوری ہوئیں کچھ یوں بھی مرادیں من کی
- سینے کے ابھاروں میں مہتاب ہیں بند ☆ وہ مست سراپا ہے شرنگار کا چھند
ایک بار گذر جائے وہ جس رستے سے ☆ اس راہ کے ذروں میں بس جائے سگھند

ابراہیم اشک کو زندگی کی ناہمواریوں اور گردوپیش کی کھردری حقیقتوں کا ادراک بھی ہے اور گہرا احساس بھی۔ اور اس کا برملا اظہار بھی کرتے ہیں۔ شدت مشاہدہ اور نفاست طبع نے ان کی قلمی تلوار کو دودھاری کر دیا ہے۔

- یہ اہل ہوس کام نہ کر پائیں گیں ☆ اک پل کو بھی آرام نہ کر پائیں گے
سو سال نگینے کی طرح گھس کر بھی ☆ دنیا میں کوئی نام نہ کر پائیں گے
- اس دور میں احساس وفا ہے گمنام ☆ اس دور میں انداز حیا ہے گمنام
کہنے کو نئی روشنی آئی ہے بہت ☆ ہر طاق سے مٹی کا دیا ہے گمنام
- ہتھیار نئے ہم جو بنا کے آئے ☆ خد اپنی تباہی کو بڑھا کے آئے
کس درجہ نئے دور میں ہم آگے بڑھے ☆ تلوار گئی بم کے دھماکے آئے

آج زمین پر جنگ وفساد جاری ہے۔ رنگ ونسل کا خوفناک کھیل جاری ہے۔ قدم قدم پر انسانی عظمت کو پامال کیا جارہا ہے۔ دنیا کے مسائل غریبی، بھوک، بیماری، جہالت کا کوئی علاج نہیں کیا جارہا۔ ہاں مادی ترقی کی دوڑ میں چاند تاروں پر کمندیں ڈال رہے ہیں اور گردوپیش کی بستیاں ہماری نظروں سے اوجھل ہیں۔ ابراہیم اشک اس پر کیا سادہ انداز میں کہتے ہیں :

- انجان ہی رہتے تو بہت اچھا تھا ☆ بے دھیان ہی رہتے تو بہت اچھا تھا
دوڑایا بہت علم و ہنر نے ہم کو ☆ نادان ہی رہتے تو بہت اچھا تھا

اے جانِ وفا، جان وفا، جانِ وفا ☆ ہے خوب ادا، خوب ادا، خوب ادا
بس یونہی سلامت تجھے اللہ رکھے ☆ یہ میری دعا، میری دعا، میری دعا

ابراہیم اشک کی یہ شاعرانہ عظمت اور قدرت فن کا کمال ہے کہ رباعی جیسی مشکل صنف میں انہوں نے نئے نئے تجربے کئے ہیں اور وسیع شعور کے شاعر ہونے کا ثبوت پیش کیا ہے۔ان کی وسعت پسند آفاقیت نے رباعی کا معیار یقیناً بلند کیا ہے اور اس کا مزاج بھی بدلا ہے۔ان کی رباعیاں زیادہ تر دروں بینی اور خود کلامی کی فضا میں پھلتی پھولتی ہیں۔انسانی نفسیات کے وہ ماہر ہیں اور تشبیہات واستعارات کو تزئین بخشنے کے ہنر سے واقف ہیں۔

اس کتاب کے مقالہ نگاروں نے ابراہیم اشک کی رباعی گوئی کے سفر کو بھرپور طور پر آنکا پرکھا ہے اور تہہ در تہہ مفاہیم کی پرتیں کھولی ہیں۔اس کتاب کے مقالے سے جہاں رباعی کے فن کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے وہیں ابراہیم اشک کی رباعی کے پیکر کی پنکھڑیاں کھلتی نظر آتی ہیں،ارکان، لے اور آہنگ کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے اور ان کی تجرباتی اور اختراعی رباعیوں سے آگاہی ہوتی ہے۔

اس انکشافی کتاب کی گونج دیر تک سنی جائے گی،اس کا یقین ہے۔

ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی
کوھسار، بھیکن پور - ۳، بھاگلپور -۸۱۲۰۰۱ (بہار)

- سچ بات کوئی کہنے کو تیار نہیں ☆ اجلاس میں دنیا کی صلح کار نہیں
  ملکوں کی سیاست کا عجب ہے ناٹک ☆ کمزور کا کوئی بھی طرف دار نہیں

شاعری میں دل اور دل دار کی باتیں ہر دور میں ہوتی رہی ہیں اور اس کا جلوہ مختلف شکلوں میں ظہور پزیر ہوتا ہے۔ شاعر اپنے ذاتی تجربے کو اس طرح بیان کرتا ہے کہ یہ ہر دل کی دھڑکن بن جاتا ہے۔ ابراہیم اشک حقیقت کو کس طرح ایمائیت سے بیان کرتے ہیں۔

- بورائی ہوئی جیسے کہیں امرائی ☆ بہتی ہوئی مدہوش کہیں پروائی
  جوبن ہے کہ انگ انگ کھلا ہی جائے ☆ ہر ایک ہے اس کی نئی انگڑائی
- وہ صبح ہوئی بھور کا تارا ٹوٹا ☆ ہاتھوں سے مرے ماہ کا دامن چھوٹا
  مرجھائی ہوئی سیج پہ ڈالی جو نظر ☆ انگ اس کا کھلا جیسے کہ بوٹا بوٹا
- آباد تصور سے ہیں آنکھیں ہر دم ☆ خوش ہم سے رہے یار کہ چاہے برہم
  دل ہے کہ محبت میں جلے ہے ایسے ☆ آندھی میں دیا جیسے جلے ہے مدھم

انسان اس کائنات کا اہم حصہ ہونے کے باوجود ایک تشنگی کا احساس لئے ہوئے ہے۔ یہ تشنگی تمام مادی آسائشوں اور سائنسی ترقیوں کے باوجود اسے بے چین رکھتی ہے۔ ابراہیم اشک جانتے ہیں کہ یہ بے چینی اور ازلی تنہائی صرف اُس کی ذات میں ضم ہو کر ہی ختم ہو سکتی ہے اور اس کا یہی شدید احساس اس کی رباعیات کا حصہ ہے :

- کیا نیست ہے نابود ہے میں کیا جانوں ☆ کیا آتش نمرود ہے میں کیا جانوں
  ایمان و دل و جان لٹا کر خوش ہوں ☆ نقصان ہے یا سود ہے میں کیا جانوں
- روشن مہ و خورشید تیرے نور سے ہیں ☆ ذرے بھی بصد دید تیرے نور سے ہیں
  چاہے ہے جسے بس اسے روشن کر دے ☆ دل سب کے پر امید تیرے نور سے ہیں
- جب تک نہ ہو شگفتہ غنچۂ حباب ☆ پوشیدہ رہے اس کی ہستی کا حجاب
  جس لمحہ سر موج وہ کھل جاتا ہے ☆ اے اشک بکھر جاتا ہے سانسوں کا حساب

ایک سچے ادیب و شاعر کا اپنے معاشرے سے گہرا ربط ہوتا ہے۔ وہ اپنے معاشرے میں ظہور پزیر ہوتے واقعات سے آنکھیں نہیں چرا سکتا۔ ان کا مشاہدہ کرتا، انہیں اپنے اندر اتارتا اور پھر اپنی تخلیقی سطح کے مطابق اسے پیش کرتا ہے :

- حالات سے دوچار پریشان بھی ہیں ☆ ہیں شک کی نگاہوں میں پشیمان بھی ہیں

لیکن یہ وفاداری کے زندہ ہیں ثبوت ☆ کرگل کے شہیدوں میں مسلمان بھی ہیں

- تہذیب وتمدن کی وراثت مت چھوڑ ☆ نادان سرابوں کے پیچھے مت دوڑ
جس روز جڑوں سے تو اکھڑ جائے گا ☆ اس روز بہت مہنگی پڑے گی یہ دوڑ
- اجڑے در ودیوار ہیں سنسان اوراق ☆ ہے زہر ہی کہنے کے لیے اب تریاق
جس روز سے امریکا نے رکھا ہے قدم ☆ آباد کہاں؟ اور ہے برباد عراق

ابراہیم اشک نے اپنے احساسات وجذبات کو بہت خوبصورتی سے رباعی کے قالب میں ڈھالا ہے :

- ماں جیسی محبت نہ ملے گی یارو☆ ماں جیسی عنایت نہ ملے گی یارو
مِل جائے گی ہر چیز جہاں میں لیکن ☆ ماں جیسی حقیقت نہ ملے گی یارو
- رشتے کیسے ایسے بھی نبھائے ہم نے ☆ بے حال ہوئے زخم بھی کھائے ہم نے
اک بوجھ محبت کا اٹھانے کے لیے ☆ سو بوجھ زمانے کے اٹھائے ہم نے

ابراہیم اشک ایک سچے مسلمان اور عاشق رسول بھی ہیں اور وہ اس کا اظہار کرتے ہوئے کسی احساس کمتری کا شکار نہیں ہوتے :

- ایمان کی دولت سے مسلمان رہو☆ ادراک وذہانت سے مسلمان رہو
فرقوں کی اسیری سے رہو تم آزاد☆ کردار کی عظمت سے مسلمان رہو
- سیرت پہ محمد ﷺ کی جو قربان ہوئے ☆ اخلاص ومحبت سے انسان ہوئے
وہ لوگ مثالی ہیں زمانے کے لئے ☆ آداب وفا سے جو مسلمان ہوئے
- انسان کا آئین جہاں ہے قرآن ☆ اللہ کی دراصل زباں ہے قرآن
نازل جو محمد ﷺ پہ ہوا ہے لوگو☆ اسلام کا وہ زندہ نشاں ہے قرآن

ابراہیم اشک کی رباعی میں ان کا عہد بولتا ہے اور وہ موضوعات بھی ہیں جو ہر دور کی شاعری میں نمایاں رہے ہیں۔

غرض یہ کہ ابراہیم اشک ایک صاحب نظر اور سچے تخلیقی فنکار ہیں اور انہوں نے اپنے جذبات واحساسات کو رباعی کی فضا سے اس طرح ہم آہنگ کیا ہے کہ ادب وشعر کا قاری اسے نظر انداز کر کے نہیں گزر سکتا۔

پوسٹ بکس نمبر۔ ٦٣، تاج چیمبر، نیو ٹاؤن،
میرپور خاص۔ ٦٩٠٠٠ (پاکستان)

ابراہیم اشک: آبروئے رباعی

تمام فنون لطیفہ میں شاعری کو سب سے اعلیٰ وارفع مقام حاصل ہے اور جملہ اصناف سخن میں رباعی سب سے زیادہ حسین، دلکش اور مقدس ہے۔ یہ اور بات ہے کہ غزل، نظم، مثنوی اور قصیدہ کے مقابلے میں اردو رباعی کا سرمایہ بہت کم ہے۔ سینکڑوں شعراء میں ایک دو کو ہی رباعی گوئی کی سعادت نصیب ہوتی ہے۔ تاریخ اٹھا کر دیکھیں تو واقعاتی شہادت یوں نظر افروز ہوگی کہ قلی قطب شاہ نے صرف ۱۴ رباعیاں کہی ہیں، ولی دکنی نے ۲۶، نظیر اکبرآبادی نے ۲۲، انشاء نے ۴۰، میر نے ۵۱، غالب نے ۲۶، ذوق نے ۲۰ اور اقبال نے صرف تین رباعیاں کہی ہیں۔ ان تمام شعراء کی شاعرانہ عظمت اپنی جگہ مسلم ہے مگر پھر بھی انہوں نے اپنی تخلیقات میں رباعی کو معقول نمائندگی نہیں دی۔ یہ حقیقت ہے کہ بڑے بڑوں نے رباعی کی طرف سے بے اعتنائی برتی ہے مگر کمال یہ ہے کہ تمام بے اعتنائیوں کے باوجود اس کا تشخص برقرار ہے۔

تمام اصنافِ سخن میں فنی لوازمات کی قید ہے اور مشق و مزاولت کی ضرورت بھی۔ لہذا میں یہ کہنا ضروری نہیں سمجھتا کہ رباعی پر فنی لوازمات کے شکنجے کسے ہوئے ہیں مگر پھر یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ ہر شاعر چاہے جیسا بھی ہو غزل کا شاعر تو بن ہی جاتا ہے مگر رباعی ہر شاعر کے قابو میں نہیں آتی، آخر کیوں؟ غور کرنے پر یہ محسوس ہوا کہ موجودہ دور میں نت نئے تجربات کی ہوڑ سی لگی ہے اور تخلیقی میدان میں ایک آزاد ماحول قائم ہو رہا ہے۔ پابندیاں اور بندشیں بہت سے قلم کاروں کو پسند نہیں آتیں، روایتوں کا احترام جاتا رہا ہے لہذا ہوا یوں کہ رائج اصناف سخن میں تجربات سے چونکانے کی کیفیت پیدا کی جانے لگی جس کے نتیجہ میں آزاد غزل، غزل نما، نثری غزل، ماہیا غزل، دوہا غزل، غزلیہ اور غزنم سامنے آئیں تو نظم معریٰ، آزاد نظم، نثری نظم یا نظمانے وغیرہ نے بھی اپنی موجودگی درج کرادی۔ دوسری اصناف مثلاً ماہیا، ترو ینی، ہائیکو، تکونی، چوبولے، چھلّے اور دوہکے نے بھی نئے تجربات کی صورت اپنی شکل نکالی۔ ان تجربات پر قائم بحث و مباحث میں اختلاف و اتفاق کا سلسلہ دراز ہے۔ یہ کوئی غلط بات بھی نہیں کہ تجربات نہ کئے جائیں، ایسا میں نہیں کہتا۔ جب غور و فکر سے کام لیا جاتا ہے تو نئی راہیں نکلتی ہیں اور نئے امکانات روشن ہوتے ہیں۔ ہاں البتہ یہ تجربات وہیں ہو سکتے ہیں جہاں اس کی گنجائشیں ہوں۔ دیگر اصناف سخن میں تو آزادی کی فضا قائم ہوئی اور وہاں وہ حضرات بھی دخیل

ہوئے جو شعریت و تخلیقیت کے معنی بھی نہیں جانتے۔ اب چوں کہ رباعی میں تجربات کی زیادہ گنجائش نہیں لہٰذا رباعی کو تختۂ مشق بس یوں بنایا گیا کہ چار بنیادی اوزان پر بیس کا اضافہ کیا گیا پھر بارہ اور مزید اٹھارہ اوزان کی ایجاد کی گئی۔ شعراء کے لئے پہلے ہی اوزان کم نہ تھے، عروضیوں نے ان اوزان کو اور وسعت دے دی۔ مبتدی شعراء رباعی کے نام سے ہی خوف کھانے لگے۔ مدارس اور یونیورسٹیوں کے نصاب میں بھی رباعی کو تقریباً نظر انداز کیا گیا۔ نتیجہ جگ ظاہر ہے۔ آگے بڑھنے سے قبل آیئے ذرا رباعی کے ارتقائی سفر پہ ایک سرسری نظر ڈالیں۔

مختلف ادوار میں رباعی گو شعراء کی ایک لمبی فہرست نظر آتی ہے۔ جو عصر حاضر تک آتے آتے دھندلی ہونے لگتی ہے۔ عمر خیام اپنی رباعیوں کی وجہ سے رہتی دنیا تک یاد کئے جائیں گے۔ انہوں نے اسلوب کی جدّت اور خیالات کی ندرت کے بہترین نمونے پیش کئے ہیں۔ کئی زبانوں میں عمر خیام کی رباعیوں کے ترجمے ہو چکے ہیں۔ پاکستان کے عبدالحمید عدمؔ جیسے معروف شاعر نے عمر خیام کی رباعیوں کا منظوم اردو ترجمہ ''دو جام'' رباعی ہی کی صنف میں کیا ہے جو بہت مقبول ہوا۔ ۱۷۰۰ء سے قبل میر عبدالقادر حیدر آبادی نے دکنی اردو میں رباعیاں کہیں۔ اس کا باقاعدہ آغاز میر و سودا کے زمانہ سے ہوا اور غالب و مومن تک رہا۔ مرثیہ گو شعراء نے شعوری طور پر رباعیاں لکھیں اور ان کے یہاں رباعیوں نے ترقی کے نئے زینے طے کئے اور نئے بال و پر نکالے۔ میر انیسؔ نے اردو کے دامن کو بہترین رباعیوں سے بھر دیا۔ میر انیس کی رباعیوں نے انہیں صفِ اول کے اردو رباعی گو شاعر کا مقام عطا کیا۔ اردو شاعری میں جب انقلاب و اصلاح کا دور دورہ ہوا تو حالی اور اکبر رباعی کی طرف متوجہ ہوئے۔ فانی، یگانہ چنگیزی، امجد حیدر آبادی، سیماب، جوش، مُلّا اور فراق جیسے ممتاز و معروف شعراء نے رباعی کو ترقی دی۔ امجد حیدر آبادی تو گویا رباعی کے لئے ہی وقف تھے۔ ان کی رباعیوں کا ایک مجموعۂ کلام تو سیلاب کی نذر ہو گیا مگر دوسرا مجموعہ 'ریاض امجد' موجود ہے۔ جوش ملیح آبادی کی رباعیات کا مجموعہ 'جنون و حکمت' اور فراق گورکھپوری کی رباعیوں کا مجموعہ 'روپ' منظر عام پر ہیں۔ اس فہرست میں کئی اور نام لئے جا سکتے ہیں جن میں میر عبدالحئی تاباں، خواجہ میر درد، حاتم، مصحفی، مومن، ذوق، دبیر، جگت موہن لال رواں، تلوک چند محروم، شاد عظیم آبادی، جمیل مظہری، سوامی شیا مانند سرسوتی روشن، قتیل دانا پوری، قوس حمزہ پوری، زار علامی، اجتبیٰ حسین رضوی، عطاء الرحمٰن عطا کاکوی، جگن ناتھ آزاد وغیرہ وغیرہ۔ دورِ حاضر تک آتے آتے یہ فہرست کمزور پڑنے لگتی ہے مگر مایوس نہیں کرتی۔ اس دور کے ایک بزرگ و معتبر شاعر ناوک حمزہ پوری نے رباعیات کے کئی مجموعے دیئے۔ ان میں شرارِ سخن، نوائے امروز اور تفہیم رباعی مشہور ہیں۔

شمس الرحمٰن فاروقی، حفیظ بنارسی، علقمہ شبلی، کوثر صدیقی اور دیگر کئی بزرگ شعراء نے بھی اچھی رباعیاں کہی ہیں۔ ایسے ہی بزرگوں کی تائید وتحریک سے نئی نسل بھی رباعی لکھ رہی ہے۔ مگر جیسا کہ میں نے عرض کیا یہ فہرست کمزور پڑنے لگی ہے۔ ہم نے ابھی دیکھا کہ رباعی اپنے ارتقائی سفر میں کہاں سے کہاں پہنچی ہے اور اب یہ حالت ہے کہ چند نام لینے کے بعد ہماری سانسیں پھولنے لگتی ہیں۔

رباعی کی طرف خصوصیت سے توجہ دینے والے نئی نسل کے چند شعراء میں ابراہیم اشک کا نام سر فہرست ہے۔ ادبی دنیا میں ابراہیم اشک کئی جہتوں سے معروف ہیں خصوصاً شاعر ناقد فکشن نگار اور محقق کے طور پر جانے جاتے ہیں۔ فلمی نغمہ نگار کے طور پر بھی اپنی شناخت قائم کر چکے ہیں۔ اشک نے شاعری کی مختلف اصناف میں طبع آزمائی کی ہے۔ حمد ونعت، منقبت، سلام، مرثیہ، دوہا، غزل اور نظم، قطعہ ورباعی سب میں اشک نے اپنی فکر اور اپنے فن کے جوہر دکھائے ہیں۔

ابراہیم اشک نے صرف مزہ بدلنے کی خاطر دو چار رباعیاں نہیں لکھی ہیں بلکہ وہ فی المعنی رباعی گو ہیں۔ انہوں نے اپنے عمیق مطالعہ اور کڑی ریاضت سے ایسی رباعیاں کہی ہیں جو رباعی کے معیار پر پوری اترتی ہیں۔ اشک کو رباعی کے حسن کا عرفان ہے اور ادب میں اس کی اہمیت کا احساس، چناں چہ فرماتے ہیں۔

گنجینۂ معنی کا ہنر لایا ہوں ☆ الفاظ میں اندازِ گہر لایا ہوں
اے ظلمتِ تاریخ ادب تیرے لئے ☆ دامن میں رباعی کے سحر لایا ہوں

شیخ عبدالرحمٰن جامی، سعدی، حافظ، خیام، سرمد اور پھر میر، درد، میر انیس، حالی وغیرہ وہ برگزیدہ اور پاکیزہ شخصیتیں ہیں جنہوں نے رباعی میں عرفانِ ذات، عزتِ نفس، اور ترجمانیٔ حقائق کو خاص اہمیت دی۔ اشک کے یہاں بھی یہ اوصاف دیکھے جاسکتے ہیں۔ انہیں اپنے روشن ضمیر ہونے کا عرفان بھی ہے۔

- بس نامِ خدا لب پہ سجایا ہم نے ☆ سر آگے نہ بندے کے جھکایا ہم نے
  لاحول ولا قوۃ اللہ باللہ ☆ پڑھ کر یہی شیطان بھگایا ہم نے
- مت پوچھئے کیا جلوہ کہاں دیکھا ہے ☆ قطرے میں سمندر کو نہاں دیکھا ہے
  ویران ملایوں تو جہاں اشک ہمیں ☆ اور نقشِ وفا میں بھی جہاں دیکھا ہے

خدا کی بے شمار عنایات میں سے ماں ایک ایسی عنایت ہے جو عالم گیر محبت کے جذبات کی ترجمان ہے۔ اشک نے اپنی ایک نظم 'خدا حافظ' میں ماں سے آخری ملاقات کو یاد کیا ہے۔ وہاں اشک نے احساس کی جس گہرائی سے کام لیا ہے اس کا اثر قاری پر بھرپور ہوتا ہے اور اس کی آنکھیں بھی چھلک پڑتی ہیں۔ رباعی میں

بھی اشک نے ماں کے تئیں اپنے جذبات کا اظہار فرمایا ہے۔

ماں جیسی محبت نہ ملے گی یارو ☆ ماں جیسی عنایت نہ ملے گی یارو
مل جائے گی ہر چیز جہاں میں لیکن ☆ ماں جیسی حقیقت نہ ملے گی یارو

اشک نے روایات سے اپنا رشتہ استوار رکھا ہے۔ ان کے نزدیک روایات کے صحیح شعور کے بغیر فن مکمل نہیں ہوتا۔ تہذیب و تمدن سے حد درجہ لگاؤ اشک کی پہچان ہے۔ اس قبیل کی کئی رباعیاں اشک کے یہاں دیکھی جاسکتی ہیں۔

- تہذیب و تمدن کی وراثت مت چھوڑ ☆ نادان سرابوں کے پیچھے مت دوڑ
  جس روز جڑوں سے تو اکھڑ جائے گا ☆ اس روز بہت مہنگی پڑے گی یہ دوڑ
- تہذیب پہ یلغار کا مطلب کیا ہے ☆ تو اپنی جڑوں سے تو نہیں اکھڑا ہے
  سبزے کی ادا سیکھ لے جینے کے لئے ☆ آندھی کی جسے اشک نہیں پروا ہے
- تہذیب کے معیار کو دیکھا جائے ☆ پھر قوم کے سردار کو دیکھا جائے
  ملکوں کی جو عظمت کو پرکھنا ہے اگر ☆ ہر ملک کے کردار کو دیکھا جائے

اشک نے زندگی کے کئی پہلوؤں پر نظر ڈالی ہے جن میں عزم و حوصلہ اور عمل کو بطورِ خاص اہمیت حاصل ہے۔ حالات کی ابتری کے باوجود اشک مایوس نہیں ہوتے اور اس کا علاج عمل سے ڈھونڈتے ہیں۔ حالاں کہ ایسے مضامین غزل میں جابہ جا بکھرے پڑے ہیں مگر اشک کی ایسی رباعیوں میں وہ تاثیری قوت ہے جو غزل کے شعر پہ بازی لے جائے گی۔

- ہر موڑ پہ بس مائلِ پرواز رہے ☆ چپ رہ کے بھی ہم وقت کی آواز رہے
  ٹوٹا ہے کئی بار یہ دل بھی لیکن ☆ یہ کم تو نہیں ہے کہ جہاں ساز رہے
- ہمّت نے کہا مجھ سے کہ آگے بڑھ جا ☆ محنت نے کہا مجھ سے کہ آگے بڑھ جا
  قسمت نے کبھی اشک جوا لٹی بازی ☆ جرأت نے کہا مجھ سے کہ آگے بڑھ جا
- ہنس دیں تو زمانے کو گلستاں کر دیں ☆ رو دیں تو گلستاں کو بیاباں کر دیں
  دنیا کو بدلنے کی ادا ہے ہم میں ☆ نظریں جو اٹھائیں تو چراغاں کر دیں

ہماری شاعری میں حسن و عشق کے چرچے خوب ہوئے ہیں۔ اتنے کہ کبھی بجائے خوش طبعی پیدا کرنے کے گرانیٔ طبع کا سبب بنے ہیں۔ یہ مضمون پائمال صحیح مگر یہ جب نئی کیفیت اور تازہ جذبے کے ساتھ

سامنے آتا ہے تو دل اس کی جانب کھنچتا ہے۔ اشک نے اگر چہ اپنی رباعیوں میں حسن و عشق کو زیادہ جگہ نہیں دی ہے مگر یہ کیفیت ذیل کی رباعیوں میں ایک خاص فکری پہلو کے ساتھ جلوہ گر ہے اور حسن کی داد جس انداز سے دی گئی ہے وہ قابلِ تعریف ہے۔

- کنگن کوئی کھنکا کبھی چوڑی کھنکی ☆ دل نے سنی آواز ترے گجن کی
  محسوس ہوا ڈالی گلے میں بانہیں ☆ پوری ہوئیں کچھ یوں بھی مرادیں من کی
- بھولے سے تری یاد جو آجاتی ہے ☆ ایک اجڑے ہوئے قصر کو چمکاتی ہے
  پالیتا ہوں دم بھر میں زمانے کی خوشی ☆ جنت مرے قدموں میں چلی آتی ہے

اخلاقیات، پند ونصائح، مذہبیات اور خمریات سے اردو رباعیات بھری پڑی ہیں۔ رباعی میں معشوق کے جسمانی اعضاء کے حسن کا بیان فراق نے مجموعہ رباعیات 'روپ' سے کیا جہاں تقریباً ۳۵۱ رباعیاں ہندی اور سنسکرت کے سنگار رس کے احساسات، حرکات ومحاکات کو پیش کرتی ہیں۔ مگر کہیں کہیں اتنا کھلا پن ہے کہ یہ بے ادبی کے مترادف ہے۔ اشک کے یہاں ایسی رباعیاں ادب کے حدود سے باہر نہیں نکلتی ہیں۔ یہاں اشارے، کنایے اور استعارے اپنی تمام تر خوبصورتی کے ساتھ جلوہ گر ہیں۔

- وہ صبح ہوئی بھور کا تارا ٹوٹا ☆ ہاتھوں سے مرے ماہ کا دامن چھوٹا
  مرجھائی ہوئی سیج پہ ڈالی جو نظر ☆ انگ اس کا کھلا جیسے کہ بوٹا بوٹا
- آجانِ وفا تجھ کو صدا دیتا ہوں ☆ اس ناز سے میں داد وفا دیتا ہوں
  اک تل پہ سمرقند و بخارا کیا ہیں ☆ میں دونوں ہی عالم کو لٹا دیتا ہوں

اشک نے سائنسی ترقیات اور ان کے غلط استعمال کے نتائج کے تعلق سے بھی فکر انگیز اور عبرت آموز رباعیاں قلم بند کی ہیں۔

- ہتھیار نئے ہم جو چلا کر آئے ☆ خود اپنی تباہی کو بڑھا کر آئے
  کس درجہ نئے دور میں ہم آگے بڑھے ☆ تلوار گئی بم کے دھماکے آئے
- سامان تباہی کا لئے بیٹھے ہیں ☆ سب جنگ کا اعلان کئے بیٹھے ہیں
  ایٹم بموں کی ہوڑ لگی ہے ایسی ☆ سر موت کے جبڑے میں دیئے بیٹھے ہیں

اشک کی شاعری میں خود اعتمادی، حقیقت پسندی اور فکر واحساس کی بلندی کو بخوبی محسوس کیا جا سکتا ہے۔ ذیل کی رباعی میں انہوں نے اپنے حوالے سے جس منزل کا تعین کیا ہے اور جس عزم سے خود کو بھرنے کی

خواہش کی ہے اس سے قاری متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

اک قطرۂ دریا ہے تو دریا ہو جا ☆ اک ذرّۂ صحرا ہے تو صحرا ہو جا
اس طرح گزر اشک حدوں سے اپنی ☆ اک شخص اگر تو ہے تو دنیا ہو جا

یہ رباعی ہمیں اپنی ظاہری و باطنی آنکھیں کھلی رکھنے کا درس دیتی ہے اور سعئ پیہم سے اپنا نقش چھوڑنے کی ترغیب بھی۔

ابراہیم اشک ایک طرف تو فلمی گانوں کے مکھڑوں اور انتروں میں الجھے ہوئے ہیں تو دوسری طرف رباعی کے رواں دواں مصرعے ڈھال رہے ہیں۔ یہ اس حقیقت کا کھلا ثبوت ہے کہ اشک کو ہیئت و موضوع اور فکر وفن پہ گہری دسترس حاصل ہے۔ ابراہیم اشک نئی نسل کے رباعی گو ہیں لہذا انہوں نے نئے لب ولہجہ اور رنگ وآہنگ نوی کے ساتھ جو تیکھی اور کھری باتیں کہی ہیں ان کا اعتراف سب کریں گے۔ اشک ایک بے باک قلم کار ہیں لہذا یہ اعلان کرتے ہیں۔

حالات سے دوچار پریشان بھی ہیں ☆ ہیں شک کی نگاہوں میں پشیمان بھی ہیں
لیکن یہ وفاداری کے زندہ ہیں ثبوت ☆ کرگل کے شہیدوں میں مسلمان بھی ہیں

ابراہیم اشک کی رباعیوں کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ان کے یہاں رباعی کا کینواس بہت وسیع ہے جہاں تہذیبی، تمدنی، مذہبی، معاشرتی اور سیاسی، ان تمام شعبۂ حیات کی تصویریں نمایاں ہیں۔

اشک نے اپنی تخلیقات سے معنویت کی فضا قائم کرنے کی کوشش کی ہے اور انہوں نے کبھی خود کو کسی تحریک، ازم یا خانے میں قید نہیں کیا، بس قرطاس وقلم سے رشتہ بنائے رکھا ہے اور اپنی فکری توانائی کے ساتھ تخلیقی سفر پہ گامزن ہیں۔

تخلیق نے دن رات پریشاں رکھا ☆ فکروں نے ہر اک موڑ پہ حیراں رکھا
گزرے ہیں زمانے کے تجربات سے ہم ☆ جینے کے لئے علم کا میداں رکھا

ایف ۴۱۔ بسیرا اپارٹمنٹ، نفیس روڈ،
بٹلہ ہاؤس، نئی دہلی۔ ۱۱۰۰۲۵

☆☆☆☆☆

☆☆☆

ابراہیم اشک کی قابل رشک رباعیاں

ہر لفظ میں معنی کو بسانا ہوگا ☆ کوزے میں سمندر کو چھپانا ہوگا
لاحول ولاقوۃ الا باللہ ☆ اس بحر میں ہر رنگ دکھانا ہوگا

اردو شاعری کے قد آور آئینے میں اگر پری پیکر نظر سے جھانک کر دیکھا جائے تو مختلف اصناف سخن کے دلکش و جاذب نظر چہرے اپنی تمام تر رعنائی و زیبائی کے ساتھ جلوہ گر ہوں گے اور اپنے 'جمال دل فروز' کے گہرے نقوش ذہن و دل پر مرتسم کر جائیں گے۔ ''دوشیزۂ غزل'' سے لیکر ''جدید نظم'' کی کافر حسینہ تک کے بھرپور صبیح و ملیح چہرے دیکھنے کو مل جائیں گے۔ کیونکہ ہمارے شعراء کرام نے ہر صنف سخن کی عروس کو خوب سجا سنوار کر پیش کیا ہے لیکن ''شاہد رنگیں ادا'' رباعی بہت کم پردۂ زنگاری سے نکل کر پردۂ سیمیں پر آئی ہے۔ مگر جب بھی آئینہ شعر و سخن میں جلوہ گر ہوئی ہے نظارہ سوزیوں کے لئے صورتِ مہر نیم روز، بن کر دکھائی دی ہے جسکی آب و تاب سے خود آئینہ اردو نے جلا پائی ہے۔

عمر خیام نے فارسی زبان میں اسی معشوقۂ دلنواز کی آرائش و زیبائش میں چار چاند لگائے اور شہرت و قبولیت کی کہکشاں کے زینے چڑھائے۔ ابو سعید ابوالخیر، مولانا روم، اور سعدی شیرازی، اسکے پرستار بنے اور اسکی ناز برداری سے بام عروج پر پہنچے۔ مگر اردو میں اس سلمائے سخن دوشیزہ کو ابتدا میں کوئی چاہنے والا اختر نہ ملا۔ بتِ ہزار شیوہ غزل کے عاشق صادق بہتیرے تھے۔ میر و غالب نے اسکی بارگاہِ ناز میں خصوصی طور پر باریابی حاصل کی اور ناموری پائی۔ قصیدے کو سوداؔ اور ذوقؔ نے ہاتھوں ہاتھ لیا اور سند شہرت دوام حاصل کی۔ میر حسن و دیا شنکر نسیم نے مثنوی کو آنکھوں پر بٹھایا اور خوب نام کمایا۔ انیس و دبیر نے مرثیہ کے میدان میں جھنڈے گاڑے اور فتح و نصرت کے حقدار ہوئے۔

دیگر اصناف سخن کی طرح اردو کی قدیم شاعری میں رباعی اسلئے مقبولیت کا درجہ نہیں پا سکی اور عوام و خواص میں ہر دل عزیزی حاصل نہیں کر سکی کیونکہ اول تو شعراء اس کے حسن سے محسور ہو کر مبہوت ہو گئے اور پھر ان کے لئے ایک مشکل ترین صنف سخن ثابت ہوئی اور یہ حقیقت بھی ہے کہ اسکی اداؤں پر قابو پانا آسان نہیں ہے۔ شاعر شباب و انقلاب اور لاجواب رباعی گو حضرت جوش ملیح آبادی نے خود اسکا لوہا مانتے ہوئے اعتراف کیا ہے کہ :

''رباعی کہنا بڑا ہی مشکل ہے۔ یہ وہ کم بخت صنف سخن ہے کہ بڑے بڑے بہادروں کو سپر انداختہ کر دیتی ہے اور یہ کافر صنف بڑے بڑوں کے بھی قابو میں اس وقت تک نہیں آسکتی جب تک کہ زمانے کی سرد و گرم ہوائیں شاعر کی حساس و مفکر زندگی کے تقریباً چالیس پچاس ورق نہیں الٹ دیتی ہیں۔''

موصوف نے برج لال رعنا کے مجموعہ رباعیات ''رعنائیاں'' میں بھی اس کافر کی سنگدلی کا اظہار کچھ اسی طرح کے لفظوں میں کیا ہے :

''رباعی ایسی کم بخت چیز ہے جو سارا جوبن گھالے تو ایک بالک پالے کی طرح چالیس پچاس برس کی مشاقی کے بعد کہیں جا کر قابو میں آتی ہے۔''

مطلب یہ کہ نومشق شعراء اس وادیٔ پرخار میں گامزن نہیں ہو سکتے ورنہ قدم قدم پر ٹھوکریں کھاتے ہیں اور منہ کے بل گرتے ہیں۔ صرف کہنہ مشق شعراء ہی اس پل صراط پر چلنے کے اہل ہو سکتے ہیں اور کامیابی تو ایک زبردست معرکہ کی چیز ہے۔ ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں۔

راقم الحروف کی نظر میں کہا جا سکتا ہے کہ :

. جب مشق و مہارت ہو، رباعی کہنا ☆ کچھ شعری ریاضت ہو، رباعی کہنا
آساں نہیں یہ کار سخن اے مختار☆ اوزان پہ قدرت ہو، رباعی کہنا

فی الحقیقت رباعی گو شاعر کے لئے کافی مشق سخن کے ساتھ، شاعرانہ وجدان، حکیمانہ بصیرت، فنی شعور کی پختگی، وسعتِ نظر اور عمیق مطالعہ کی ضرورت ہے اور یہ خوبیاں ہر ایک میں پیدا نہیں ہو سکتیں :

تانہ بخشد خدائے بخشندہ

یہی وجہ ہے کہ اردو شاعری کی یہ قدیم اور مختصر ترین صنف سخن ایک دشوار صنف تسلیم کر لی گئی ہے۔ قدیم شعراء میں خاص رباعی گو شاعر کوئی نہیں گزرا باوجودیکہ بہت سوں نے اسے بہر طور رام کرنے کی کاوش و کوشش کی ہے۔ آئینہ شاعری میں ملا وجہی و غواصی سے لیکر انیس و دبیر تک کے چہرے ابھرتے ہیں اور دور جدید میں اکبر، حالی، شاد، رواں، فانی، امجد، یگانہ، اثر صہبائی، اثر لکھنوی نے بھی رباعیوں پر اپنا زور سخن صرف کیا ہے۔ ان شعرائے کرام کے علاوہ آسی غازی پوری، عبد الباری آسی، منشی تلوک چند محروم، ساغر نظامی وغیرہ کی رباعیات کی اہمیت سے بھی سر مو انحراف نہیں کیا جا سکتا۔ سبھی شعراء کی رباعیات کیف و کم کے اعتبار سے نہایت وقیع درجہ رکھتی ہیں اور سچ تو یہ ہے کہ سیکڑوں آبدار موتی بھی انکی شعری زنبیل میں بھرے پڑے ہیں۔ خالص رباعی گو شاعر صرف امجد حیدر آبادی ہیں جنھوں نے رباعی کی بدولت شہرت حاصل کی ہے اور رباعی کو بھی مقبول

ابراہیم اشک کی تجرباتی رباعیاں

اپنی اپنی حد میں ہر صنفِ سخن کا ہے مقام
کچھ مگر دشوار ہے فنِ رباعی لا کلام

متصف طبع رسا سے ہے کوئی شاعر اگر
رکھتا ہے فنی تقاضوں پر بھی جو گہری نظر

وہ دکھا دیتا ہے کچھ اس فن میں بھی ایسا کمال
کر دے اہل ہوش کو بھی نیم جاں برقِ جمال

غزلوں جیسی ریزہ کاری کا نہیں اس میں سوال
ارتکازِ معنوی سے اس کا فن ہے مالا مال

لازمی ہے چوتھے مصرعے کی یہاں خود منتفی
اک رباعی گو کے فن کی ہے یہی میزان بھی

چار مصرعوں میں اکائی معنیٰ مطلوب کی
حدّ امکاں تک ہے تقدیسِ انا مصلوب کی

معنوی روشن بیانی ، شعریت کا التزام
جستجوئے بادہ ہے تو میکدہ آتش بجام

وحدت تاثیر سے پیدا تماشہ دل نواز
کوچۂ محبوب میں دیوانہ پڑھتا ہے نماز

اردو کی شعری کلاسیکی روایت ہے عظیم
شرطِ اوّل ہے پئے جلوہ مگر ذوقِ سلیم

وصف ہے صالح ادب ہی کا قبول و ترک بھی
خوں سے ہے لاکھوں ستاروں کے سحر کی روشنی

ہر بیاباں کے عوض دو گز زمیں کیوں لیجئے
نوکِ برگِ گل ہی سے دامن رفو بھی کیجئے

تجربے سے حُسن گر مجروح ہو تخلیق کا
اپنے ہر نقشِ سخن کی پھر تو بے رنگی بھلا

تجربے یا تازہ کاری چاہتی حُسنِ شعور
کچھ اسی کو ہے فقط تمیز فرقِ نار و نور

ہو شعورِ شعر گوئی ، آگہی سے باخبر
جلوۂ تازہ بہ تازہ نو بہ نو پر ہو نظر

مثلِ دل اُس کی غزل میں بھی دھڑکتی زندگی
پھول کیا شعلوں پہ جیسے رقص کرتی زندگی

نوکِ خارِ آرزو کی ہر خلش اُس کا قرار
زرد پتوں میں بھی وہ پاتا ہے آثارِ بہار

اشک جو شاعر بڑا ہے نکتہ رس رمز آشنا
اُس نے ہیئت پر رباعی کی کیا ہے تجربہ

سامنے ہے وہ رباعی تجرباتی اشک کی
جو وسیلے سے مجھے اک روز نامے کے ملی

بنانے میں نمایاں حصہ لیا ہے۔ آئینہ رباعیات کو کسی پہلو اور کسی زاویہ سے دیکھا جائے تو بیسویں صدی میں صرف جوش ملیح آبادی اور فراق گورکھپوری کے ہی دو روشن اور تابناک چہرے سامنے آتے ہیں۔ دونوں عظیم المرتبت شاعر تھے اور دونوں کے افکار و خیالات ہمیں شاعری کی اعلیٰ قدروں سے روشناس کراتے ہیں۔ جوش میدان نظم کے شہسوار تھے تو فراق اقلیم غزل کے تاجدار مگر دونوں ہی آسمانِ رباعیات پر بھی آفتاب و ماہتاب بن کر چمکے اور ایک عالم کو اپنی جلوہ سامانیوں اور تابناکیوں سے چکا چوند کر دیا۔ یہ کہنا بیجا نہیں ہوگا کہ ہر دو حضرات نے نہ صرف رباعیات کی تطہیر و تزئین میں مہتم بالشان کارنامے انجام دیئے ہیں بلکہ رباعیات کے بیش بہا ذخیرہ کو فارسی زبان کے ہم پلہ بنا دیا ہے۔ دونوں نے رباعی کو محدود اخلاقی مضامین اور گنے چنے مذہبی موضوعات کی گرفت سے نکال کر پوری شاعرانہ وسعت عطا کی اور اس صنف کے لامحدود امکانات کو پرشکوہ طریقے سے روشن کیا۔ بلاشبہ دونوں کی رباعیاں اردو شاعری کا گراں قدر سرمایہ کہی جاسکتی ہے۔

مولوی عبدالحق کی نظر میں غزل کے بعد جو پہلی چیز ہمارے شاعروں کو اپنی طرف مائل کر سکتی ہے وہ رباعی ہے۔ لاریب اگر غزل آبروئے شاعری ہے تو رباعی عزو وقار شاعری ہے لیکن غزل کی آبرو توفی زمانہ لٹ چکی ہے۔ کچھ نیم وحشی شعراء نے اسکے دامنِ عصمت کو تار تار کر دیا ہے اور اس کا حلیہ وہیئت بگاڑ کر اس ''حکایت بایار گفتن'' کو شرمسار کیا ہے۔ کسی نے اسے ''آزاد غزل'' کے لبادے میں لپیٹ دیا تو کسی نے معریٰ غزل کا پھٹا دوپٹہ اوڑھا دیا۔ کسی کو قافیہ ردیف کے لوازمات اچھے نہیں لگے، تو کسی کو اوزان و بحور کا جنجال پسند نہیں آیا۔ نوبت بہ اینجا رسید کہ بازار سخن میں اب تو ''غزل نما'' کے ساتھ کالی پیلی غزلیں اپنا بے ڈھنگا مظاہرہ کر رہی ہیں تو ماہیا غزلیں، دوہا غزلیں، ہائیکو غزلیں بھی اچھل کود کر رہی ہیں یعنی غزل اپنا اصلی رنگ و روپ کھوتی جارہی ہے۔ اسکے برعکس عروس رباعی اپنے مقررہ اوزان، وحدت خیال اور تسلسل بیان کی وجہ سے اپنی دیرینہ ہیئت میں ایرانی خلعت فاخرہ زیب تن کئے موجود ہے۔ زمانے کے مزاج میں تبدیلیاں آئیں، خیالات میں تغیرات ہوئے اور دیگر اصناف سخن میں اتھل پتھل ہوئی، مگر رباعی اپنے مدار و معیار پر قائم رہی۔ یہ ضرور ہے کہ اس صنف کے فنی مطالبات نے اس کے پرستاروں میں کمی واقع کر دی ہے۔ رباعیات پر گہری نظر رکھنے والے اور رباعیات میں دلچسپی و رغبت کا مظاہرہ کرنے والے اب خال خال نظر آتے ہیں۔ رباعی گو شعراء بھی گنے چنے رہ گئے ہیں جو اپنی فنی ریاضت کو ضرورت پر ترجیح دیتے ہیں۔

مسرت و بہجت کا مقام ہے کہ ابراہیم اشک اس انفرادی رنگ و آہنگ والی اور اردو شعر و ادب میں ایک خاص امتیاز رکھنے والی صنف سخن کو پری پیکر بنا کر صفحہ قرطاس پر لانا چاہتے ہیں اور اسکی رعنائیوں و دل فریبیوں سے ادب دوستوں اور نکتہ شناسوں کو از سر نو روشناس کرانا چاہتے ہیں۔ ابراہیم اشک کی رباعیات کے تناظر میں

جانے سے پہلے میں عرض کردوں کہ وہ متنوع شخصیت کے حامل ہیں اور انھوں نے اپنے جادو نگار قلم کی روشنائی سے کئی جہات کو روشن کیا ہے۔ وہ ساحر لدھیانوی، شکیل بدایونی، مجروح سلطان پوری وغیرہ کی طرح صرف ایک مقتدر فلمی نغمہ نگار اور معتبر شاعر ہی نہیں بلکہ انھوں نے نثر کے اوبڑ کھابڑ میدان میں بھی اپنے اشہب قلم کو فراٹے سے دوڑایا ہے۔ راقم الحروف نے ان کے کئی خالص تحقیقی اور تنقیدی مضامین مختلف رسائل میں پڑھے ہیں جن سے ان کی تنقیدی بصیرت اور تحقیقی صلاحیت کا معترف ہوا ہوں۔ ان کے تحریر کردہ کئی افسانوں نے بھی مجھے از حد متاثر کیا ہے۔ یہ فیصلہ تو ناقدین فن ہی کریں گے کہ وہ بہترین نغمہ نگار ہیں کہ بہترین شاعر یا پھر ایک قابل قدر محقق و ادیب۔ مگر مجھے یہ کہنے میں باک نہیں کہ ابراہیم اشک رباعی گوئی میں بھی قابل رشک صلاحیت رکھتے ہیں۔ مجال ہے کہ کسی رباعی میں مصرعوں کے اوزان میں کمی بیشی ہو جائے، مجال ہے کہ کہیں مصرعے بے ربط ہو جائیں اور مجال ہے کہ تسلسل اور روانی میں کہیں ٹھہراؤ آجائے۔ وہ رباعی کی باریکیوں پر پوری طرح نظر جمائے رہتے ہیں اور حتی الامکان رباعی گوئی کا حق ادا کرتے ہیں۔ مندرجہ ذیل رباعی میں انھوں نے اپنی بات کو اچھی طرح واضح کر دیا ہے :

گنجینۂ معنی کا ہنر لایا ہوں ☆ الفاظ میں سب تازہ گہر لایا ہوں
اے ظلمتِ تاریخ ادب تیرے لئے ☆ دامن میں رباعی کے سحر لایا ہوں

رباعی کے چوبیس اوزان مشہور ہیں اور شاعر ان میں سے کسی وزن میں بھی کاوشِ فکر کر سکتا ہے۔ اور چاہے تو ایک رباعی میں چوبیس اوزان میں سے چار چار الگ الگ وزن میں بھی مصرعے ڈھال سکتا ہے۔ آسان وزن مفعول مفاعیل مفاعی لن فع ارکان کے ساتھ لاحول ولاقوۃ الا باللہ ہے۔ ابراہیم اشک نے زیادہ تر اسی وزن کو اپنایا ہے مثلاً :

- کب نیکی بدی سے میں ہوا ہوں آگاہ ☆ قدرت سے تری میں نہیں کر پایا نباہ
  آخر کو ہوا نامۂ اعمال سیاہ ☆ لاحول ولا قوۃ الا باللہ
- اس طرح مرا حال ہوا ہے یہ تباہ ☆ دنیا میں نہیں میرے لئے کوئی پناہ
  ہر سمت مرے سامنے دریائے گناہ ☆ لاحول ولا قوۃ الا باللہ
- احساس میں اور دل میں نہاں ہے قرآں ☆ مشکل ہے جہاں آج وہاں ہے قرآں
  کیا پوچھتے ہو ہم سے کہاں ہے قرآں ☆ ہم وہ ہیں کہ رگ رگ میں رواں ہے قرآں

عام طور پر رباعی ایک مطلع اور ایک شعر پر مشتمل ہوتی ہے جس میں پہلا، دوسرا اور چوتھا مصرع ہم قافیہ و ہم ردیف ہوتا ہے۔ مندرجہ بالا رباعیات میں ابراہیم اشک نے اپنی فکری اپج سے یہ جدت پیدا کی ہے کہ

اولین دو رباعیوں میں چاروں مصرعے مقفیٰ کر دیئے ہیں لیکن ردیف کا التزام نہیں کیا ہے۔ تیسری رباعی میں بھی چاروں مصرعے قافیہ دار تو ہیں مگر ردیف کا استعمال بھی کیا گیا ہے۔ ملحوظ رہے کہ اس طرح کے تصرفات قدماء نے بھی کئے ہیں۔ مولانا باقر آگاہ ویلوری (۱۷۳۸ء۔۱۷۸۰ء) کی رباعی ملاحظہ ہو :

اے ختم رسلؐ سیہ عالی درجات ☆ گنجیں ہیں دو عالم کے سبھی تیرے ہات
اے جزوی وکلی کی پنہ تیری ذات ☆ مت رکھیو مری کسی کے اوپر تو برات

ابراہیم اشک سلیقہ مند شاعر ہیں جو شعر کہنے کا خوب سلیقہ بھی رکھتے ہیں اور شعر کہنا بھی جانتے ہیں۔ رباعی کے تئیں تو انھوں نے اور بھی محتاط ہو کر اس وادیٔ پر خار میں قدم رکھا ہے۔ یوں تو انکی رباعیات میں روایتی مضامین بھی یہاں وہاں دیکھے جا سکتے ہیں مگر انھوں نے کافی حد تک پند و نصائح سے انحراف کیا ہے اور جدید جمالیاتی رنگوں کی آمیزش سے اپنی رباعیوں کو پر رونق بنایا ہے۔ تخیل و تفکر اور اسلوب و ادا کے ہر زاویہ سے یہ دل و دماغ پر ایک گہرا تاثر چھوڑتی ہیں۔ یہ رباعیاں اپنی نوعیت کے اعتبار سے کہیں تو قاری کو فرحت و طمانیت کا احساس کراتی ہیں تو کہیں کچھ سوچنے پر مجبور کر دیتی ہیں۔ مشتے نمونہ از خرمن چند رباعیاں ملاحظہ ہوں :

- ماں جیسا کوئی اور نہیں سایہ ہے ☆ ماں کیا ہے عجب گنج گراں مایہ ہے
  ہے دولتِ قارون بھی کمتر جس سے ☆ قدموں میں ہر اک ماں کے وہ سرمایہ ہے
- ہر لمحہ ہنساتی ہے رلا دیتی ہے ☆ یہ زندگی دیوانہ بنا دیتی ہے
  جب چاہے جلاتی ہے نیا ایک چراغ ☆ اور دوسرے لمحے میں بجھا دیتی ہے
- ہمت نے کہا مجھ سے کہ آگے بڑھ جا ☆ محنت نے کہا مجھ سے کہ آگے بڑھ جا
  قسمت نے کبھی اشک جوا لٹی بازی ☆ جرأت نے کہا مجھ سے کہ آگے بڑھ جا
- چڑیوں سے ملے، پھول سے باتیں کر لیں ☆ راہوں میں پڑی دھول سے باتیں کر لیں
  ہم لوگ ہیں دیوانے، اگر یاد آئی ☆ اپنی ہی کسی بھول سے باتیں کر لیں

غزل کا ہر ایک شعر مضمون کے اعتبار سے جداگانہ ہوتا ہے مگر رباعی اس بات کی متقاضی ہوتی ہے کہ اس کے چاروں مصرعوں میں ایک خیال کو ربط باہمی کے ساتھ باندھا جائے۔ چوتھا مصرع نہایت جاندار ہو اور گہری معنویت کا حامل ہو تبھی رباعی اپنی پکڑ مضبوط کرتی ہے۔ جناب اشک رباعی کے فن میں کہاں تک فارسی کے مشاہیر رباعی گو شعراء کی روایات کی پاسداری کرتے ہیں اور کہاں تک رباعی کی فنی دسترس کو اپنی گرفت میں لائے ہیں، سخن شناس حضرات اگر ان کی رباعیوں کا بالاستیعاب مطالعہ کریں تو ان پر یہ حقیقت بخوبی روشن ہو

جائیگی کہ انکی ہرایک رباعی ایک عجیب شعری ذائقہ رکھتی ہے جو قاری کی امید وآرزو پر کھری اترتی ہے۔اشک نے یوں تو یک موضوعاتی رباعیاں بھی کہی ہیں۔''قرآن'' اور''ماں'' وغیرہ پر انھوں نے کئی رباعیاں کہہ کر ہر ایک میں تنوع پیدا کیا ہے مگر انکی رباعیاں کسی مخصوص طرز فکر یا کسی خاص زاویۂ نگاہ کی ترجمانی نہیں کرتیں بلکہ ان کے احساس کی بازگشت معلوم ہوتی ہیں۔اپنا مافی الضمیر وہ سادہ وسلیس لفظوں میں بہر طور ادا کرنے پر قادر ہیں۔یہ رباعیاں ملاحظہ کریں :

- نظر میں ہوں تو منظر بھی نظر آتا ہے ☆ جوہر ہو تو گوہر بھی نظر آتا ہے
  ہو اشک اگر دیکھنے والا کوئی ☆ کوزے میں سمندر بھی نظر آتا ہے
- تقدیر جب انساں کی بگڑ جاتی ہے ☆ ہر خواب کی بستی ہی اجڑ جاتی ہے
  اے اشک در وبام کا اڑتا ہے رنگ ☆ دیوار بھی صدمے سے اکھڑ جاتی ہے
- اک قطرۂ دریا ہے تو دریا ہو جا ☆ اک ذرۂ صحرا ہے تو صحرا ہو جا
  اس طرح گذر اشک حدوں سے اپنی ☆ اک شخص اگر تو ہے تو دنیا ہو جا
- صورت جو نظر آئی مثالی دیکھی ☆ ہر شخص کی تصویر نرالی دیکھی
  کیا خوب جہاں اس نے کیا ہے آباد ☆ یہ دنیا بہت چاہنے والی دیکھی

عبارت مذکور الصدر میں کہا گیا ہے کہ اس چومصرعی صنفِ سخن کے بارہ دونی چوبیس اوزان مشہور ہیں جو رودکی ایجاد کردہ ومروجہ کہے جاتے ہیں۔واضح ہو کہ رباعی کا ایک مصرع چار ارکان پر مشتمل ہوتا ہے اور جو رکن جس جگہ کے لئے مختص ہے وہیں استعمال ہوسکتا ہے۔صدر وابتدا، یعنی مصرعے کے شروع میں مفعول یا مفعولن آتے ہیں۔دوسرے رکن (حشو اول) کے لئے مفعول، فعولن، مفاعیل، مفاعیلن، فاعلن، مفاعلن کے چھ رکن مقرر ہیں۔تیسرے رکن (حشو دوم) کے لئے مفعول، مفعولن، مفاعیل، مفاعیلن کے چار اوزان طے شدہ ہیں اور مصرع کے آخر میں فع، فاع، فعل، فعول میں سے کسی ایک رکن کو لایا جاتا ہے۔رباعی گو شاعر کو اپنی کسی بھی رباعی میں سبھی اوزان برتنے کی آزادی ہے اور باشعور شعراء نے ان اوزان سے بھرپور استفادہ کیا ہے۔ ابراہیم اشک کی خصوصیت یہ ہے کہ انھوں نے رباعی کے اجزائے ترکیبی کو اپنی مشق وممارست اور محنت و ریاضت سے بہر طور وبہر رنگ خوب خوب ہدف بنایا ہے اور ایک کمال یہ بھی دکھایا ہے کہ چھ کا پہاڑا پڑھتے ہوئے اپنی چھ رباعیوں میں چوبیس اوزان رباعی کو ایک رشتہ میں پرو دیا ہے تا کہ اساتذۂ سخن ان کے کمال فن کی داد دے سکیں اور فنی نزاکتوں کو بطور خاص ملاحظہ کریں :

دیکھیں کتاب لیکر کانِ ادب کے ریزے ☆ ہونا قدانِ فن کو گر شوقِ آشنائی

THIS EBOOK IS DOWNLOADED FROM
SHAAHISHAYARI.COM

LARGEST COLLECTION OF URDU
SHERS, GHAZALS, NAZMS AND EBOOKS.

ان کی کاوش فکر اور افتادِ طبع کا نتیجہ و نمونہ زیبِ نگاہ ہو :

نمبر شمار	رباعیات	ارکان	وزن نمبر
۱۔	افسوس وفادار نہیں یار ملا	مفعول۔مفاعیل۔مفاعیل۔فعل	۵
	ہر یار کہاں اے دل، دلدار ملا	مفعول۔مفاعی لن۔مفعول۔فعل	۷
	اب جا کر محسوس ہوا ہے یہ ہمیں	مفعولن۔مفعول۔مفاعیل۔فعل	۱۷
	دل لیکر، دل دیکر، آزار ملا	مفعولن۔مفعولن۔مفعول۔فعل	۱۹
۲۔	ہر یار ترے گیت سنا کے یہ دیار	مفعول۔مفاعیل۔مفاعیل۔فعول	۶
	ہر موج تری لیکر ڈولے ہے شرار	مفعول۔مفاعی لن۔مفعول۔فعول	۸
	تیری ہی پُر جوش ادا پہ ہے نثار	مفعولن۔مفعول۔مفاعیل۔فعول	۱۸
	من بھاون بنجارن مدہوش بہار	مفعولن۔مفعولن۔مفعول۔فعول	۲۰
۳۔	کردار بنا کون ہوا ہے برتر	مفعول۔مفاعیل۔مفاعی لن۔فع	۹
	معیار بنا جو ہر کس کے بل پر	مفعول۔مفاعی لن۔مفعولن۔فع	۱۱
	رکھ جو بھی انداز نرالا لیکن	مفعولن۔مفعول۔مفاعیلن۔فع	۲۱
	دل روشن دل روشن، دل روشن کر	مفعولن۔مفعولن۔مفعولن۔فع	۲۳
۴۔	مل جائے ترا ساتھ مزا ہے بھرپور	مفعول۔مفاعیل۔مفاعی لن۔فاع	۱۰
	نزدیک ترے یہ دل رہتا مسرور	مفعول۔مفاعی لن۔مفعولن۔فاع	۱۲
	مستی میں سرشار ہوا لیکر آئے	مفعولن۔مفعول۔مفاعیلن۔فاع	۲۲
	ہر منظر، ہر منظر، ہر منظر چور	مفعولن۔مفعولن۔مفعولن۔فاع	۲۴
۵۔	انسان ترے تئیں صفائی نہ رہی	مفعول۔مفاعلن۔مفاعیل۔فعل	۱
	دل سے تیرے کوئی برائی نہ گئی	مفعولن۔فاعلن۔مفاعیل۔فعل	۱۳
	مغرور تری سمجھ کہاں ہے اب یہ	مفعول۔مفاعلن۔مفاعیلن۔فع	۳

	سمجھا ہے نا سمجھ خدائی اپنی	مفعولن۔فاعلن۔مفاعیلن۔فع	۱۵
۶۔	بھر پور تر ابدن کھلا پھول گلاب	مفعول۔مفاعلن۔مفاعیل۔فعول	۲
	جلووں کا ہے چمن تر اخوب شباب	مفعولن۔فاعلن۔مفاعیل۔فعول	۱۴
	مدہوش کرے چلن تر ا بصد ناز	مفعول۔مفاعلن۔مفاعلن۔فاع	۴
	لگتی ہے جانِ من تری صورت خواب	مفعولن۔فاعلن۔مفاعیلن۔فاع	۱۶

ان رباعیوں پر تبصرہ کی اسلئے ضرورت نہیں کہ انھوں نے بھاری پتھر کو چوم کر چھوڑا ہے یا بہ الفاظ دیگر :

سب پہ جس بار نے گرانی کی ☆ اسکو یہ ناتواں اٹھالایا

اس طرح کی کدو کاوش اور مستحسن کوشش کوئی قادر الکلام اور باشعور شاعر ہی کر سکتا ہے۔ احساس و ادراک اوزان وارکان سے مجروح نہ ہوں، اشک نے اس بات کو بہر حال ملحوظ رکھا ہے۔ اہل فن چاہے اسے بڑی بات یا فنی سوغات نہ سمجھیں لیکن راقم الحروف کی ناقص رائے میں وہ تعریف وتوصیف کے مستحق ہیں۔

ہم سخن فہم ہیں غالبؔ کے طرفدار نہیں

اگر ذوق سلیم ہو، افتادِ طبع میں تنوع پسندی ہو اور کچھ نیا، اچھوتا کرنے کی آرزومندی ہو تو رباعی گو شاعر بھی چمنستانِ رباعیات میں صدہا گلہائے رنگارنگ کھلا سکتا ہے اور متنوع نکہت بیزیوں سے مشام جاں کو معطر و معنبر کر سکتا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ابراہیم اشک رباعی کے کلاسیکی آرٹ اور کرافٹ سے بخوبی واقف ہیں اور تقریباً ڈیڑھ ہزار رباعیاں کہہ کر انھوں نے اپنی مشاقی کا بہترین مظاہرہ کیا ہے۔ بہ ایں ہمہ انکی اختراع پسندی اور جدت طرازی ان کے شوق کو مہمیز کرتی ہے کہ وہ کچھ ایسا کریں جو دوسروں سے منفرد و ممتاز دکھائی دیں۔ انھوں نے اپنی فطری اپج سے میدان رباعی میں کچھ نئے سنگ میل قائم کئے ہیں اور اس دشوار صنف سخن کی وادئی پرخار میں سخت مراحل سے بھی گذرے ہیں۔ میاں ابراہیم نے غیر منقوط رباعیاں کہہ کر گویا یہ ثابت کیا ہے کہ ہر کسے را بہر کارے ساختند! دیکھئے! انھوں نے بغیر نقاط الفاظ سے کیسے نکات پیدا کئے ہیں :

- ہاں علم و عمل کام ہمارا ٹھہرا ☆ دکھ درد کا حل کام ہمارا ٹھہرا
  احوال ہمارا ہے عالم عالم ☆ ہر طور اٹل کام ہمارا ٹھہرا
- احوال کہا اس سے رو رو کے کہا ☆ رومال سے لہو دھو دھو کے کہا
  ہلکا ہوا دردِ دل کسے ہے معلوم ☆ رک رک کے حواس کھو کھو کے کہا
- اللہ اگر ملک عدم والا ہے ☆ ہر اک کا سہارا ہے کرم والا ہے
  ہے عالم اسرار اسی کے دم سے ☆ مالک ہے ارم کا وہ حرم والا ہے

ابراہیم اشک کے لئے بے چوں و چرا یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ قدرت کلام رکھتے ہیں اور قدرت کلام رکھنے والا شاعر بہر طور اپنی فکری توانائی اور طبع کی جولانی کو منصۂ شہود پر لانے کی صلاحیت و اہلیت رکھتا ہے۔ رباعی کی تکنیک، ہئیت اور وزن و آہنگ کو مدنظر رکھتے ہوئے انھوں نے نہ صرف خوبصورت رباعیوں کو الفاظ کی پوشاک پہنائی ہے بلکہ ''اسباب حسن یار'' کے لئے ''مشاطہ'' بن کر ''چیزے فزوں کنہ'' کا اہتمام بھی کیا ہے۔ انھوں نے چار مصرعوں میں کچھ تجربات بھی کئے ہیں اور چندہ الفاظ کی جادوگری سے انھیں وسعتیں عطا کی ہیں مثلاً

سر در دمحبت میں مزا دیتا ہے ☆ ہر در دمحبت میں مزا دیتا ہے
گو درد بری چیز ہے مانا یارو ☆ پر درد محبت میں مزا دیتا ہے

اس رباعی کے چاروں مصرعوں میں سات سات الفاظ کا استعمال ہوا ہے۔ طرفگی یہ ہے کہ انھوں نے چھ لفظوں پر مشتمل ردیف کا اہتمام کیا ہے اور دو حرفی ایک لفظ کے قافیہ سے مفہوم کو بلندی عطا کی ہے۔ سر، پر، ہر کے قافیوں کے ساتھ درد محبت میں مزا دیتا ہے، کی ردیف بھی قاری کو لطف سے ہمکنار کرتی ہے۔ اسی ضمن میں ذیل کی رباعیاں بھی کیف و کم اور لطف و لذت سے خالی نہیں :

- ہو جائے محبت تو دوانہ کردے ☆ کھو جائے محبت، تو دوانہ کر دے
یا ہم سے گلے مل کے اکیلے میں کہیں ☆ سو جائے محبت، تو دوانہ کردے
- کب لوگ ملے دل کو لبھانے والے ☆ اب لوگ ملے دل کو لبھانے والے
افسوس کہ ہم قدر نہیں کر پائے ☆ جب لوگ ملے دل کو لبھانے والے

شاید رباعی کی تاریخ میں مندرجہ ذیل رباعی اولین و بہترین رباعی ہے جس میں ذوقافتین و ردیفین کی صفت جلوہ گر ہوئی ہے :

- گھر چھوڑ کے فرزانے نکل جاتے ہیں ☆ در چھوڑ کے مستانے نکل جاتے ہیں
دنیا کے لئے دار در سن پر اپنے ☆ سر چھوڑ کے دیوانے نکل جاتے ہیں

تکرار لفظی کی خصوصیت سے مالا مال یہ رباعی بھی بطور مثال ملاحظہ ہو :

اے جان وفا، جانِ وفا، جان وفا ☆ ہے خوب ادا، خوب ادا، خوب ادا
بس یوں ہی سلامت تجھے اللہ رکھے ☆ یہ میری دعا، میری دعا، میری دعا

عبارت مختصر، سفینہ چاہئے اس بحر بیکراں کے لئے

ابراہیم اشک کی دو بیتیاں فکر اور فن دونوں اعتبار سے بہت سی خوبیوں سے مستغنی ہیں۔ ان میں تنوع

ہے، تفکر ہے، تاثر ہے اور ہر رباعی میں ان کا تخلیقی جوہر کر شمے دکھاتا ہے۔ خزانۂ رباعیات کی کوالٹی اور کوانٹٹی نے انھیں اتنا وارفتہ کر دیا ہے کہ ان میں جذبۂ انانیت بھی پیدا ہو گیا ہے۔ انکی کئی رباعیوں میں میرؔ کی طرح 'مستند ہے میرا فرمایا ہوا' کی گونج سنائی دیتی ہے مثلاً :

- افکار کی بارش ہے رباعی میری ☆ اظہار کی کاوش ہے رباعی میری
  اس صنف میں عظمت جو ملی ہے مجھ کو ☆ اللہ کی بخشش ہے رباعی میری
- کہتے ہیں کوئی جوش تو کوئی ہے فراقؔ ☆ دو چار رباعی میں ہوئے ہیں وہ طاق
  آفاق ستاروں سے سجا ہے اپنا ☆ اس فن میں کوئی ہم سا نہیں ہے خلاق

مطلب یہ کہ اشکؔ کی رباعیوں میں تنوع ہے، تفکر ہے، تاثر ہے اور ہر رباعی میں ان کا تخلیقی جوہر عود کر آیا ہے۔ اشکؔ نے ہمیشہ فن کا احترام کیا ہے لہذا میں انھیں آخیر میں خراج تحسین کے طور پر انھیں کی رباعی پیش کرتا ہوں :

تخلیقِ ادب میں نہ ملاوٹ اچھی ☆ باتوں میں نہ شاعر کی لگاوٹ اچھی
ہے کارگہہ شیشہ گری اشکؔ یہ فن ☆ فنکار کے فن میں نہ گراوٹ اچھی

کالی پلٹن روڈ، بُل محمد خان، ٹونک (راجستھان)۔

☆☆☆☆☆
☆☆☆

کمال جعفری

ابراہیم اشک کی شاہکار رُباعیاں

اُردو شعر و ادب کی تاریخ پر ایک نظر ڈالیں تو ہمیں اندازہ ہوتا ہے کہ میرؔ اور غالبؔ نے غزل میں اپنا اہم مقام پیدا کیا ہے تو سوداؔ نے قصیدہ میں اپنا نام روشن کیا۔ میر حسن نے مثنوی کو عروج بخشا تو میر انیسؔ اور دبیرؔ نے مرثیہ کو نکھارا اور سنوارا، امجد حیدر ابادی نے رُباعی میں پیش رفت کی تو علامہ اقبال نے اردو نظم کو بلندیوں سے ہم کنار کر دیا۔ ایسے نام یا تو نظر ہی نہیں آتے یا نظر آتے بھی ہیں تو بہت ہی کم ہیں جنہوں نے ایک سے زیادہ اصناف کو چھوا ہو یا انہیں اپنا کر ان کے معیار و مرتبہ کو بڑھایا ہو..... خدا ایسی صلاحیت ہر کسی کو نہیں دیتا۔ تاریخ میں ایسے فنکار کم ہی پیدا ہوئے ہیں۔ موجودہ دور میں ایک نام ایسا ہی تیزی سے ابھرا ہے جس نے نہ صرف غزل، نظم، مرثیہ، دوہا، مثنوی، افسانہ، تنقید اور تحقیق میں اپنی صلاحیت کو منوایا ہے بلکہ رُباعیات اور قطعات میں بھی اپنا کمال دکھا کر سب کو چونکا دیا ہے..... وہ قابل رشک نام ہے ابراہیم اشک کا..... جہاں تنقید میں انہوں نے حافظ شیرازی، عبدالقادر بیدلؔ، میرؔ، غالبؔ، اقبالؔ سے لیکر موجودہ دور کے اردو ادب پر گراں قدر کام انجام دیا ہے وہیں اپنے افسانوں میں اپنے عہد کی تاریخ کو اجاگر کر دیا ہے۔ ان کی تصانیف میں تنقیدی شعور، انداز بیاں اور (غالب کی شرح) ''محافظِ ملت علامہ اقبال''، رام جی کا دکھ'' (افسانے) اور شاعری میں ''الہام'' ''آگہی'' اور کربلا (مرثیہ) ادبی دنیا میں قدر کی نگاہوں سے دیکھی گئی ہیں۔

ادھر انہوں نے دیڑھ ہزار سے بھی زیادہ رُباعیات کہی ہیں جن میں کئی نئے تجربات بھی انہوں نے کئے ہیں..... انہوں نے غیر منقوط رُباعیات بھی کہی ہیں..... اور کہیں کہیں ایک حرف کی تبدیلی سے رباعی میں وہ خوبی پیدا کر دی ہے جو بڑی مہارت اور ذہانت کے بعد ہی حاصل ہوتی ہے۔ کئی رباعیات ایسی بھی ہیں جن میں دو دو یا تین تین قوافی کو برقرار رکھا گیا ہے..... ابراہیم اشک کی ان رباعیات کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ ایک پختہ کار فنکار ہیں اور رباعی کی ہیت اور ندرت سے خوب واقف ہیں ..... ان کے یہاں زبان کی چاشنی بھی ہے اور روزمرہ کی شگفتہ بیانی بھی۔ الفاظ کی فراوانی اور برجستہ اندازِ بیاں قاری کو پہلی ہی نظر میں متاثر کر لیتا ہے۔ انہوں نے اپنی رباعیوں میں زندگی کے لئے نئے تجربات اور حالات کو اس چابک دستی سے پیش کیا ہے کہ ان کی فنی مہارت کا اعتراف کرنا ہی پڑتا ہے۔ وہ اپنے

چار لفظوں کا تغیر ہر رباعی میں کیا
ربطِ معنی میں نہیں کچھ نقص بھی واقع ہوا

یہ رباعی میں حسیں اسلوب کا ہے تجربہ
حسنِ اسلوبی سے کچھ لطفِ معانی دب گیا

اس تکلف سے ہوئی مجروح بھی برجستگی
رہ گئی نیرنگ صورت کی سلامت دلکشی

اب کہاں نیرنگِ صورت دیکھنے والا کوئی
مسترد اس کو بھی کرتی آگہی امروز کی

لے گئے غالبؔ تماشہ صورتِ نیرنگ کا
اب تو مُرغا چونچ میں سورج کو لے کر ہے کھڑا

مہوشِ معنیٰ کے تن پر پُر تکلف سی قبا
اشک ہی کے سحر آگیں طرز کا ہے معجزہ

کم سے کم لفظوں میں پیدا ہے وہ اسلوبی جمال
جس نے سر پر اشکؔ کے باندھی ہے دستارِ کمال

ایسی کل چالیس اُس کی ہے رباعی بھی پڑھی
اب جنوں کی بات تو آگے گریباں سے بڑھی

کچھ اُسی کے طرز پر ہے اُس کے فن کی داد بھی
طبعِ موزوں اس طرح بھی کام مجھ کو آگئی

انبساطِ معنوی سے ہے رباعی معتبر
احتیاطِ معنوی سے ہے رباعی معتبر

ارتباطِ معنوی کو گر کہیں صنفی صفت
انضباطِ معنوی سے ہے رباعی معتبر

تجربے کو ہوگا حاصل اہل فن کا اعتبار
ایک شاخِ تازہ بھی لاتی ہے گلشن میں بہار

محلہ فیض اللہ خاں، دربھنگہ ۔ 846004 (بہار)

☆☆☆☆☆

☆☆☆

جذبات اور احساسات کو رباعی کے چار مصرعوں میں اس خوبی سے بیان کرتے ہیں کہ جہات و کائنات کی تصویریں کھنچتی چلی جاتی ہیں۔ ان کی چند رباعیات ملاحظہ ہوں :

- ہے گرد ہر اک راہ ہمارے دم سے ☆ ہے سرد ہر اک آہ ہمارے دم سے
  احساس کا عالم ہے صحرا ہر اور ☆ ہے درد کی واہ واہ ہمارے دم سے
- افسوس و فادار نہیں یار ملا ☆ ہر یار کہاں اے دل دلدار مِلا
  اب جا کر محسوس ہوا ہے یہ ہمیں ☆ دل دے کر دل لے کر آزار ملا
- گھر چھوڑ کے فرزانے نکل جاتے ہیں ☆ در چھوڑ کے مستانے نکل جاتے ہیں
  دنیا کے لئے دار و رسن پر اپنے ☆ سر چھوڑ کے دیوانے نکل جاتے ہیں
- انکار ہے، اقرار ہے، تکرار ہے حُسن ☆ سنگھار ہے، گلزار ہے، بلہار ہے حسن
  دلدار ہے، فنکار ہے، خوددار ہے عشق ☆ اس پار نہ اُس پار ہے، منجھدار ہے حُسن

مندرجہ بالا چاروں رُباعیات کا بغور و فکر جائزہ لیں تو پہلی رُباعی غیر منقوط ہے، دوسری رباعی کے چاروں مصرعے چار اوزان میں ہیں۔ یہاں یہ بات بھی صاف کر دینا ضروری ہے کہ ابراہیم اشک نے چھ رباعیات میں رباعی کے تمام ۲۴ اوزان کہنے کی بھی مہارت دکھائی ہے۔ یہ رُباعی انہیں رباعیات میں سے ایک ہے..... تیسری رُباعی میں ''گھر'' اور ''فرزانے'' دو قوافی کو برقرار رکھا گیا ہے جبکہ چوتھی رُباعی پوری طرح قوافی سے بھرپور ہے۔ ان رباعیات میں ابراہیم اشک کے جوہر صاف طور پر دیکھے جا سکتے ہیں۔ یہ فنکاری کسی اور رباعی گو کے یہاں دیکھنے کو نہیں ملتی ہے۔ اپنی رباعیات کے تعلق سے ابراہیم اشک نے اپنے نظریات کا اظہار چند رُباعیات میں خود ہی کر دیا ہے جس سے اُن کی بات کو سمجھنے اور پرکھنے میں آسانی ہو جاتی ہے۔ مثلاً وہ فرماتے ہیں :

- حافظؔ ہے کہ مستانہ ہوا جاتا ہے ☆ سعدیؔ سے بھی یارانہ ہوا جاتا ہے
  اے اشک جو سنتا ہے رباعی میری ☆ خیامؔ بھی دیوانہ ہوا جاتا ہے
- کوزے میں سمندر ہے رُباعی میری ☆ افکار کا دفتر ہے رُباعی میری
  سو رنگ کے مضمون کا گلدستہ ہے ☆ خیامؔ سے بہتر ہے رباعی میری
- کہتے ہیں کوئی جوشؔ تو کوئی ہے فراقؔ ☆ دو چار رباعی میں ہوئے ہیں وہ طاق
  آفاق ستاروں سے سجا ہے اپنا ☆ اس فن میں کوئی ہم سا نہیں ہے خلاق
- قطرہ ہے سمندر تو نہیں ہو سکتا ☆ ذرّہ مہ و اختر تو نہیں ہو سکتا

ہے اشکؔ رُباعی میں وہ عظمت تیری ☆ امجد ترا ہمسر تو نہیں ہو سکتا

ان چاروں رباعیات میں ابراہیم اشکؔ نے صاف طور پر یہ کہہ دیا ہے کہ فارسی شعراء حافظ شیرازی، سعدیؔ اور خیامؔ بھی اُن کی رباعیات کے دیوانے ہیں..... ان کی رباعی میں سورنگ کے مضامین ہیں جو جوشؔ، فراقؔ اور خیامؔ جیسے رباعی گو شعراء کے یہاں نہیں ملتے ہیں بلکہ ان کی رباعیات میں کوئی ایک مخصوص رنگ ہی ملتا ہے..... وہ امجدؔ حیدر آبادی کو اپنا ہمسر ماننے کو تیار نہیں ہیں..... یہ تمام باتیں اس عمل کی دلیل ہیں کہ ابراہیم اشکؔ کے اندر ایک عظیم رباعی گو مچل رہا ہے جو نہ صرف جوشؔ، فراقؔ اور امجدؔ حیدر آبادی سے بازی مارنا چاہتا ہے بلکہ اپنے فن سے حافظ، سعدی اور عمر خیام کو بھی دیوانہ بنا دینا چاہتا ہے۔ یہ بات نہ صرف ابراہیم اشکؔ کے لئے بلکہ اردو ادب کے لئے بھی خوش آئند ہے۔

ابراہیم اشکؔ کا واسطہ نہ صرف اردو زبان و ادب سے ہے بلکہ ہندی زبان و ادب سے بھی وہ بخوبی واقف ہیں۔ اتنا ہی نہیں فارسی زبان و ادب میں بھی ان کی گہری دلچسپی ہے۔ بیدلؔ اور حافظ شیرازی پر جو سیر حاصل مضامین انہوں نے اپنی کتاب ''تنقیدی شعور'' میں پیش کئے ہیں وہ اس کا ثبوت ہیں..... ان کی یہ رباعیات ملاحظہ ہوں.....

- ہے سب سے نرالی تری ہستی حافظؔ ☆ دلکش ہے تری مادہ پرستی حافظ
  کیوں عشق نہ ہو جائے تری غزلوں سے ☆ ہر شعر میں ہے عشق کی مستی حافظؔ
- سعدیؔ کی ذہانت نے لبھایا ہے مجھے ☆ افکار نے رومیؔ کے رجھایا ہے مجھے
  خیامؔ نے مئے نوش بنا کر چھوڑا ☆ حافظؔ نے غزل کہنا سکھایا ہے مجھے
- حافظؔ کا سخن دل کو بہت ہی بھایا ☆ بیدلؔ نے بھی جی بھر کے مجھے تڑپایا
  سعدی نے گلستان بنایا دل کو ☆ اے اشکؔ میں اردو میں وہ خوشبو لایا
- آجانِ وفا تجھ کو صدا دیتا ہوں ☆ اس ناز سے میں دادِ وفا دیتا ہوں
  ایک تلِ پہ سمرقند و بخارہ کیا ہیں ☆ میں دونوں ہی عالم کو لٹا دیتا ہوں

مشہور واقعہ ہے کہ شہنشاہ تیمور نے جب حافظ شیرازی کا مشہور شعر سُنا جس میں محبوب کے ایک تِل پر سمرقند اور بخارہ جیسے خوبصورت شہروں کو لٹا دینے کی بات کہی تھی یہ دونوں شہر شہنشاہ تیمور نے بڑی جدوجہد کے بعد جیتے تھے۔ شہنشاہ تیمور نے سوچا یہ کیسا شاعر ہے جو ان خوبصورت شہروں کو محبوب کے ایک تل پر لٹا دینے کی بات کرتا ہے۔ اُسے دربار میں بلایا جائے..... حافظ شیرازی جب شہنشاہ کے دربار میں پہنچا تو تیمور نے اُس سے سوال کیا..... کہ تم اپنے محبوب کے ایک تل پر سمرقند اور بخارہ لٹا دینے کی بات

کیوں کرتے ہو؟ حافظ شیرازی نے کہا حضور یہی سبب تو ہے کہ مجھ جیسا شاعر آپ جیسے شہنشاہ سے زیادہ فضول خرچ ٹھہرا ہے..... حافظ شیرازی کا وہ تاریخی شعر یہ تھا۔

اگر آں ترک شیرازی بدست آرد دل مارا ☆ بہ خالِ ہندوش بخشم سمرقند و بخارا را

خواجہ حافظ شیرازی نے محبوب کے ایک تل پر سمرقند اور بخارہ قربان کر دینے کی بات کہہ کر اپنے فضول خرچ ہونے کی بات کہی تھی لیکن ابراہیم اشک ان سے بھی دو قدم آگے نکل گئے ہیں۔ یہ اپنے محبوب کے ایک تل پر سمرقند و بخارا کیا دونوں عالم کو لٹا دینا چاہتے ہیں۔ خواجہ حافظ شیرازی بھی اگر اس رباعی کو سنتے تو ابراہیم اشک کی اس فیاضی کی داد دیئے بغیر نہ رہتے۔

حُسن و جمال کی طلسماتی کیفیت کو رباعی کے سانچے میں ڈھالنے والے شاعر ابراہیم اشک کی رباعیاں دل کی گہرائیوں میں اتر کر قارئین سے داد وصول کر لیتی ہیں..... یہ رباعیاں ملاحظہ ہوں :

- بھولے سے تری یاد جو آجاتی ہے ☆ اک اجڑے ہوئے قصر کو چمکاتی ہے
  پالیتا ہوں دم بھر میں زمانے کی خوشی ☆ جنت مرے قدموں میں چلی آتی ہے
- افکار کی محفل میں سجالوں جاناں ☆ جذبات کے ہر رنگ میں ڈھالوں جاناں
  ہر شعر کو جاوید بنانے کے لئے ☆ آ تجھ کو غزل اپنی بنالوں جاناں

محبوب کی یاد کو جنت سے مشابہ کر کے شاعر نے فکر و فن کی بلندیوں کو چھو لیا ہے۔ ابراہیم اشک کی رُباعیاں ایسی نہیں ہیں کہ کوئی پڑھکر سرسری طور پر گزر جائے اور کسی طرح کا اثر طاری نہ ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کا دھیما لہجہ اور دلکش انداز بیان اس قدر شگفتہ ہیں کہ ہر پڑھنے والے کو اپنی طرف کھینچتے ہیں۔ لفظ ''یاد'' سے اشک صاحب نے بہت کام لیا ہے۔ اس چھوٹے سے مترنم اور خوبصورت لفظ کو انہوں نے اپنی رباعیوں میں حسن کمال کے ساتھ پیش کیا ہے۔ اُن کی یہ سبک روی دھیرے دھیرے ترنم بن کر فکر و احساس کی تہیں کھولتی ہیں۔ ذرا یہ رباعی دیکھئے :

جو یاد بھی جاتی ہے پلٹ آتی ہے ☆ اکثر یہ ہوا نیند اچٹ جاتی ہے
بٹ جاتا ہے لمحوں میں یہ سارا وجود ☆ قسطوں میں مری رات بھی کٹ جاتی ہے

ابراہیم اشک ہمیں چونکانے والے احساسات اور جذبات سے آشنا کرتے ہیں۔ ان کی تازہ اور رومانی فکر سے لبریز رباعیاں پڑھ کر دل جھوم اٹھتا ہے۔ وہ فرماتے ہیں :

وہ چال کہ ہے موج میں ندی جیسے ☆ وہ زلف کہ خوشبوسی برستی جیسے
وہ جھولتے مینارے ڈھلکتی چُونر ☆ مندر پہ کوئی بجلی چمکتی جیسے

مختصر یہ کہ ابراہیم اشک نے اپنی رُباعیات میں فکروفن کی عظمت کو چھولیا ہے اور جس طرح وہ غزل، نظم، گیت اور دیگر اصنافِ سخن میں کامیابی کی منزلیں طے کرتے رہے ہیں اسی طرح رباعی کہنے میں بھی کامیاب وکامران نظر آتے ہیں......امید ہے کہ ان کی رباعیات اردو دنیا میں ہمیشہ عزت واحترام کی نظر سے دیکھی جائیں گی۔ میں تو علامہ اقبال کی زبان میں اتنا ہی کہوں گا :

ہر لحظہ نیا طور نئی برق تجلّی ☆ اللہ کرے مرحلۂ شوق نہ ہو طے

پروگرام ایگزیکیوٹو' نیشنل چینل'

آل انڈیا ریڈیو' ٹوڈاپور' نئی دھلی - ۱۱۰۰۱۲

☆☆☆☆☆

☆☆☆

شبیر احمد

ابراہیم اشک اور فن رباعی

رباعی کا ذکر آتے ہی ہمارا ذہن دفعتاً فارسی ادب کی طرف چلا جاتا ہے۔ رودکی، ابوالخیر، عطار، رومی یاد آنے لگتے ہیں۔ ساقی، شراب، میخانے اور عمر خیام کا تذکرہ چھڑ جاتا ہے اور زبان پر برجستہ 'لاحول ولا قوۃ الا باللہ' آجاتا ہے۔ چار مصرعوں، چوبیس اوزان، مقفیٰ، مردف، خصی اور غیر خصی کی بحث کے ساتھ ساتھ موضوعات کی رنگا رنگی اور چوتھے مصرعے میں معنویت کے سمٹ آنے کی تکرار بھی طول پکڑنے لگتی ہے۔ اور جب اردو رباعی کی بات شروع ہوتی ہے تو انیس، دبیر، حالی، اکبر، جوش، امجد حیدر آبادی وغیرہ کی رباعیات پر ہماری نگاہ ٹکنے لگتی ہے۔ لیکن اردو کے جدید شعراء رباعی جیسی مقبول صنف سے پہلو تہی کرتے محسوس ہوتے ہیں۔ اس کی ایک وجہ تو یہ بتائی جاتی ہے کہ رباعی دوسری صنفوں کے مقابلے زیادہ دشوار صنفِ سخن ہے۔ یہ عروض پر پوری دست رس کا متقاضی ہے۔ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ رباعی کے اختصار اور ہیئت کے تقاضے ایسے سخت ہوتے ہیں کہ اکثر شعرا اس میں طبع آزمائی کرنے سے کتراتے ہیں۔ وجہ کچھ بھی ہو اس میں دو رائے نہیں کہ جدید شعراء رباعی کی جانب سے بے اعتنائی برتنے لگے ہیں۔ لیکن اردو شاعری کے لئے یہ ایک خوش آئند بات ہے کہ ابراہیم اشک جیسے جیالے شاعر نے ہمت کی، اس رخ قدم بڑھایا اور اس دشوار راہ پر چلنا گوارہ کیا۔ یہ واقعی دل گردے کی بات ہے :

پرواز کوئی دور کی بھر جا پیارے ☆ یا گہرے سمندر میں اتر جا پیارے
وہ دن کہ تجھے وقت مٹائے آکر ☆ دنیا میں کسی حد سے گذر جا پیارے

ابراہیم اشک کی اسی ہمت نے ہی انھیں اس قحط کے دور میں رباعی کہنے پر آمادہ کیا ہے۔ اس طرح انھوں نے اردو رباعی پر چھائے ہوئے جمود کو کسی حد تک توڑ دیا ہے :

گنجینۂ معنی کا ہنر لایا ہوں ☆ الفاظ میں انوار گہر لایا ہوں
اے ظلمتِ تاریخ ادب تیرے لئے ☆ دامن میں رباعی کی سحر لایا ہوں

یعنی ابراہیم اشک کو اس بات کا احساس ہے کہ رباعی کے بغیر اردو ادب سونا سونا ہے۔ لہذا انھوں نے اس کمی کو پورا کرنے کے لئے اپنے تئیں ایک کوشش کی ہے۔ ابراہیم اشک نے بھی رباعی کہنے کو گنجینۂ معنی

ہنر اور الفاظ میں انوار گہر سے تعبیر کر کے اس بات کی طرف اشارہ کر دیا ہے کہ رباعی کہنا بچوں کا کھیل نہیں۔ لیکن میرا خیال ہے کہ جہاں ہیئتی اعتبار سے رباعی کا تعلق ہے، غزل گو شعراء کے لئے یہ صنف سخن بہت زیادہ مشکل نہیں ہونا چاہئے۔ موضوع کے اعتبار سے بھی اسے زیادہ مشکل فن نہیں کہنا چاہئے۔ تو پھر آخر وہ کیا چیز ہے جس کی وجہ سے رباعی ایک مشکل صنف بن جاتی ہے۔ بعض ماہرین فن نے مصرع بہ مصرع خیال کے تسلسل اور ارتقا پذیری کو اور بعض چوتھے مصرعے میں خیال کی تکمیل کو رباعی کی دشوار کن ہونے کی وجہ بتائی ہے۔ ابراہیم اشک کی چند رباعیاں دیکھیں۔ اس سے یہ پہلو کسی حد تک واضح ہو جاتا ہے :

- کیا نیست ہے نابود ہے میں کیا جانوں ☆ کی آتشِ نمرود ہے میں کیا جانوں
  ایمان و دل و جان لٹا کر خوش ہوں ☆ نقصان ہے یا سود ہے میں کیا جانوں
- نکلے ہیں محبت کے سفر پر یارو ☆ اک عمر ہوئی ایک نظر پر یارو
  منزل ہے کہاں کوئی نہیں جان سکا ☆ ہم تم ہیں سبھی راہ گذر پر یارو

ان رباعیوں کے چوتھے مصرعوں میں رباعی کا نفسِ مضمون سمٹ آیا ہے۔ پہلی رباعی میں اصل نکتہ عشق کا ہے، جو دراصل اقبال کے اس مشہور شعر کا غماز ہے :

بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق ☆ عقل ہے محو تماشائے لب بام ابھی

یہاں ابراہیم اشک صرف اس بات پر زور دینا چاہتے ہیں کہ عشق سود و زیاں سے بلند تر شے ہے۔ لیکن اس نکتے تک پہنچنے کے لئے انہوں نے اپنے خیال کو زینہ بہ زینہ ارتقائی مرحلے سے گزارا ہے۔ پہلے مصرعے میں شاعر کہتا ہے کہ سچے عاشق کو کسی چیز کی پرواہ نہیں ہوتی ہے۔ وہ زندگی اور موت سے بے گانہ ہوتا ہے۔ اس بات کو مزید آگے بڑھانے کے لئے شاعر نے دوسرے مصرعے میں کنایئے سے کام لے کر ابراہیمؑ کے مشہور واقعے کی طرف اشارہ کیا ہے۔ تیسرا مصرع عشق کے موضوع کو مزید آگے بڑھاتا ہے اور عشق میں سب کچھ لٹا دینے کی بات کرتا ہے۔ اور پھر شاعر چوتھے مصرعے میں عشق کے موضوع کو سمیٹتے ہوئے عشق کو مادہ پرستی سے بالاتر بتاتا ہے۔ جبکہ دوسری رباعی کا نفس مضمون عمر خیام کی اس رباعی سے مستعار معلوم ہوتا ہے :

دوری کہ دروں آمدن و رفتنِ ماست ☆ او را نہ بدا ہت نہ نہایت پیداست
کس می نزند دمی دریں معنی راست ☆ کیں آمدن از کجا و رفتن بکجا ست

خیام اس رباعی میں دنیا سے متعلق ایک فلسفیانہ سوال پوچھتے ہیں۔ یہ خدائی کہاں سے آئی ہے اور کہاں چلی جا رہی ہے؟ ابراہیم اشک خود اس قسم کا سوال بھی پوچھتے ہیں اور خود اس کا جواب بھی دیتے ہیں۔ ان

کا چوتھا مصرع دنیا کو منزل نہیں بلکہ راہ گذر بتاتا ہے۔ ایک ایسی راہ گذر جس کی منزل کا اتا پتا آج تک کوئی نہیں جان پایا ہے۔ لیکن اس رباعی کا پہلا مصرع چوتھے مصرعے سے کہیں زیادہ پُر اثر محسوس ہوتا ہے۔ اگر پہلے مصرع کے نفسِ مضمون کو اس رباعی کا تکمیلی نکتہ بنا دیا گیا ہوتا تو اس رباعی سے انسانی سفر کے مقصد پر روشنی پڑتی اور اس کا فلسفیانہ Tone بھی قدرے کم ہو جاتا۔ بالکل ان رباعیوں کی طرح :

- چھوڑی نہ اگر تو نے خود پسندی ہرگز ☆ ہوگی نہ طرف تیرے خدائی ہرگز
  پانا ہے اگر کچھ تو کسی کا ہو جا ☆ بن اس کے ملے گی نہ بلندی ہرگز
- ہنس دیں تو زمانے کو گلستاں کر دیں ☆ رو دیں تو گلستاں کو بیاباں کر دیں
  دنیا کو بدلنے کی ادا ہے ہم میں ☆ نظریں جو اٹھائیں تو چراغاں کر دیں

غرض یہ کہ خیال کا تسلسل اور چوتھے مصرعے میں خیال کی تکمیل رباعی کو ایک دشوار کن صنفِ سخن بنا دیتی ہے۔ لیکن خیال کا تسلسل وارتقا تو تقریباً سبھی اصناف سخن کا تقاضہ ہے۔ مثلاً غزل کے دونوں مصرعوں میں اگر خیال کا تسلسل وارتقا موجود نہیں ہے، تو ان مصرعوں کے امتزاج سے وجود میں آنے والا شعر بے ربطی، عدم آہنگی اور بھونڈے پن کا شکار ہو جائے گا۔ مثنوی، قصیدہ، مرثیہ، نظم غرض کہ تمام اصنافِ سخن میں شاعر اپنے خیالات کو ایک مخصوص پیرائے میں ڈھال کر ان کے ہر اجزا کے درمیان تسلسل اور ارتقائی مراحل کو ملحوظ خاطر رکھتا ہے۔ لیکن اگر کسی رباعی کے چاروں مصرعوں میں خیال کا یہ تسلسل وارتقا منطقی انداز میں ہو تو وہ رباعی شاعری کا ایک عمدہ نمونہ بن سکتی ہے۔ اور اگر ان مصرعوں میں منطقی رشتوں کا فقدان ہو اور چوتھا مصرع تینوں مصرعوں پر مبنی ہو کر ایک Conclusion کی شکل میں نمایاں نہ ہو سکے تو وہ رباعی عدم تاثیر کا شکار ہو جاتی ہے اور یہ مفروضہ سچ ہوتا نظر آنے لگتا ہے کہ رباعی کہنا بچوں کا کھیل نہیں۔

لیکن اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر یہ منطقی رشتہ ہے کیا؟ ہم اس کی وضاحت درج ذیل منطقی اظہاریے کی مدد سے کر سکتے ہیں :

تمام جاندار فانی ہے
انسان ایک جاندار ہے
میں ایک انسان ہوں
میں فانی ہوں
جب آگ لگتی ہے دھواں اٹھتا ہے

دھواں دھند ہی تو ہے
سردی کی صبح دھندلی ہوتی ہے
سردی کی صبح میں ہر طرف آگ لگی ہوتی ہے

ان دونوں منطقی اظہاریے کے چوتھے جملوں میں دو الگ الگ نوعیت کے Conclusion اخذ ہوئے ہیں۔ پہلے اظہاریے میں 'میں فانی ہوں' اور دوسرے میں 'سردی کی صبح میں ہر طرف آگ لگی ہوتی ہے' دونوں ہی اظہاریے میں کہنے والوں نے اپنے اپنے نکتے کو تین تین Statement پر مبنی کرنے کی کوشش کی ہے۔ لیکن 'میں فانی ہوں' ایک ایسے دماغ کی پیداوار معلوم ہوتا ہے جو دوسرے کے مقابلے زیادہ منطقی اور بہتر ہے۔ جبکہ سردی کی صبح میں ہر طرف آگ لگی ہوتی ہے' کو بھی کہنے والے نے بڑے سلیقے سے برتا ہے، اور اس کی بنیاد کسی نہ کسی طرح تین ہم ربط جملوں پر رکھنے کی کوشش کی ہے۔ لیکن یہ Conclusion ہمارے ذہن میں کھٹکتی ہے، اس میں کہنے والے کی فکر و نظر کی سطحیت کا احساس ہوتا ہے۔ لیکن اس اظہاریے کے دوسرے جملے کو 'دھواں دھند ہی تو ہے' کی بجائے اگر 'دھند دھواں ہی تو ہے' کر دیا جائے تو اس سے اخذ ہونے والا Conclusion بہتر اور زیادہ قابل قبول بن جاتا ہے۔ لہٰذا رباعی گو شاعر کو اس بات کا بطور خاص دھیان رکھنا چاہئے کہ چوتھا مصرع پہلے تین مصرعوں کا Conclusion ہو۔ اور یہ اسی وقت ممکن ہو سکتا ہے۔ جب رباعی گو شاعر کا شعور بالیدہ اور ذہن پختہ ہو، تاکہ وہ تمام مصرعوں کو ایک منطقی رشتے میں پرو سکے۔ ابراہیم اشک کی رباعیوں کے مطالعہ سے ان کے شعور کی بالیدگی اور ذہن کی پختگی کا احساس ہوتا ہے۔ انھوں نے حتی الامکان یہ کوشش کی ہے کہ ان کی رباعیوں کے تمام مصرعے آپس میں منطقی طور ہم آہنگ اور ہم رشتہ ہوں اور چوتھے مصرع میں رباعی کا مرکزی نکتہ سمٹ آئے۔ اسی لئے ان کی زیادہ تر رباعیاں پُر اثر اور کامیاب نظر آتی ہیں۔ چند رباعیاں بطور مثال پیش ہیں :

- تہذیب و تمدن کی وراثت مت چھوڑ ☆ نادان سرابوں کے پیچھے مت دوڑ
  جس روز جڑوں سے تو اکھڑ جائے گا ☆ اس روز بہت مہنگی پڑے گی یہ دوڑ
- سچ بات کوئی کہنے کو تیار نہیں ☆ اجلاس میں دنیا کی صلح کار نہیں
  ملکوں کی سیاست کا عجب ہے ناٹک ☆ کمزور کا کوئی بھی طرف دار نہیں
- سامان تباہی کا لئے بیٹھے ہیں ☆ سب جنگ کا اعلان کئے بیٹھے ہیں
  ایٹم بموں کی ہوڑ لگی ہے ایسی ☆ سر موت کے جبڑے میں دیئے بیٹھے ہیں

موضوع سے متعلق رباعی کے سلسلے میں ایک اور بات بار بار سننے میں آتی ہے کہ اس کے مضامین اچھوتے اور خیالات بلند ہونے چاہئے۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا غزل، نظم وغیرہ کے لئے اچھوتے مضامین کا اچھوتا پن اور خیال کی بلندی درکار ہوتی ہے۔ اور اچھی شاعری کے لئے تو یہ لازمی شئے ہے۔ شاعر کوئی عام انسان نہیں ہوتا۔ اس کے سوچنے کی سطح عام سطح سے کہیں بلند و بالا ہوا کرتی ہے۔ وہ چبایا ہوا نوالہ نہیں نگلتا ہے۔ اسے خیالات میں نہ تو ملاوٹ پسند ہوتی ہے نہ ہی لگاوٹ اور گراوٹ تو اسے قطعی پسند ہی نہیں ہوتی ہے۔ ابراہیم اشک کو بھی اس کا شدید احساس ہے :

تخلیق ادب میں نہ ملاوٹ اچھی ☆ باتوں میں نہ شاعر کی لگاوٹ اچھی
ہے کارگہہِ شیشہ گری اشک یہ فن ☆ فن کار کے فن میں نہ گراوٹ اچھی

لیکن اس سے یہ نتیجہ ہرگز نہ نکالنا چاہئے کہ ادب پارے میں موضوع کی ندرت اور فکر کی بلندی ہی سب کچھ ہوا کرتی ہے۔ بعض ادیب و شاعر پرانے موضوع کو لیتے ہیں۔ جھاڑ پونچھ کر اس کی ایسی جلا کاری کرتے ہیں کہ وہ موضوع پہلے سے کہیں زیادہ دلکش، جاذب اور پُر اثر بن جاتا ہے۔ ولیم شیکسپیئر کے ڈرامے اور سانٹ اس کی زندہ مثالیں ہیں۔ ابراہیم اشک نے بھی اپنی بعض رباعیوں میں یہ جوہر دکھایا ہے۔ پرانے موضوع کو اٹھایا اور انھیں اپنی فن کاری سے چمکایا ہے۔ لیکن صرف پرانے موضوع ہی نہیں بلکہ ابراہیم اشک کی رباعیات میں ہمیں انواع و اقسام کے موضوعات ملتے ہیں۔ انھوں نے جہاں کلاسیکی شاعروں کی طرح حمدیہ، نعتیہ، منقبتی، متصوفانہ، اخلاقی، خمریاتی اور فلسفیانہ رباعیاں کہی ہیں، وہیں ترقی پسندوں کی مانند سماجی، سیاسی، اور معاشی مسائل سے متعلق مضامین بھی باندھے ہیں۔ جدید شاعروں کی طرح فرد اور اس کی داخلی دنیا کا سیر بھی کرایا ہے۔ کہیں کہیں تو مابعد جدیدیت کے زیر اثر فرد، سماج اور کائنات کی تمام بندشوں کو توڑ کر ہر شئے کو آزادانہ پس منظر میں دیکھنے کی کوشش کی ہے۔ اور اس طرح ابراہیم اشک نے رباعی کے موضوعات میں رنگا رنگی، بوقلمونی، اور تنوع پیدا کر کے اس کے دامن کو وسعت دینے کی ہر ممکن کوشش کی ہے۔ لیکن وہ بعض الفاظ جیسے بادل کے بگولے، ایک پل کو بھی آرام، مائل پرواز، دادِ وفا، احساسِ وفا، کنگن کی کھنک، تخلیقِ ادب وغیرہ کی تکرار سے ہمیں افسردگی کا احساس بھی دلاتے ہیں۔ انھیں اس طرف بطور خاص توجہ دینی چاہئے تھی۔

83, D/6 بلگچھیا روڈ۔ کولکاتا۔700037

☆☆☆☆☆

☆☆☆

ابراہیم اشک : کارگہہِ شیشہ گری کا رباعی گو

جس طرح اردو زبان دنیا کی مختلف زبانوں کے اشتراک سے عالمِ وجود میں آئی ہے اسی طرح اردو شاعری کی بیشتر اصناف بھی دوسری زبانوں سے مستعار ہیں۔ زیادہ تر اصناف شاعری فارسی سے اردو میں منتقل ہوئی ہیں۔ جن میں ایک اہم صنف رباعی بھی ہے۔ اس صنف کو دنیائے شاعری میں جو وقار اور سربلندی حاصل ہوئی ہے، کسی دوسری صنف کو نصیب نہیں ہو سکی۔ کیوں کہ رباعی وہ مشکل صنف ہے جو ایک عمر کی ریاضت اور تجربے کے بعد شاعر کی گرفت میں آتی ہے۔ اس صنف کو اس کے مروجہ اوزان و بحور کی بنا پر مشکل تصور کیا جاتا ہے۔ یہ واحد صنفِ شاعری ہے جس میں ایک یا دو نہیں، دس یا بیس نہیں بلکہ ہزاروں اوزان کا انکشاف ہوا ہے۔ تاہم تمام تر اختلافات کے باوجود عروض دانوں نے متفقہ طور پر رباعی کے لئے ۲۴ اوزان مقرر کر دیئے ہیں۔ انھیں ۲۴ اوزان میں رباعیاں کہنے کا سلسلہ دراز ہے لیکن بیشتر رباعی گو لاحول ولاقوۃ الا باللہ (مفعول مفاعیل مفاعیلن فع) کے وزن پر ہی رباعیاں خلق کرتے رہے ہیں۔ کیوں کہ اس بحر میں جو رنگ و آہنگ اور غنائیت موجود ہے وہ دیگر بحروں میں نہیں۔

ایران میں غزل کی بہ نسبت رباعی کو غیر معمولی شہرت اور مقبولیت حاصل ہوئی۔ ابوسعید ابوالخیر، خیام، سعدی، خاقانی اور حافظ نے اپنے فکر و فن کی بدولت رباعی کو مقبولیت کے بامِ عروج پر پہنچا دیا لیکن خیام کی رباعیوں کو جو محبوبیت حاصل ہوئی اسے کبھی فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ دراصل خیام اور رباعی ایک دوسرے کے لئے لازم و ملزوم سمجھے جاتے ہیں۔

ہندوستان میں جب رباعی گوئی زور پکڑنے لگی تو سلطان قلی قطب شاہ سے لے کر فراق نے بھی رباعی کی عظمت کا پاس رکھتے ہوئے اسے اپنے حرمِ فکر میں جگہ عطا کی اور اس کے حسن میں مزید اضافہ کیا۔ اس کے باوجود اردو رباعی مقبولیت کی اس منزل کو پانے میں ناکام رہی جو فارسی رباعی کے حصے میں آئی کیوں کہ رباعی کے سلسلے میں اس کی فنی مشکلات کی غیر معمولی افواہ جڑ پکڑ چکی تھی۔ اس کا یہ ردِ عمل سامنے آیا کہ اچھے شاعروں نے بھی رباعی کی جانب پیش قدمی کرتے ہوئے ہچکچاہٹ محسوس کی۔ نتیجتاً اردو رباعی کو مقام زیاں سے گزرنا پڑا۔ ورنہ غزل کی طرح رباعی بھی ہر دل عزیز اور محبوب صنفِ سخن ہوتی!

موضوعات کے اعتبار سے بھی رباعی کا دائرہ محدود کر دیا گیا۔ ابتدا میں چوں کہ عام شاعروں کی بہ